

علیہ رون

سورہ روم کی ابتدائی آیات کی تاریخی تفسیر

www.KitaboSunnat.com



مولانا ناظم فر علی خان



معزز قارئین توجہ فرمائیں

کتابِ مہنت کی روشنی میں لمحیٰ جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا منتظر

- **کتاب و سنت ذات کام** پرستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
 - **بیانات التحقیق الislamی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصریق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
 - **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیه

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر متمم کتب متعلقہ ناشرپن سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاؤشوں میں بھر پور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com
🌐 www.KitaboSunnat.com

25513



www.KitaboSunnat.com

غلبہ روم

ایک تاریخی تفسیر

6073

25513

غلبہ روم

سُورہ روم کی ابتدائی آیات میں قرآن حکیم نے جو عظیم الشان پیشیں
گوئی فرمائی تھی اس کی تصدیق تاریخ ایران و روما کی روشنی میں

جسے

مولانا ظفر علی خاں

نے تحریر فرمایا

یکتا کتابیں، لاہور

نام کتاب	غلبہ روم
مؤلف	مولانا ظفر علی خاں
ناشر	شقیقین شوکت
	یکتا کتابیں لاہور
	2007ء
سرور ق	ذوالفقارت ابش
پروف خوانی	قاری اختر حبیب
حروف بندی	شاهد خاں (0300-4437883)
مطبع	المطبعة العربية
قیمت	150/-
واحد تقسیم کار	نگارشات پبلشرز
	38 میں اردو بازار۔ 24 مزگ روڈ لاہور
فون:	042-5014066-7322892
فیکس:	042-7354205

غلىبہ روم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْمَوْلَى نَعْلَمُ فِي أَذْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مَنْ بَعْدَ غَلَبَهُمْ سَيَغْلِبُونَ
 فِي بَصْرَهُ سَيْئَنَ ۝ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلٍ وَمَنْ يَعْدُهُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ
 بِنَصْرِ اللَّهِ طَيْبُهُ مَنْ يَشَاءُ طَوْهُ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَعَدَ اللَّهُ طَلَبُهُ لَا يَخْلُفُ اللَّهُ
 وَعْدَهُ وَلِكُنَّ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَلَقَدْ ضَرَبَنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْفُرْقَانِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ طَوْلَنَسْ جِنْتَهُمْ بِإِيَاهِ
لِيَقُولُوا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ أَنْتَمْ لَا مُبْطَلُونَ ۝ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَحْفِنْكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۝

ترجمہ: "ارض ادنیٰ" (یعنی فلسطین، مصر، عراق، شام، قطنطینیہ اور ایشیا کو چک) میں سلطنت روم کو مغلوب ہونا پڑا ہے۔ لیکن اس سلطنت والے عقربیب چند ہی سال میں پھر غالب آ جائیں گے۔ شکست و فتح کا اختیار پہلے بھی اللہ ہی کو تھا اور اس واقعہ کے بعد بھی اسی کو حاصل ہے۔ (اسی اختیار کی رو سے) وہ جس دن اہل روم کو غلبہ عطا کرے گا تو بتوفیق ایزدی مسلمانوں کو بھی خوشی نصیب ہوگی۔ خدا جس کو چاہتا ہے نصرت دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ تو انہا اور حیم ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کبھی اینے وعدے کے خلاف

2 == غلبہ نعم ==

نہیں کرتا۔ لیکن اس حقیقت سے اکثر لوگ نا آشنا ہیں۔

ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لئے اس قرآن میں طرح طرح کی مثالیں دی ہیں لیکن (اے محمد ﷺ) حقیقت یہ ہے کہ) خواہ تم انہیں کوئی سامجھہ بھی لا دکھاؤ پھر بھی جو منیر ہیں وہ تو یہی کہیں گے کہ مسلمانوں کا کام ہی فریب دینا ہے۔ جو لوگ حقیقت سے بے خبر ہیں ان کے دلوں پر خدا اسی طرح مہر لگادیا کرتا ہے۔ بہر حال (اے محمد ﷺ) تم ذرا صبر کرو (اور دیکھو کہ خدا کیا کرتا ہے۔) اللہ کا وعدہ پیش کر جن ہے ایسا نہ ہو کہ جن لوگوں کو تمہاری باتوں کا یقین نہیں تمہارے لئے وجہ احتفاظ بن جائیں۔“

واقعات گز شتہ اور حالات موجودہ کا حکیمانہ استقصا اور ارباب بیش کی ہدایت کے لئے ان واقعات و حالات سے فلسفیانہ تائج کا استنباط ایک نکتہ رس مورخ کی وقت نظر کے لئے آسان ہے۔ لیکن حوادث آتیہ کی نسبت کوئی قطعی اور فیصلہ کن حکم لگانا اور کھلے ہوئے الفاظ میں کسی آئندہ واقعہ کے ظہور کی اطلاع دینا صرف انہیں خاص خاص برگزیدہ لوگوں کے لئے ممکن ہے جنہیں خدائے قدوس کی بارگاہ سے انعام نبوت عطا ہوا ہے۔ اصطلاح مذہب میں اس قسم کی اطلاع دہی کو پیش گوئی کہتے ہیں اور سماوی الصل مذاہب کی تاریخ انواع و اقسام کی پیش گوئیوں سے معور ہے۔

پیش گوئیوں کے الفاظ کبھی صاف و صريح ہوتے ہیں اور کبھی پوچیدہ و مبہم۔ مکان و زمان کی تعین اور اسما و اشخاص کی تصریح کبھی ایضاً کا پہلو لئے ہوتی ہے کبھی ابہام کا۔ شاہد راز کی چہرہ کشائی میں مشالطہ غیب کا ہاتھ ذرا رک رک کر اٹھتا ہے۔ عہد عقیق کے صحائف کی سطر سطر اس حقیقت کی آئینہ داری کر رہی ہے۔

لیکن جو پیش گوئی قرآن حکیم کی آیات زیب عنوان میں درج ہے وہ رمز سے عاری کنایہ سے مبرا اور ارتیاب سے پاک ہونے کے ساتھ ایک مہتم بالشان تاریخی واقعہ کا استقبال ایسے وثوق آمیز تیقین کے ساتھ کرتی ہے اور اس کا حسن بے پرده تاویل کے آب و رنگ سے یہاں تک بے نیاز ہے کہ طالبان حقیقت کے لئے اس کی ازلی و سرمدی

غلبة ستم

3

صداقت کے آگے سر جھکا دینے کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں۔

محمد عربی (بابی انت وابی) نے جبریل امین کی وساطت سے ان آیات بیانات میں دنیا کو جب انقلاب آفریں واقعہ کی خبر ظہور سے سات سال پہلے دے کر متلاشیان حق و صداقت کی ان گست جماعتوں سے اپنی ختم المرسلین کا اعتراف کرایا۔ وہ تاجدار ان مدائن قسطنطینیہ کی آخری خوزیر چپکلش کے نتیجے سے تعلق رکھتا ہے۔

حضور سرکار کائنات ﷺ کو مکہ میں اعلائے کلمۃ الحق فرماتے ہوئے آٹھ سال گزرے تھے کہ ایشیا کی سب سے زیادہ زبردست سلطنت یعنی دولت آل ساسان نے ایک طویل معز کے میں قیصر روم کو پے در پے شکستیں دے کر اس کا بیزدہ صد سالہ اقتدار خاک میں ملا دیا۔ اور جانشینان قسطنطینیہ اعظم جن کے دم سے میسیحیت کا بھرم قائم تھا آتش پرستان ایران کے آستانہ جاہ و جلال پر ناصدہ فرسائی کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ کفار عرب جنہیں اشتراک عقامہ کی بنا پر محسوسیوں کے ساتھ ہمدردی تھی میسیحیت کی اس تذلیل پر خوش تھے لیکن اسلام جو سچ اہن مریم کی مامور من للہ تھی کی تقدیق کر چکا تھا اپنے روحانی قرابت داروں کے دنیوی وقار کو یوں گھٹتا ہوا دیکھ کر مغموم تھا۔ بت پرستان مکہ مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے کہ تمہارا اور عیسائیوں کا خدا ہے واحد شہنشاہ ایران کے عساکر قاہرہ کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ اب کیوں نہیں اس کو بلا تے ہو۔ کسری کی فتح بظاہر ایسی فیصلہ کن اور قیصر کی شکست ایسی فاش نظر آتی تھی کہ رومنیوں کے سنبھلنے کا کوئی امکان باقی نہ رہا تھا۔ میں اس عالم نامیڈی میں جبکہ دنیارومیوں کے لئے نگ ہو گئی تھی اور حالات و واقعات کی بناء پر طاقت بشری سے یہ بات خارج تھی کہ ساسانیوں کے مقابلہ میں رومنیوں کی فتحیابی کو امور ممکن الواقع کی ذیل میں لا سکے، جتاب پیغمبر ﷺ آخر الزمان نے رومنیوں کے غلبہ مکر کی حقی بشارت مسلمانوں کو دے کر اس آسمانی حقیقت کا اعلان بانہنگ بلند فرمادیا کہ شکست و فتح افواج کی قلت و کثرت اور متحاصین کے ساز و سامان پر منحصر نہیں۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر موجود ہے یہی

نکتہ غیبیہ کس بلاغت کے ساتھ قرآن حکیم کے ایک دوسرے مقام پر یوں دہرا یا گیا ہے۔

اللَّهُمَّ مَا لَكَ الْمُلْكُ تُؤْتِي الْمُلْكَ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزَعُ الْمُلْكُ مِمَّنْ
تَشَاءُ وَتُعَزِّزُ مِنْ تَشَاءُ وَتُنْذِلُ مِنْ تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

ترجمہ: اے خدائے بزرگ و برتر حکومت اور سلطنت تیرے ہی یہ قدرت میں ہے تو جس کو چاہتا ہے سلطنت دیتا اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے۔ تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں فوز و فلاح ہے اور البتہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

سورہ روم کی تنزیل کے نھیک سات سال بعد جبلہ میدان بدر میں خود فرزندان اسلام کی ایک مخفی بھر جماعت کفار عرب کو اس ازلی حقیقت کا درس دینے میں مصروف تھی۔ غلبہ روم کی پیش گوئی رسول اللہ کی زندگی ہی میں بڑے کروفر کے ساتھ پوری ہوئی اور ایک حیرت زده دنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح خدائے قادر و تو انا کا وعدہ جو اس تحفہ کی کے ساتھ کیا گیا تھا وفا ہوا اور ہر قل قصر روم کی ناتوانی اور بے سرو سامانی خسرو پرویز کی شوکت و عظمت اور سطوت و جبروت پر غالب آئی۔

لیکن حق ناشناس مسیحیوں نے اسلام کی اس غائبانہ ہمدردی کا جواب اگر دیا تو یہی کہہ کر دیا کہ انْ أَنْتُمُ إِلَّا مُبْطَلُونَ۔ مسلمانوں کے ایک خاص کرم فرمادہ میں صاحب اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں بشارت غلبہ روم کی جو تاریخ کی کسوٹی پر کسی جا چکی ہے آیت من آیات اللہ قرار دینے کی بجائے محض رسول اللہ ﷺ کی قیاس آرائی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلام کی صداقتوں کا ابطال اور حضور محمد مصطفیٰ کی رسالت سے انکار کوئی ایسی بات نہیں جس پر ہمیں تکلیفیاے عیسوی کے عمل منش ارکان سے گزرنے کا حق حاصل ہو۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ آیا ایک ای محض جو کتابی علوم سے بیگانہ تھا، جس نے کبھی سماںی اور بازنطینی دولتوں کے تمدنی مرکزوں کا سفر کر کے دنیا کی ان عظیم الشان

سلطنتوں کے نظام ملکی و جنگی کا مطالعہ نہ کیا تھا، جس کے پاس ان دونوں طاقتون کے ذرائع قوت و دولت کے موزانہ کا کوئی قابل اعتبار مواد موجود نہ تھا، جو میدان جنگ سے صد ہافرنسنگ کے فاصلہ پر ایک غیر ملک میں بینجا ہوا اپنی "قیاس آرائی" کے لئے صرف ان سمائی قرآن سے کام لے سکتا تھا کہ رومیوں کو شکستوں پر شکستیں ہو چکی ہیں۔ تمام صوبے ہاتھ سے نکل گئے ہیں اور اپریانی حملہ آور باسفورس کے کنارے فوجیں ڈالے پڑے ہیں۔ آیا ایسا شخص یہ دعوے کر سکتا تھا کہ مغلوب عنقریب غالب آجائیں گے، خصوصاً جبکہ اس دعوے کے صدق و کذب پر اس کے صادق یا کاذب ہونے کا دار و مدار ہو؟

اس معاملہ کے لئے ہمیں چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر اور ساتویں صدی عیسوی کے ربیع اول پر نظر گزارنا پڑے گی اور دو تین روما ایران کے ساتھ عرب کے سیاسی تعلقات کی نوعیت دکھا کر اس معرکہ کی تاریخ پر قلم کرنی ہوگی جو سورہ روم کا شان نزول ہے اس کے بعد یہ ثابت کر کے کہ سورہ نذکور کی تنزیل کے وقت تباہ حال رومیوں کے غلبہ کا قطعی حکم لگانا نظر بظاہر اسباب طاقت بشری سے خارج اور صرف منصب نبوت ہی سے مخصوص تھا۔ ہم سلطنت روم کے حق میں جس کے وارث ترکان آل عثمان ہیں اس افتاد کے لحاظ جو اس پر آج کل پڑی ہوئی ہے۔ نہ صرف علی سبکل تقاضل بلکہ علی وجہ الایقان غلبہ روم کی بشارت کا اعادہ کریں گے۔ اور عالم الغیب والشهادہ کے دوسرے صاف و صریح وعدے کی بنیار چوآ یہ اختلاف میں مندرج ہے دکھائیں گے کہ نیایت جناب خاتم النبینؐ کی الہیت اس زمانہ میں آل عثمان ہی کا حصہ ہے۔ اس لئے کہ جہاد فی سبیل اللہ جو ایمان کی جان اور اعمال صالح کی روح ہے جو فیض ایزدی مسلمانان عالم میں سب سے زیادہ مومنین مخلصین کے اسی گروہ کو عطا ہوئی ہے۔

عرب کی لازوال حریت

فعله ایں آتش افردن نے داند کہ چست

دنیاۓ قدیم و جدید کا کوئی خطہ ایسا نہیں جو کسی نہ کسی زمانہ میں اغیار کا حلقة بگوش نہ ہوا ہوا اور جس کے بنے والوں کی آزادی کو ا جانب کی ہوں جہانگیری پر قربان نہ ہونا پڑا ہو۔ اس تاریخی کلیے سے ایک فقط عرب مستثنی ہے۔ جس کی گردن ابتدائی تاریخ سے لے کر آج تک کشور کشایان عالم کی فاتحانہ تاخت کے آگے نہیں جھکی۔ اس کے دیکھتے دیکھتے درجنوں سلطنتیں بیٹیں اور بگڑیں۔ کوڑیوں قومیں نمودار ہوئیں اور مت گئیں۔ سیکنڈوں جہانگشاپیدا ہوئے اور ہزاروں لاکھوں کو اپنا غلام بنا کر آخر خود دوسروں کے حکوم بن گئے۔ لیکن ان چمکتے ہوئے تاروں کی طرح جنہوں نے آذر کے حقیقت شناس بیٹے کو چاند کے سرکتے ہوئے پڑے اور سورج کے ڈھلنے ہوئے دامن میں سے آفریندہ کائنات کا سرمدی جمال دکھایا تھا اس کے اندر ورنی ریگتاناوں کے ذرے بھی آج تک نامحرم نگاہوں سے اچھل ہیں۔ اسکندر مقدونیہ سے آندھی بن کر جھپٹا اور مفس سے لے کر ملتان تک اس کی تنگ بے پناہ کی بجلیاں اقوام عالم کے سر پر کوند گئیں۔ لیکن یوسفیالس کی مشرق نور دوز غبرا کی تاپوں کے غبار تک بھی نہ پہنچی سکی۔ اکٹھ رومتہ الکبری کی سات پہاڑیوں پر ہفت اقلیم کی تحریر کا جھنڈا گاڑ کر جند کی گھائیوں کی تلاش میں نکلا لیکن اس کے قشون قاہرہ کی ہیبت عرب کی اس پراسرار ولایت کی ریتیلی چوکھت پر سر پٹک پٹک کر مر گئی۔ ارد شیر بابکاں کے جانشین فرغانہ سے لے کر طرابلس تک چھا گئے لیکن دوستہ الجندل کے ریگزاروں کی طرف انہیں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ پڑی۔ سخیا کے دھیشوں نے

غلبة ستم

7

ایک ترکتاز میں یورپ کی بنیادیں ہلا دیں اور روما کی قدیم شوکت و حشمت ان کی بربیت کی نذر ہوئی لیکن عرب کے بولوں کو ان کا نڈی دل بھی نہ چاٹ سکا۔

پھر بھی غروں کی دشمنی سے محفوظ رہنے کی یہ فقید الانظیر قابلیت جو فلسفیوں کی رائے میں عرب کے جغرافیہ اور عربوں کی جبلت میں ضمرا اور ہم مسلمانوں کے عقیدہ میں تدریس زماں حضور سرور کون و مکاں کے قدموں کی برکت کے اندر مستتر ہے صرف اس ملک کے اندر وہی خطوں تک مدد و تھی۔ اس کے وہ حصے جو ساحل بحر پر واقع ہونے کی وجہ سے غیر قوموں کی بحری طاقت کی زد میں تھے یا ملحقة سلطنتوں کی سرحدات سے متصل ہونے کے باعث اپنی حریت برقرار رکھنے پر پوری طرح قادر نہ تھے اپنے زبردست ہمسایوں کے حلقوں اثر میں آئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ حلقوں اثر تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ جنوب و مغرب میں بھنپھول حضرموت۔ شمال و مغرب میں حوران و ندمر اور شمال و مشرق میں حیرہ۔ ظہور اسلام کے وقت ہمسایہ سلطنتوں کے ساتھ ان تینوں ولادتوں کے سیاسی تعلقات تبصرہ ذیل سے واضح ہوں گے۔

یکن

سما کا جاہ جلال سیل عرم کی موجود میں غرق ہو چکا تھا۔ مارب کے ہندروں پر حمیری تڑک و احتشام کے محل کی بنیاد میں استوار ہو کر ترازوں میں آچکی تھیں۔ ہدہ کی سفارت بلقیس کے تجلی سے یہ اقرار لے چکی تھی کہ تباہ یمن اگر چہ صاحب طبل و کوس ہیں لیکن سلیمانی نقار خانہ میں ان کی آواز تو قی سے زیادہ نہیں۔ ابی سینیا جس نے چوتھی صدی عیسوی میں سمجھی مسلک، اختیار کیا سمندر پار سے ایک لشکر جرار بھیج کر یمن کے ایک حصہ پر قابض ہو چکا تھا۔ اور بالآخر خاندان تباہ کی ایک یادگار ذنوواس کی تکوار اپنے مقامی حریفون سے بنت کر حمیری عظمت کو دوبارہ زندہ کرنے میں مصروف تھی۔ یہ چھٹی صدی عیسوی کے ربع اول کے اوآخر کا واقعہ ہے۔

یمن کے علاقہ نجران میں شام کے ایک سمجھی عالم فیسیون کی کوششوں سے سمجھی تحریک پھیل گئی تھی اور نجرانیوں کی ایک جماعت کثیر نے مدھب عیسوی اختیار کر لیا تھا۔ یہ نجران وہی مقام ہے جس کے اساقف کا ایک وفد آگے چل کر رسول اللہ کے دربار میں حاضر ہوا اور دعوت اسلام کی نعمت سے بے بہرہ رہنے پر رسول اللہ کے مقابلہ میں مبدلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا۔ ذنوواس کثر یہودی تھا اور مند اقتدار پر بیٹھتے ہی اس نے عیسائیوں کی بخ کنی کا ارادہ کر لیا۔ حمیری غیرت جو یمن میں صہیوں کے بد لی اقتدار کو بے گاہ لشکر اور دیکھتی تھی اس ارادہ میں اس کی مدد و معاون ہو گئی چنانچہ اس نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ نجران پر چڑھائی کی اور شہر میں داخل ہو کر اعلان کر دیا کہ اہل شہر اپنادین چھوڑ کر یہودی مدھب اختیار کر لیں ورنہ موت کے گھاث اترنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ میسیحیوں نے

اپنے ایمان کی خاطر یہودیت پر موت کو ترجیح دی۔ ایک گروہ کثیر تر تھے ہوا۔ جو بچے وہ ایک بہت بڑے الاؤ میں جو ایک گڑھے کے اندر روشن کیا گیا تھا جھونک کر زندہ جلا دیئے گئے۔ قرآن کریم نے تذکرہ اصحاب اخداد کے ذیل میں جن کشتگان جفا کی حکایت بیان کی ہے وہ یہی مظلومین نجران ہیں۔ اس قتل عام سے جو ۵۲۳ء میں واقع ہوا کچھ لوگ اپنی جان سلامت بھی لے گئے۔ ذوثعلبان کا شمار اس محقری جماعت میں ہے۔ یہ شخص سیدھا قحطانیہ پہنچا اور قیصر روم سے فریاد کی کہ دینِ مسیحی کے سر پرست اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے مظلوم عیسائیوں کا انتقام ذنواس سے لے۔

قحطانیہ میں ان دونوں جشن سریر آرائے سلطنت تھا۔ جس کی ہفتاد سالہ پیرانہ سری اپنے پیشوہ آرکیڈس کی سیاسی کمزوریوں کی الجھن میں پھنسی ہوئی تھی اور بازنطینی دربار اندر ورنی سازشوں اور بیرونی خطروں کی گوناں گوں مشکلات سے عمدہ برآ ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا خود تو وہ یمن پر کیا چڑھائی کرتا۔ البتہ نجاشی جہش کو اس نے لکھ بھیجا کہ جس طرح ہو سکے نجران کے قتل عام کا بدلہ لے۔ نجاشی ذنواس پر پہلے ہی خارکھائے بیٹھا تھا۔ جشن کا پیغام اس کے سند طیش پر ایک اور تازیانہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے بجلت تمام ایک بہت بڑا شکر جس کی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے ساز و سامان سے آراستہ کیا اور ایک کار آزمودہ جریل اریاط کے ہاتھ میں اس کی کمان دی۔ جبکی یہ راجحہ قلزم کی موجودوں کو چیرتا ہوا یمن کے ساحل پر لکھر انداز ہوا۔ ادھر سے ذنواس بھی مقابلہ کو نکلا۔ لیکن حیری امرانے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کی فوجیں میدان جنگ سے جی چھوڑ کر فرار ہو گئیں اور وہ خود نا امیدی و نامردی سے ہمکنار ہو کر سمندر میں ڈوب مرا۔ اس طرح بنی اسرائیل کی اس آخری سیاسی امید کی مشعل ہمیشہ کے لئے گل ہو گئی۔ اور یہودی دنیا میں صرف اس لئے رہ گئے کہ جس طرح ابن مریم کی سیماں کے انکار کی پاداش میں مورد عذاب الیم ہوئے تھے اسی طرح خلیل کی دعا اور مسیح کی نوید سے منکر ہو کر خدا کے ابدی غضب میں گرفتار ہو جائیں اور دنیا و عاقبت میں ان کا کوئی نہ کھانا نہ ہو۔ تیرہ صدیوں کے بعد برطانیہ

10 == غلبہ سوم ==

کے جزیرہ میں ایک شخص لا یہ جارج البتہ ایسا ہوا ہے جو خدا کے فیصلہ کو ٹالنا چاہتا ہے۔ یہودی جو اقصائے عالم میں منشتر کے جا پکے ہیں فلسطین میں ہر طرف سے لا کر پھر جمع کئے جا رہے ہیں اور مسجد فاروق اعظم جو بیکل سلیمان کے کھنڈروں پر کھڑی ہے ان کی چشم گستاخ کی بداندیشیوں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی دن جاتا ہے کہ تمیر و تقدیر کی کہ یہ باہم آؤزی بتادے گی کہ ارادۃ اللہ غالب علی ارادۃ الناس۔

تغیر یمن کے بعد اریاط اس ولایت میں نجاشی کا نائب السلطنت مقرر ہوا۔ لیکن کچھ دنوں بعد اس کی فوج کے ایک افرابرہہ نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اریاط اس ہنگامہ میں مارا گیا اور بالآخر یمن کی فرمان فرمائی اس کے کامیاب رقیب کے حصہ میں آئی۔ ابرہہ جو اپنی ناک اور ہونٹ اریاط کے نیزے کی اپنی سے چھدوا کرتا رہنے عرب میں ”الاشرم“ کے لقب سے ملقب ہوا بڑی آن بان کا رئیس تھا۔ ازبکہ جب شی مہم کی غرض اولے مسیحیت کی حمایت تھی۔ اس نے عرب میں دین یوسی کے استحکام کے لئے اپنی فوجی قوت کے تمام ذرائع صرف کرنے شروع کئے۔ عرب میں یہودیت، نصرانیت اور مسیحیت کا قدم اگرچہ پہنچ چکا تھا اور ان تینوں مذاہب کے پیرو قبائل عرب میں خال خال پائے جاتے تھے لیکن من حیثیت اک جمیع عربوں کی مذہبی ارادوت کا مرکز وحدانیت کا وہ سب سے پہلا گھوارہ تھا جس کی بنیاد خلیل اللہ کے مقدس ہاتھوں نے رکھی تھی۔ لیکن جسے مردو دہور نے شرک سے آلووہ کر دیا تھا۔ مقطان وعدنان کی اولاد دور دور سے چل کر ہر سال اس کے طواف کو آتی تھی اور اسے اپنے صحیفہ معتقدات کا شیرازہ اور اپنے آفتاب قویت کا ست الراس سمجھتی تھی۔

ابراهیم الاشرم نے یمن کے پایہ تخت صنع میں ایک عظیم الشان گرجا (القلیس) تعمیر کیا ہے وہ خانہ کعبہ کا قائم مقام بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک عرض داشت میں اس نے نجاشی کو صاف لکھ بھیجا کہ جب تک زائرین عرب کی روکمہ سے صنعا کی طرف نہ بدل جائے گی میں چین نہ لوں گا۔ ابرہہ کے اس عنیدیہ کا ظاہر ہونا تھا کہ عرب میں ایک کھلبیلی سی پڑگئی اور

اپنے قوی معبد کی عظمت کو یوں خطرے میں دیکھ کر قبیلہ بنو فیقوم کے ایک اکھر عرب نے رات کے وقت چپکے سے جا کر اقلیمیں کوبم پوس بنا دیا۔

کلیسیاے عیسوی کی اس بے حرمتی کا حال سن کر ابرہہ بے حد برافروختہ ہوا اور قسم کھانی کعبہ کے جن پچاریوں نے یہ حرکت کی ہے انہیں کیفر کردار کو پہنچا کر چھوڑوں گا اور ان کے معبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دوں گا۔

ابرہہ کی قسم بظاہر اس کی حمیت کا پتہ دیتی ہے لیکن اس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ مکہ فتح کر کے چاڑ میں الی سینیا کے سیاسی اقتدار کی طرح ڈالے اور اس طور پر سارے عرب کی تجارت کا کلید بردار بن جائے لیکن مشیت ایزدی کسی اور ہی مقصد کی تاک میں تھی۔

مسیح ابن مریم کو اس دنیا سے سدھارے ہوئے پانچ سو ستر سال گزر چکے تھے اور اس نور قدسی کے ظہور کو جو بیت العتیق کی ظلمتوں میں جلوہ ریز ہو کر اقصائے عالم میں اپنی تجلیاں بکھیرنے والا تھا صرف دو میتے کی مدت باقی تھی کہ ابرہہ اللاثرم ایک زبردست فوج لئے ہوئے جس کے ساتھ فیلان کوہ پیکر کی ایک بیبیت انگیز قطار بھی تھی خانہ کعبہ کے انهدام کی نیت سے روانہ ہوا۔ نجاشی کے نائب السلطنت کی فوجی تیاریوں کا حال سن کر پرستاران کعبہ کی قوی غیرت میں بھی جوش آیا اور ایک حمیری سردار ذوفنفر کی قیادت میں عربوں کی ایک جماعت نے حملہ آور کا آگارہ کا۔ اس مقابلہ میں ابرہہ نے بآسانی فتح پائی۔ ذوفنفر گرفتار ہو گیا اور نجاشی کا شکر حوالی مکہ میں خیسہ زن ہوا۔

یہ دیکھ کر کہ ابرہہ کے عسا کر قاہرہ سے عہدہ برا ہونے کی صورت نہیں قابل عرب نے جو مکہ کے گرد و پیش آباد تھے رسول اللہ کے جدا مجدد جناب عبدالمطلب کو اپنا سفیر بنا کر ابرہہ کے پاس روانہ کیا کہ گفت و شنید کے بعد مفاہمت کی کی کوئی راہ نکالیں۔ ذوفنفر کے دوست انہیں کے توسط سے جو ابرہہ کا فیلان تھا عبدالمطلب نجاشی کے نائب السلطنت کے دربار میں پہنچے۔ عبدالمطلب تکمیل و وجہیہ تھے۔ چہرے سے قرشیت کا وہ خسر وانہ جلال نیک رہا تھا جو آگے چل کر قیاصرہ واکا سرہ سے باج اطاعت لینے والا تھا۔ ابرہہ مرعوب ہو

12 == غلبہ سوم ==

کر بے اختیار تخت سے نیچے آتی آیا اور انہیں اپنے برا بر مند پر بٹھا لیا۔ ترجمان کی وساطت سے جب ابرہہ نے ان سے آنے کی وجہ پوچھی تو انہیں نے کہا کہ آپ کے لشکریوں نے میرے دوسرا وقت پکڑ لئے ہیں وہ مجھے دلوادیئے جائیں۔ ابرہہ نے بلجھے استحقاق کہا کہ آپ کو دیکھ کر میرے دل میں آپ کی وقعت پیدا ہوئی تھی لیکن آپ کی باتیں سن کر وہ سب وقعت مٹی میں مل گئی۔ کیا تم اشا ہے کہ سردار قریش کو دوسرا وقت نوں کے لینے کا خیال تو آیا ہے لیکن اپنے اور اپنے آباء اجداد کی عبادت گاہ کا وہ بھولے سے بھی ذکر نہیں کرتا جسے سمار کرنے کی نیت سے میں یہاں آیا ہوں۔ ابرہہ کی تقریر کا جو جواب جناب عبدالمطلب نے دیا وہ محمد مصطفیٰ کے دادا ہی کا حصہ ہو سکتا تھا۔ فرمایا کہ اونٹ تو میرے ہیں لیکن کعبہ کی اور کا ہے۔ وہ اپنے گھر کی حفاظت خود کرے گا۔ ابرہہ جوش میں آکر چلا یا کہ دیکھوں کیسے کرتا ہے۔ اس پر عبدالمطلب نے فقط اتنا کہا کہ یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ آپس میں جس طرح چاہونبٹ لو۔ مجھے تو اونٹ چاہئیں۔

غرض اپنے اونٹوں کی قطار لے کر عبدالمطلب ابرہہ کی نیمہ گاہ سے مکہ واپس آئے۔ اہل مکہ نے یہ سن کر ابرہہ کعبہ ڈھانے بغیر نہ رہے گا شہر خالی کر دیا۔ رخصت ہونے سے پہلے عبدالمطلب اپنے چند قریشی ٹکشموں کے ساتھ خانہ کعبہ کے دروازہ پر پہنچے اور دروازہ کی کنڈی تھام کر ان سادہ مگر رقت انگیز الفاظ میں رب کعبہ کی دہائی دی۔ الہی اپنے قرب و جوار میں بنے والوں کی حمایت کرو اور ان کی اسی طرح حفاظت کر جس طرح کوئی اپنے مال و اسباب کو بچاتا ہے۔ الہی ان کی صلیب کو اور ان کے مکروں اور حیلوں کو یہ توفیق نہ دے کہ تیرے منصوبوں کو شکست دے سکیں لیکن اگر تو یہی چاہتا ہے تو ہم بھی راضی برضا ہیں۔ کیونکہ ہونا وہی ہے جو تجھے منظور ہے۔ (ابن ہشام)

اس دعا کے استقبال کے لئے اجابت درگاہ ذوالجلال پر ازال سے کھڑی تھی۔ آسمان کی فوجوں کو خاک ساحل پر اتر کر کعبہ کی پاسبانی کا حکم دیا گیا اور ایک گستاخ و سرکش انسان کو معلوم ہو گیا کہ تو انہوں کی جابر ان چیزہ دستی کے طسلم کو رب السموات والا رض کی

غلبة ستم

ناتوان نوازی کس طرح توڑا کرتی ہے۔

دوسرے دن علی الصباح ابراہم نے اپنے شتر کو فوج کا حکم دیا کہ مکہ میں داخل ہو کر کعبہ کو زین کے برابر کر دے۔ اس حکم کی نافرمانی کرنے والوں میں سب سے پہلا خود ابراہم کا ہاتھی محمود تھا جو گھٹنے نھیک کر زمین پر بیٹھ گیا اور باوجود یہ کہ مہاوات نے انکس مار مار کر اس اٹھانے کے سبھی جتن کئے لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا پڑنے ہلا۔ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ مجھے خواہ کلہاڑیوں اور برچھوں سے ہلاک بھی کر ڈالوں گیں میں مکہ کی طرف ایک تدم بھی نہیں اٹھاؤں گا۔ یہ بد شکونی حملہ آوروں کو ہر اس کردینے کے لئے پکھ کم نہ تھی۔ لیکن جب مہاوات نے یہ دیکھنے کے لئے محمود حقیقت میں مکہ ہی کی طرف جانے سے پہلو ہی کر رہا ہے یا کسی وجہ سے بالکل ہی اٹھنے کے قابل نہیں رہا اس کا رخ یمن کی طرف کیا تو وہ پختی و چالاکی تمام اٹھ بیٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چل دیا۔ اس کا فرار ہونا تھا کہ فوج کے دوسرے ہاتھی بھی اس کے پیچے ہو لئے اور انگشت تقدیر کا یہ اشارہ دیکھ کر ساری فوج میں ہکڈر پڑ گئی۔

اسی طرح کا ایک اور نظارہ ۲۹ سال بعد ہمیں فرات کے کنارے قادریہ کے معزک میں دکھائی دیتا ہے جبکہ آتش پرستان مائن کے ہاتھیوں کا غول فرزندان توحید پر حملہ آور ہونے کی بجائے یہ رجعت قبری اپنی ہی فوج کو روندتا ہوا میدان سے غائب ہو گیا۔ اس موقع پر نجاشی کے پہ سالار کی طرح کسری کے قائد اعظم رستم نے بھی یہ کفر بکا تھا کہ کل خدا بھی عربوں کو میرے ہاتھوں بتاہ ہونے سے نہ بچا سکے گا۔ تیرہ صد یوں کے انقضایا نے آتش پرستی کو اگرچہ برق پرستی سے بدل دیا ہے اور ہاتھیوں کی جگہ ریل کے انجنوں نے لی ہے۔ لیکن سنت اللہ تبدیل نہیں ہوئی۔ اسلام کے بیٹھے اسی پرانی لے میں اپنے بادہ پرست حریفوں سے کہہ سکتے ہیں کہ

یعنی پروانیست از طیارہ و توپ رقیب	ملت اسلام را چوں حافظ و ناصر خدا است
چیست بالون و شرمنل چیست غاز زہزادار	ہست چوں بامخدایں حریفہ پارہ و است

غبلہ سوم = 14 =

ابرهہ کی فوج جب اپنے ہاتھیوں کی از نیبی سر اسیمگی میں شریک ہوئی تو نیرنگ نوازان قضا کی رسن سازی نے ایک نیا حیر العقول شعبدہ دکھایا۔ اونچ ہوا پر یک بیک ابابیلوں کے جھنڈ کے حصہ نمودار ہوئے اور اس حواس باختہ گروہ کے سر پر منڈلانے لگے۔ ہر ایک طائر سور کے دانے کے برابر تین سنگریزے لئے ہوئے تھا۔ ایک چونچ میں اور ایک آیک دو بخوبی میں۔ کنکروں کی یہ تعداد بھی معنی خیز تھی۔ حملہ آور صلیب پرستوں کو اختیار تھا کہ اگر چاہیں تو انہیں اقسام ملٹش کی مساوی القدر سو گات سمجھ لیں۔ اب یہ کنکر جوف قضا سے زہر ہلاہل کی بوندوں کی طرح برسنا شروع ہوئے۔ جوان کی زد میں آیا وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ انهدام کعبہ کے مدی بھاگتے تھے مگر سرچھانے کا ٹھکانہ نہ ملتا تھا۔ ہزاروں مارے گئے اور جو پچ وہ بحال تباہ اس آسمانی افتاد کی جاں فراسخ بر لے کر نجاشی کے دربار میں پہنچے۔ خود ابرہہ کا جسم بھی ان عقوبات بار سنگریزوں سے چھلنی ہو گیا اور اس نے سخت عذاب کے ساتھ سک سک کر جان دی۔ چالیس سال بعد واقعہ نگار ازال نے اپنی مساوی مصطلحات میں اس واقعہ کی تصویر اس طرح پھیلی۔

الْمُتَرَكِيفُ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفَيْلِ ۝ إِنَّمَا يَجْعَلُ كَيْنَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝
وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِيلٍ ۝ فَجَعَلْهُمْ كَعَصْبِ
مَاكُولٍ ۝

ترجمہ: تو نے دیکھا کہ تیرے پر درگار نے ہاتھیوں والی فوج کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا اس نے اس گروہ کے کیا دامہ مخصوصوں کو باطل نہیں کیا اور ان کے مقابلہ کے لئے ابابیلوں کا لشکر نہیں بھیجا جوان پر سنگریزوں کی بوچھاڑ کرتا تھا یہاں تک کہ ان کے بدن رومندی ہوئی بھس کی طرح ہو گئے۔

وہ جنہیں ملائکہ کے وجود سے انکار ہے، وہ جو انسانی کار و بار میں یزدانی مداخلت کو محال سمجھتے ہیں، وہ جن کے نزدیک تقدیر صرف تدبیر کی بے تمیزی کا دوسرا نام ہے، وہ جو عالم غیب کے معارف کو اپنے محدود تجربہ کی کسوٹی پر پرکھنے اپنے بے مایہ نطق کے ساتھ

میں ڈھالنے کے خوگر ہیں کہتے ہیں کہ ابادیوں سے مراد پرندے نہیں۔ اس لئے کہ پرندوں کا انسانوں پر لکھر پھینکنا خلاف قانون قدرت ہے بلکہ ان سے مراد چیپک کا متعددی مرض ہے جو ابرہم کی فوج میں پھیل گیا تھا اور اس کی ہزیمت کا باعث ہوا تھا۔ ان لوگوں کو یہ آزاد خیالی مبارک ہو۔ اگرچہ فتن تاویل کے ان پروفسروں نے آج تک ہمیں یہ نہیں بتایا کہ چیپک کی ناگہانی افتدابر ہے اور اس کے گروہ کشیر الاغفار پر کیوں پڑی، عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں پر اس کا طبعی اثر کیوں نہ ہوا؟ بہر حال اصل واقعہ سے انہیں بھی انکار نہیں کہ ابرہم نے بڑے لاؤٹکر کے ساتھ کعبہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ لیکن باوجود یہکہ حفاظت کعبہ کے لئے کوئی انسانی قوت موجود نہ تھی پھر بھی اپنا ارادہ پورا کرنے سے پہلے تباہ ہو گیا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور وہ بھی جن کی گوری چٹی تہذیب کو افریقہ کی کالی بھنگ روایات میں سے کم از کم ابرہم کی نیت کا ترک ضرور ملا ہے۔ خوب جانتے ہیں کہ تاریخ کی یہ ایک بہت بری عادت ہے کہ وہ اپنے تین دہرایا کرتی ہے۔

ابرہم اور اس کے لکھر کی تباہی نے اگرچہ ارضِ حجاز کو ابی سینیا کی فاتحانہ دستبرد سے بچا لیا لیکن یمن میں نجاشی کا سیاسی اقتدار بدستور قائم رہا۔ ابرہم کے دو بیٹے میقوم اور مسروق اپنے باپ کے بعد یکے بعد دیگرے فرمان فرمائے یمن ہوئے۔ یہ دونوں نہایت ظالم تھے اور رعایا ان کے جبرا و استبداد کے ہاتھوں تنگ آچکی تھی۔ آخر جب المل یمن کی طاقت برداشت بالکل ہی سلب ہو گئی تو ایک حمیری سردار سیف ابن ذویزن کو انہوں نے اس خدمت پر مأمور کیا کہ ان کی راستان مصیبت قیصر روم کو جانائے اور قصر سے امداد کی اتنا کرے لیکن اگر وہاں کامیابی نہ ہو تو پھر دربار مدائیں میں پہنچ کر کسریٰ کو تم زدگان یمن کی دشیری پر آمادہ کرے۔

قیصر اور نجاشی کے سیاسی تعلقات جنہیں میسیح نے مضبوط کر دیا تھا سیف ابن ذویزن کی سفارت میں سنگ راہ ثابت ہوئے۔ چنانچہ قسطنطینیہ سے بے نیل مرام رخت ہو کر اس نے مدائیں کا رخ کیا ان دونوں درش کا دیانی آل ساسان کے مشہور تاجدار

غلبہ سعیم = 16 =

نوشیروان عادل کی فرخی و فروزی کا پاسبان تھا۔ نوشیروان کا طویل اور شاندار عہد حکومت جو جشنین چیزے زبردست رقیب کی طاقت کو نیچا دکھا کر ایران کو دنیا کی سب سے زیادہ باجرودت سلطنت بنا پکا تھا قریب الحکم تھا اور تاریخ خسرو پرویز کے قصہ عروج و زوال کا مواد فراہم کرنے میں مصروف تھی۔

منذر رئیس حیرہ کے ہمدردانہ توسط سے سیف ابن ذویزن کسری کے دربار میں پہنچا۔ نوشیروان ایوان سلطنت میں تخت زرگار پر فر کیانی کی تجلیوں سے گھرا ہوا بیٹھا تھا۔ سر پر ایک بہت بڑا جڑا تو تاج تھا جس میں یاقوت۔ زمرد۔ الماس اور موتی جملگ کر رہے تھے۔ انسان کی گردن اس گردن وزن اکلیل کی متحمل نہ ہو سکتی تھی اس لئے تاج ایوان کے گنبد سے اس انداز کے ساتھ لٹکا دیا تھا کہ کسری تخت پر بیٹھ کر اپنا سر پیشانی تک اس کے جوف میں داخل کر دے۔ آداب دربار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایران کی رسم کے مطابق سیف نے اس پیکر گوہرین کے آگے سجدہ کیا اور پھر دونوں میں حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

سیف ابن ذویزن: شہنشاہ عالم! کتوں نے ہمارا ملک تاریخ کر دیا۔

نوشیراں: کون سے کوئے۔ جب شی یا ہندوستانی؟

سیف: یہ کوئے جب شی سے آئے ہیں اور میں تیرے دربار میں یہ درخواست لے کر پہنچا ہوں کہ تو اپنی فوج بھیج کر میرے ہم وطنوں کی مدد کرے اور جہشیوں کو ہمارے ملک سے نکال دے۔ اس کے بعد یمن پر تیرا شہنشاہانہ اقتدار قائم ہو گا۔ اس لئے کہ ہم نجاشی پر کسری کو ترجیح دیتے ہیں۔

نوشیراں: تیرا ملک ہماری ولایت سے بہت دور ہے اور کچھ ایسا زرخیز بھی نہیں کہ ہمیں اس پر قبضہ کرنے کی ہوں ہو۔ اس میں بجز بھیڑوں اور اوثنوں کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ ہمیں ایسی کیا پڑی ہے کہ اپنی فوجوں کو عرب کے اندر بھیج کر مفت کا خطروہ مول لیں۔ اس گفتگو کے بعد نوشیروان نے سفیر یمن کو دس ہزار درہم اور ایک خلعت دے کر

رخصت کیا لیکن سیف کی ترکش میں ابھی ایک اور تیر غلط انداز باقی تھا۔ دربار سے باہر نکلتے ہی اس نے رخصتانہ کاروپیہ مٹھیاں بھر بھر کر محل شاہی کے غلاموں اور کنیزوں اور دربانوں میں پھینکنا شروع کیا اور دسوں کے دسوں توڑے دیکھتے دیکھتے لٹا دیے۔ نو شیروال کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے برہم ہو کر سیف کو پھر دربار میں طلب کیا اور ڈاٹ کر پوچھا کہ شاہی عطیہ کی اس بے تو قیری کے کیا معنی ہیں۔ سیف نے سادگی سے جواب دیا کہ اے شہنشاہ میں تیرے تحفہ کو اپنے پاس رکھ کر کیا کرتا۔ تیرے ملک میں سیم وزر کے ان قراضوں کی کوئی حقیقت ہو گئی جس ملک سے میں آتا ہوں وہاں کے تو پہاڑ بھی سونے چاندی کے ہیں۔ یہ چلتا ہوا فقرہ اپنا کام کر گیا اور نو شیروال نے حکم دیا کہ سفیر یمن کو کچھ اور دن تھہرالیا جائے۔

بھر بھی نو شیروال کی مآل اندریشی کو ایک دور دراز مہم کے خطرات سے پہلو بچانے پر اصرار تھا۔ آخر وزراء سلطنت نے یہ رائے دی کہ شاہی بندی خانوں میں بہت سے قیدی ایسے ہیں جن کی نسبت سزاۓ موت تجویز ہو چکی ہے۔ بہتر ہو گا کہ ان قیدیوں کو آزادی دے کر سفیر یمن کے حوالے کر دیا جائے اگر یہ گردہ تنخیر یمن کی کوشش میں ہلاک ہو گیا تو گویا صرف چند مجرم کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ لیکن اگر ان کی کوششیں بار آور ہوئیں تو ایک نیا صوبہ سلطنت ایران میں شامل ہو جائے گا۔

یہ رائے نو شیروال کو پسند آئی اور اسی کے لحاظ سے احکام جاری کر دیے گئے۔ محابی شاہی کے قیدیوں میں سے آٹھ سو خونی مجرموں کی بیڑیاں کاٹ دی گئیں اور ایک سال خورde فوجی افسرو ہرزان کا کمانڈار مقرر کیا گیا سیف بن ذویزن اس انوکھی فوج کے ساتھ چند جہازوں میں سوار ہو کر کچھ مدت بعد ساحل حضرموت پر اترا اور یمنیوں کی جمیعت ایرانی فوج کے ساتھ آٹھی۔ مسروق اس ایرانی مہم کی خبر سن کر ایک بہت بڑی فوج لئے ہوئے مقابلہ کو نکلا۔ رعایا پہلے ہی اس کی مخالف تھی۔ ادھر ایرانیوں میں ان کے سردار و ہرز نے یہ کہہ کر کہ مرنے یا مارنے کے سواۓ ان کے لئے اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا

== غلبہ سوم ==

18

ان میں فوق العادت جوش پیدا کر دیا۔ نتیجہ وہی ہوا جو ایسے اسباب کے پیدا ہو جانے سے بارہا ہوا ہے۔ دونوں حریف آپس میں گھٹے گئے اور ایک جان گسل جدو جہد شروع ہوئی۔ مسروق کی پیشانی پر ایک یاقوت رمانی چمک رہا تھا۔ وہر زنے کمان میں تیر جوڑ کر اس سرخ چاند ماری کا نشانہ کیا۔ یاقوت کو نکڑے نکڑے کرتا ہوا تیر مسروق کے کاسہ سر میں ترازو ہو گیا۔ اور اس کے خپر سے نیچے گرتے ہی جسمی فونج بھاگ نکلی جسے ایرانیوں نے تکوار کی باڑھ کے آگے رکھ لیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔

یمن اور حضرموت میں اب ساسانیوں کا سکھ چلنے لگا۔ کسری کی طرف سے پہلا حاکم یمن اپنی سرفروشنانہ شجاعت کے صدر میں وہر ز مقرر ہوا اور تین پشت تک یہ حکومت اسی کے خاندان میں رہی۔ ^{۲۷} جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرسو پرویز کے نام نامہ مبارک روائہ کیا ہے جسے چاک کر کے دریا میں پھینک دینے کی پاداش میں اس کی سلطنت کے پرزے اڑ گئے تو یمن کا گورنر باداں نام ایک عجمی سردار تھا جس کے نام خرسو پرویز نے یہ احکام بھیجے تھے کہ ”محمد کو گرفتار کر کے ہمارے دربار میں حاضر کیا جائے۔“ ان احکام کے صادر کرتے ہی پرویز جس ذلت و نامرادی کے عالم میں اپنے ہی بیٹے شیرودیہ کے ہاتھوں قتل ہوا وہ رسول کے دشمنوں کے لئے سرمایہ حصہ ہزار عبرت ہے۔

حیرہ

ہندوستان کی شمالی و مغربی سرحد پر جو مشکلات انگریزی حکومت کو آزاد افغانی قبائل کے آئے دن کی جانبازانہ یلغاروں سے اس بیسویں صدی میں پیش آ رہی ہیں وہی آج سے تیرہ سو سال پہلے جزیرہ العرب کے شمالی و مغربی گوشے میں رویوں اور شمالی مشرقی کنارے پر ایرانیوں کے لئے سہاں روح بنی ہوئی تھیں۔ بدودی قراقوں کے گروہ اپنے ریگستانی نشینوں سے نکل کر ان سلطنتوں کی سرحدات پر چھاپے مارتے تھے اور قبل از انکے ان کی عارت گرانہ دستبرد کی روک تھام کے لئے کوئی قوت نمودار ہو مال غنیمت ہتھیا کر جس سرعت سے آئے تھے اسی سرعت سے اپنی ناقابل نفوذ کمین گاہوں میں غائب ہو جاتے تھے۔ ان مشکلات سے عبده برا ہونے کے لئے سرحد پر فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ لیکن ایک شجاع اور ساتھ ہی گریز پا حریف کی نامعلوم وغیر معین نقل ہر کٹ کا سدباب اس ایک طریقے سے ہونا میال تھا۔ آخر و مانے اپنی کتاب الحیل کے اس مشہور اصول جہانیانی پر عمل کیا جو اس کے مغربی جانشینوں کی جہاں کشاںیانہ کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو

ایران نے بھی اسی حکمت عملی کا اتباع یہ کہہ کر کیا

کہ خروش ہر مرز را بے شفعت سگ آں ولایت تو ان گرفت بدودی تاخت و تاراج کا سلسہ صرف بدودی شجاعت ہی سے رک سکتا تھا۔ عرب کی آندھی کا مقابلہ فقط عرب کا جھکڑہ ہی کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ایران و روما کی روایتی باہم

اویزی کی قربان گاہ پر فرزندان صحراء کے خون کا چھڑکا و شہنشاہیت کے دیوتا کو بہت ہی مرغوب تھا۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ رومن اور بھی نہیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں بلا ضرورت ضائع ہوں۔ اس سے زیادہ دانشمندانہ تدبیر اور کیا ہو سکتی تھی کہ اقتدار سلطنت کے تحفظ و بقا کے لئے چاندی سونے کی چند نکلیاں دے کر سرحدی عربوں کی شجاعت خریدی جائے اور ایک ہی وقت میں ان سے دو کام لئے جائیں۔ چوکیداری بھی کریں اور سرحد داری کی خدمت بھی انجام دیں اور دونوں صورتوں میں ایک دوسرے کا گلا آپ ہی کا ٹھیں۔

یہی وہ عیارانہ حکمت عملی تھی جس نے سرحد شام پر بنی غسان اور سرحد عراق پر بننے کی حکومت قائم کر دی۔

حیرہ جو نگیوں کا پایہ تخت تھا دریائے فرات کے مغرب میں کوفہ سے چند میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب واقع تھا۔ اس طوایف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر جو دولت آل ساسان کے قیام سے پہلے سکندر اعظم کے جانشینوں کی کمزوری کے باعث پیدا ہو گئی تھی یعنی الاصل عربوں کے ایک بادی نور و گروہ نے تیسرا صدی عیسوی کے آغاز میں عراق پر حملہ کیا تھا اور حیرہ کی بنیاد اول کراپنی ایک زبردست نوآبادی قائم کر لی تھی۔ رفتہ رفتہ حیرہ ایک آنے اور طاقتور حکومت کا مرکز ہو گیا لیکن جب سو سال کے بعد عنان حکومت نگیوں کے ہاتھ میں آئی تو ساسانیوں کا حلقة اطاعت تا جداران حیرہ کے کان میں پڑ چکا تھا۔ چنانچہ نعمان اول کے جانشین منذر اول نے اس جنگ میں جر ۲۲۱ء میں رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان ایران کی طرف سے شریک نہر ہو کر اپنے بانج گزاران فرانض کا پورا حق ادا کیا۔ دربار مائن میں نگیوں کو جو رسوخ اپنی طاقت کی بدولت حاصل تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ زبردست اول کی وفات پر بہرام گور کو تخت سلطنت پر منذر ہی کی زبردست مداخلت نے بٹھایا اور نہ اعیان سلطنت اور موبدوں کی عام رائے اس کی تخت نشینی کے خلاف فیصلہ کر چکی تھی۔

نگیوں میں سب سے زیادہ زبردست اور با اقتدار فرمائز و امنڈر ٹالٹ گزر اے جو

عرب کی تاریخی روایات میں منذر ابن ماء السماء کے نام سے مشہور ہے اور اگرچہ اپنے طویل عہد حکومت کے ابتدائی ایام ۵۲۸-۵۵۰ھ میں اسے ملوک کندہ کی اٹھتی ہوئی طاقت کے سامنے سر جھکا کر کچھ عرصہ کے لئے اپنے کندی حریف حارث بن عمر کے حق میں تحنت و ناج سے دست بردار ہوتا پڑا لیکن اس کے اقبال نے نوشیراں کی تحنت نشینی کے وقت پھر یاوری کی۔ کندیوں کی اطاعت کا جو انجیوں نے اتار پھینکا اور منذر کی قوت یہاں تک بڑھی گئی کہ ایک لشکر کشیر کے ہمراہ رومی سرحد سے گزر کر وہ ولایت شام کو تاخت و تاراج کرتا ہوا انتظام کیے تک جا پہنچا۔

جیرہ میں ابتدائی سے میسیحیت کا اثر پھیل چکا تھا۔ متعدد مسیحی خاندان جنہیں پوری نہ ہی آزادی تھی یہاں آباد تھے۔ خود نعمان اول مسیحی المذہب تھا اور رہبانیت کی طرف جو دین عیسیٰ کے محاسن کا خلاصہ ہے اس کا فطری میلان یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ جب ایک موقع پر اس کے دزیر نے دنیا کی بے شاتیوں کا ذکر کیا تو اس نے قبائے زرافشاں اتنا رہا اور گلیم صوف اوڑھ کر جنگل کی طرف نکل گیا۔

ان مسیحی خاندانوں میں عدی بن زید کا معزز گھر انا اپنی نسبی شرافت اور علمی کمالات کے لحاظ سے امتیاز خاص رکھتا ہے۔ عدی ابو قبوس نعمان ٹالٹ آخری تاجدار جیرہ کا معاصر ہے جس نے ۵۸۵ء سے لے کر ۷۰۰ء تک بنختم کے سیاسی اقتدار کا علم بلند کئے رکھا۔ عدی کے باپ زید بن حماد کی رسائی فرخ بہان ایک عجمی دہقان کی سفارش سے نوشیروان کے دربار تک ہو گئی تھی اور نوشیروان نے اسے ایک معزز سرکاری عہدہ پر مقرر کیا تھا۔ عدی جب بڑا ہوا تو اس کے باپ نے تربیت کے غرض سے اسے اپنے سرپرست فرخ بہان کے گھر بھیج دیا جہاں وہ دہقان کے بیٹے کے ساتھ مل کر تعلیم پا تا رہا۔ عربی اس کی مادری زبان تھی جس کے ادب میں کمال بہم پہنچانا اس کی ذہانت کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن فارسی زبان پر تحریر اور تقریر میں جو قدرت اسے حاصل ہوئی اس کے لحاظ سے بڑے بڑے مشاق اہل زبان بھی اس پر رشک کرتے تھے۔ شعر بھی وہ اسی بے تکلفی سے

22 غلبہ سعیم

کہتا تھا جو نثر میں اس کا شیوه خاص تھی۔ ان علمی کمالات کے علاوہ شہسواری قادر اندازی اور چوگان کے فنون میں بھی وہ طاق تھا۔ دربارِ عجم میں اس کے مجال صوری و معنوی اس کی بذلہ سنجی و نظرافت اس کی بدیہہ گوئی حاضر جوابی کا یہ اثر ہوا کہ نو شیر وال نے اسے اپنا کاتب و ترجمان مقرر کیا اور تمام وہ اختیارات جو ایک منظور نظر ندیم کے لئے مخصوص ہوتے ہیں اس کے حصہ میں آگئے۔ دربارِ قسطنطینیہ میں عجم کی طرف سے جو سفیر مرابت صلح پر گفت و شنید کی غرض سے بھیجا گیا تھا وہ عذری بن زید تھا۔ گہن کے سحر نگار قلم نے اس سفارت کی داستان ایسے لکش انداز میں بیان کی ہے کہ اندر یہ طوالت کو بھی اس کے اعادہ کے لئے عذرخواہی کی ضرورت نہیں۔ ان خوزیر معمروں کی تفصیل درج کرنے کے بعد جنہوں نے جشنین اور نو شیر وال کو مدت العر آپس میں دست و گر بیان رکھا۔ ”تاریخ زوال و ہیوط دولت روما“ کا مصنف لکھتا ہے۔

”جب امن و امان قائم تھا تو کھلاہ ایران کی حیلہ جو حکمت علمی کسی ایسے بہانے کی تلاش میں تھی جو صلح و آشتی کے کچھ تاریخ کو ذرا سمجھنکا دے کر توڑ دے۔ لیکن جب تکوار اس کے نیام سے نکل آئی تو اس کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہونے لگا کہ دونوں سلطنتوں میں عزت و آبرو کے ساتھ مصالحانہ رشتہ قائم ہو جانا چاہئے۔ دونوں تاجدار ایک طرف مصروف جدال و قتال تھے اور دوسری طرف منافقانہ انداز میں ایک دوسرے پر صلح و امن کے ڈورے ڈال رہے تھے۔ اس گفت و شنید کی میزان میں کسری کے اقتدار کا پلہ ہمیں صاف جھکا ہوا نظر آتا ہے۔ روی سفیر دربارِ ماداں میں ذلتون پر ذلتیں اخخار ہے تھے۔ بخلاف اس کے قسطنطینیہ میں بھی سفیر کی بڑی آؤ بھگت کی گئی اور اس کی بزرگداشت میں ایسا اہتمام کیا گیا کہ بازنطینی دربار کی تاریخ اس کی نظر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ نو شیر وال کے جاہ و جلال کا ذکر ہم ان پر مکوہ الفاظ میں سنتے ہیں کہ کھلاہ عجم آفتاب مشرق ہے جواز راہ مر احمد خسروانہ اپنے چھوٹے بھائی جشنین کو اجازت دیتا ہے کہ چاند کی طرح سورج سے کب ضیا کر کے سرز میں مغرب پر ہکراں ہو۔ اس ہبھج مرغور کی تمکنت کو سفیر

غلبة ستم 23

عجم کی بیانی خطابت اور خسر و اندھا مطرائق نے سہار رکھا تھا۔ ازدیگوں (عدی بن زید کی مسخ شدہ یونانی شکل ہے) کی بی بی اور بیٹیاں خواجه سراؤں کے ایک جم غیر اور اونٹوں کی کئی قطاروں کے ساتھ اس سفر میں اس کے ہمراہ تھیں۔ دونا بسان سلطنت جن کے سروں پر زر زگار تاج رکھے تھے اس کے ہمراہ تھے۔ پانچ سو چیدہ چیدہ جانباز سواروں کا ایک دستہ اس کی حفاظت کے لئے ساتھ تھا۔ اس شاہی ٹھاٹھ کے ساتھ جب یہ قافلہ دارا میں پہنچا تو وہاں کے روئی گورنر نے ازراہ احتیاط سفیر کے فوجی ہمراہیوں میں سے صرف بیس کو شہر پناہ کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی۔

سفیر عجم نے دربار قیصری میں حاضر ہو کر کسری کے ہدایا و تحائف پیش کئے اور اس کے بعد دس میینے حکومت قسطنطینیہ کے ارباب حل و عقد سے مسائل مابہ النزاع پر کسی قسم کی گفتگو نہ کی۔ اگر کسی اور سلطنت کا سفیر ہوتا تو محل کی چار دیواری کے اندر نظر بند کر دیا جاتا۔ اور ضروریات زندگی کے لئے بھی بازنطینی گماشتوں کی وساطت کا محتاج ہوتا لیکن عدی بن زید کو پایہ تخت میں کھلے بندوں پھرنے کی پوری اجازت تھی۔ کسی جا سوس کا سایہ کسی ستری کی مشالیعت اس کی نقل و حرکت کی مزاحمت نہ تھی۔ اور اس کے خانگی ملازموں کو بھی گفت و شنید اور خرید و فروخت کے آزادانہ اختیارات حاصل تھے حالانکہ غیر سلطنت کے سفروں کے لئے یہ آزادی اس زمانہ کے میں الاقوامی دستور کی ضد صریح تھی۔ جمیں بن کونو شیر وال کے نمائندے کا اعزاز و اکرام یہاں تک لمحوظ خاطر تھا کہ عدی کے ترجمان کو جسے روما کا ایک مجسٹریٹ بھی خاطر میں نہ لاتا اپنے آقا کے برابر شاہی دستخوان پر بیٹھنے کی اجازت دی گئی اور سفارت ایران کے مصارف سفیر اور لوازم مہمانداری کے لئے ایک ہزار طلائے احر کی منظوری صادر کی گئی لیکن عدی کی چیزیں مساعی کے باوجود مدائی اور قسطنطینیہ کے درمیان صرف ایک ناقص مtar کہ کی شرائط طے ہو سکیں کہ ان کی تجدید بھی بالالتزام خود دربار قسطنطینیہ کی استدعا اور بازنطینی خزانہ کی رچہلی سنہری سفارت پر موقوف تھی۔ سالہا سال کی کمکش جب ایرانجوں اور رومیوں کو اچھی طرح کمزور کر چکی پھر بھی کوئی

نتیجہ نہ لکھا تو آخر جشنینہن اور کسری کو اپنے بڑھا پے پر حرم کر کے کم از کم چند روزہ عافیت کی خاطر صلح پر مجبور ہونا پڑا۔ چنانچہ ایران و روم کی سرحد پر ایک مجلس مصالحت منعقد کی گئی جس میں فریقین نے یہ جانتے ہوئے کہ فتح کے کسی شر سے متنبھ ہونے کی توقع رکھنا عبث ہے حسب معمول اول تو اپنے اپنے آقاوں کی قوت الناصاف پسندی اور صلح جوئی کا تذکرہ بڑی شدود میں کیا اور پھر ضرورت و مصلحت کی دو گونہ طاقت کے آگے سر جھکا کر پچاس سال کی مدت کے لئے ایک عہد نامہ یونانی اور فارسی زبانوں میں ترتیب دیا جس پر بارہ ترجمانوں کی تصدیقی موہبہ شہت تھیں۔ اس معاهدہ میں تجارتی اور مذہبی آزادی کی حدود متعین و مشخص کی گئیں۔ قیصر روم اور شہنشاہ ایران کے حلیفوں کو بھی معاهدہ کے فوائد اور ذمہ داریوں میں شریک کیا گیا اور دونوں سلطنتوں کی سرحد پر اتفاقی نزاعات کے سد باب یا فیصلہ کے لئے خاص طور پر اختیاری دفعات حوالہ قلم کی گئیں۔ بیس سال کی ویراں سازگر غیر فیصلہ کن ہنگامہ آرائی کے بعد دونوں سلطنتوں کی حدود میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہونے پایا۔ اور کسری نے قفقاز اور اس کے توابع پر متصرف ہونے کے خطرناک دعوے سے دست برداری اختیار کی۔ رومیوں کو تمیز ہزار دینار سالانہ خراج دینے پر مجبور ہونا پڑا لیکن کجھلاہ ایران کی حرص کے لئے جس کا خزانہ مشرق کی دولت سے پٹا پڑا تھا۔ یہ پیچ میر زر قم کچھ بہت زیادہ وجہ تسلی نہ ہو سکی تھی اور اس قلیل رقم کو خراج کہنا لفظ خراج کی بے آبروئی کرنا ہے۔ ایک سابقہ صحبت میں جشنینہن کے ایک وزیر نے عجمیوں کی فاتحانہ پیش کی قدیمی کا ذکر کرتے ہوئے سیسا سڑس کے رتھ اور گردش تقدیر کا حوالہ دے کر از راہ تعریض کہا تھا کہ انطا کیہ اور شام کے بعض شہروں کی تختیر نے وحشیان عجم کا دماغ آسمان پر پہنچا دیا ہے اور وہ اپنی حد سے بہت بڑھ چلے ہیں۔ اس کا جواب سفیر ان ایران نے بڑی متانت سے یہ کہہ کر دیا کہ آپ کو غلطی ہوئی۔ شہنشاہ عالم و عالیاں کی نظروں میں اس قسم کی جھوٹی چھوٹی فتوحات بے وقت محض ہیں۔ کجھلاہ ایران کی شمشیر خارا شگاف نے جن دس اتوام کو مطیع و منقاد بنایا ہے ان میں سب سے زیادہ کمزور و ناتوان امارے شہنشاہ کی نظروں میں

رومی ہیں۔” (گھن مطبوعہ جے۔ ایم ڈنٹ اینڈ سنز لندن جلد چہارم صفحہ ۳۲۱، ۳۲۲) ابوق بوس نعمان نے عالم شہزادگی میں عدی بن زید کے سامنے زانوے تلذذ طے کیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ منذر رابع کے انتقال پر عدی نے اپنے شاگرد کی تخت نشینی کے لئے دل سے کوشش کی اور اس رسوخ کو جو اسے دربار مداراں میں حاصل تھا کامیابی سے استعمال کیا۔ لیکن اتنا لیقی اور شاگردی کے علاوہ عدی اور نعمان کے اور یہی تعلقات تھے۔ جن کی دلپس پ تفصیل کتاب الاغانی میں درج ہے۔ اس دل آؤز تفصیل کا اجمالی یہ ہے کہ عدی نے ایک دن گرجا میں کہیں نعمان کی دوازدہ سالہ بیٹی ہند کو دیکھ لیا جو اپنے زمانے کی جملی ترین عورت بیان کی جاتی ہے۔ دونوں کی نگاہیں لڑ گئیں اور حسن و عشق کے اس ازلی رشتہ میں جوان گر ہوں سے بھرا پڑا ہے ایک اور گرہ پڑ گئی۔ بالآخر نعمان سے اجازت حاصل کی گئی اور عدی کا کلبہ ازان ہند کے آنے سے گلتان ہو گیا۔

مندرجہ کے دوسرے دعویدار جن کی امیدوں کا نعمان کی منڈنشنی سے خون ہو گیا تھا عدی پر خارکھائے بیٹھے تھے اور اس سے بدل لینے کے لئے کسی مناسب موقع کی تاک میں تھے۔ نعمان کی شکلی طبیعت ان کی حاصلہ ریشد دانیوں کی معاون ہو گئی اور نعمان کے بھائی اسود بن منذر کے حاشیہ نشینوں نے اس کے دل میں عدی کی طرف سے طرح طرح کے شبہات و شکوک پیدا کر دیے۔ یہ شکوک برابر بڑھتے چلے گئے تا آنکہ عدی جسے اس کے دشمن طفڑیہ لہجہ میں ”بادشاہ گر“ کہہ کر پکارتے تھے زندان میں ڈال دیا گیا اور کئی سال تک قید رہ کر بالآخر نعمان کے حکم سے عین اس وقت جبکہ ولی عہد ایران خسرو پرویز نے اپنے باپ ہرمز سے اس کی رہائی کے احکام حاصل کئے تھے قتل کر ڈالا گیا۔ عدی ایک بیٹا چھوڑ مر جس کا نام اپنے دادا کی زندہ یادگار تھا۔ نعمان کی سفارش پر خسرو پرویز نے اسے دربار مداراں میں وزارت عرب کا جلیل الشان عہدہ تفویض کیا۔ تلاقوں ماقات کی اس کوشش نے اگرچہ بظاہر زید بن عدی اور نعمان کے تعلقات خوشنگوار کر دیے لیکن زید کے دل سے اپنے باپ کے قتل کی یاد جو نہ ہو سکتی تھی۔ قاتل سے مقتول کا انتقام لینا فطرت عرب کا خاصہ تھا اور

غلبہ سعیم = 26 =

وہ آواز جو الائکل ماتاثریہ اور دم اومال بندگے فہر تھت قدمی ہاتین کے ایک جلالی نعرے سے جاہلیت کو زیر وزیر کرتی ہوئی اس فطرت کو بدل ڈالنے والی تھی ابھی پوری طرح بلند شہ ہوئی تھی۔

کچھلا ہان عجم نقد حسن کے پر کھنے کا ایک خاص سلیقہ رکھتے تھے حرم سراء خردی کی جملہ آرائی کو جب کبھی عروسان نو خاستہ کے اضافہ کی ضرورت پڑتی تھی تو طول و عرض کشور میں صورت و سیرت کے ان معائن کا بصراحت تمام اعلان کر دیا جاتا تھا جوناز نینان حرم میں موجود ہونے چاہئیں۔ سہی قد ان عرب کی طرف ان کی نگاہ شوق ابھی تک نہ اٹھی تھی۔ شاید ان کا خیال تھا کہ کافر ادائی میں سلنے والی کو گلپیر و شیرین کی ہستائی کا دعوے نہیں ہو سکتا۔ ایک دن زید بن عدی نے موقع پا کر خرد سے کہا کہ نعمان کے محل میں متعدد دو شیریہ ناز نینیں ایسی موجود ہیں جو بہمہ صفت موصوف ہیں۔ اگر حضور فرمائیں تو میں خود جا کر ایماے خردی نعمان کے گوش گزار کر دوں لیکن ایک حاجب میرے ہمراہ کر دیا جائے جوز بان عربی سمجھتا ہو۔ خرد پر دیز اس تجویز پر رضا مند ہو گیا اور زید عازم حیرہ ہوا۔

نعمان سے جب زید نے اپنی سفارت کی غرض بیان کی تو تلمیحی غیرت جوش میں آگئی۔ نعمان نے طیش میں آکر کہا کہ سیدہ چشم ان عجم کیا تمہارے لیے کافی نہیں؟ نعمان نے لفظ ”عین“ استعمال کیا تھا۔ جس کے معنی موٹی آنکھ والیوں کے ہیں۔ خرد کے حاجب نے جو عربی زبان کے نکات میں کچھ بہت زیادہ درخور نہ رکھتا تھا جب زید سے اس لفظ کے معنی پوچھے تو اس انداز خاص میں جس سے احرار ہند کو آج کل سر رشیہ تفہیش جرامم کے شعبۂ ادبیہ کی سرگرمیوں نے آشا کر رکھا ہے کہنے لگا کہ عین سے مراد گائے ہے۔ حاجب نے مدائن واپس آکر سارا ماجرا حرف خرد پر دیز کو سنایا۔ یہ سن کر کہ رئیس حیرہ نے محل سراء شاہی کی پری چہرگان نازک اندام کو گائے سے تشبیہ دی ہے خرد اُگ گولا ہو گیا۔ غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ اس گستاخ و سرکش عرب کو بھی اتنی جرأت ہوئی کہ ہماری بیگمات کو گائیں بھینیں سمجھتا ہے۔ اس کا غردر خاک میں نہ ملا دیا ہو تو میرا نام

چند دن بعد نعمان کی دربار خرسوی میں بُلی ہوئی۔ اسے نہ معلوم تھا کہ موت کا فرشتہ اسے کشائی کشاں مداریں لے جا رہا ہے۔ یہاں پہنچتے ہی اسے پابہ زنجیر کر کے مت ہاتھیوں کے آگے ڈال دیا گیا جنہوں نے پاؤں تلے کچل کر اس کا کچو مرنا کال دیا۔

نعمان کی موت کے ساتھ حیرہ میں لمحیوں کے حاکمانہ اقتدار کا چارچا ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ مداریں جانے سے پہلے نعمان نے اپنا سلاح جنگ اور اپنا مال و متاع قبلہ بنو بکر کے سردار ہانی کے پاس بطور امانت رکھ دیا تھا۔ خرسو نے جب اس تمام سامان کا مطالبہ کیا تو ہانی نے سماں بن عادیہ کی روٹ کا ابیان کرتے ہوئے جس نے اپنے بیٹے کو اپنی آنکھیوں کے سامنے قربان ہوتا ہوا دیکھنا پسند کیا تھا لیکن اپنے دوست امراء القیس کا زرد بکتر اس کے کندی حریف کے حوالے کرنا گوارانہ کیا تھا نعمان کی امانت کی حوالگی سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر خرسو نے ہانی کی سرکوبی کے لئے ایک دستہ فوج روانہ کیا۔ ذوقار پر جو حوالی کوڈ میں ایک سیر حاصل علف زار ہے کسری کی فوج اور بنو بکر کے درمیان ایک خوزیریں جنگ ہوئی جس میں بنو بکر غالب آئے اور عجمی فوج نے شکست فاش کیا۔

یہ ۲۱۰ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت مجسم رسالت کی سویاں فیض روح القدس کی آبیاری سے پھوٹ رہی تھیں اور اس ہرے بھرے پودے کی طرف جس کی چھلوں اور پھولوں سے لدی ہوئی ٹھینیاں کسی دن سدرۃ المنیٰ سے ہم آغوش ہو کر شرق اور مغرب کو اپنے ٹھنڈے سائے کے نیچے بٹھانے والی تھیں ارباب بیش کی نظر ابھی سے اٹھ رہی تھی۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ جب واقعہ ذوقار کی خبر مکہ میں پہنچی تو تاج دار کوئی نہ کی زبان مبارک پر بے اختیار یہ تاریخی الفاظ جاری ہو گئے کہ آج عجم پر عرب کے غالب آنے کا پہلا دن ہے۔

حوران و تدمیر

حیرہ کے شاداب مضاقات اور غوطہ دمشق کے زمر دین بزرہ زاروں کے درمیان چھ سو میل تک ایک بھیاک صحراء پھیلا ہوا ہے جس کے پتے ہوئے بالا اور جھلکی ہوئی لوؤں کو قدیم الایام سے روما اور ایران کی آستانہ داری کی مشترک خدمت سونپی گئی تھی۔ اس کے ریگستان کے مغربی دامن پر بنی غسان آباد تھے۔ علم الانساب کے نکتہ آموز ناقل ہیں کہ جب تاج دار سباعمر و بن عامر ما السماء کو اپنی بی بی ظریفہ کے ایک خواب نے واقعہ سیل عمر کے حدوث سے متینہ کیا تو وہ اس بلائے آسمانی کے نزول سے پہلے ہی ایک جم غیر کو ساتھ لے کر مارب سے نکل گیا۔ یہ عجیب کا یہ خانہ بدوس قافلہ ججاز سے گزر کر نواح شام میں پہنچا جہاں انہوں نے اپنے ڈیرے ڈال دیے۔ بنی غسان اسی عمر و کی اولاد ہیں اور از بکہ عمرو کے بیٹے جہنہ کی اولو المعزی نے انہیں مند حکومت پر بخایا تھا اس لئے وہ اپنی خاندانی عظمت کے بانی کے نام کی مناسبت سے ہٹنی بھی کہلاتے ہیں۔ نواح شام میں ان دونوں رومتہ الکبری کے زیر حمایت قبیلہ ضجاعہ بر سر اقتدار تھا۔ کچھ حدت تک غسانی اس قبیلے کے اطاعت گزار رہے۔ آخر دونوں میں جنگ ہوئی۔ غسانی غالب آئے اور ان کا سردار دربار روما کی طرف سے ”پریشیں“ (امیر کبیر) کا لقب پا کر اس علاقہ کا حکمران مقرر ہوا۔ یہ تمام علاقہ خلیج عقبہ کے کنارے سے شروع ہو کر حلب تک چلا گیا ہے اور اس میں تدمیر کی وہ شاندار حکومت نقارہ شوکت بجا چکی ہے جس نے اسلام سے پہلے بھی عرب کو رومتہ الکبری کا سیہم اور کچھ عرصہ کے لئے اس کا رقیب بنادیا تھا۔

ارشیل بابل کا بینا شاپور اس شہنشاہانہ عزیمت کے لحاظ سے جو ساسانیوں کے

قصراقتدار کا سنگ بنیاد تھی اپنے باپ کا خلف رشید ثابت ہوا۔ ایران کی کیانی عظمت اس کے عہد طویل میں نئے سرے سے زندہ ہوئی اور روما کے فاتحانہ جبروت کو نواحی مشرق میں لینے کے دینے پڑ گئے۔ آرمینیا کی آزاد حکومت جس کے ساتھ روما کے دوستان تعلقات ایک عرصہ سے چلے آتے تھے اس کی پہنچرانہ سطوت کے سامنے سر بسجدہ ہو گئی اور اس طرف سے فارغ ہو کر اس نے رود فرات کے مغربی کنارے پر روما کی فوجی چوکیوں کو تھس کرنا شروع کیا۔ شاپور کی بیدارانہ قساوت نے تاریخ سے ذوالاكتاف کا لقب حاصل کیا ہے۔ کتف عربی میں شانے کو کہتے ہیں جس کی جمع اکتا ف ہے۔ اس کا قاعدہ تھا کہ اپنے بدنصیب حریفوں کے شانے اکھڑا دیا کرتا تھا۔ لیکن جو سلوک اس نے شہنشاہ روما قیصر ولیریعن کے ساتھ کیا اس کی بنا پر وہ کسی اس سے بھی زیادہ معنی خیز لقب کا مستحق ہے۔

آرمینیا جیسے وفادار حلیف کی خانماں بر بادی اور اپنی مشرقی سرحد کی تباہی کے ذلت آگئیں نظارہ کی تاب نہ لا کر دلیریعن جو یورپ میں دریائے رائے اور دریائے ڈینیوب کے سرحدی استحکامات کی طرف سے مطمئن تھا پہرانہ سری کے باوجود ایک بہت بڑا شکر لے کر خود شاپور کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ ۲۶۰ء میں رود فرات کو عبور کر کے وہ ایڈیا پہنچا جسے آج کل ارجا کہتے ہیں۔ تاجدار ایران کی فوجیں جن کے حوصلے متواتر فتوحات نے بڑھار کئے تھے اس پر ٹوٹ کر گریں گھسان کارن پڑا اور ولیریعن کی فوج نے نقصان بے حساب اٹھا کر تھیار ڈال دیے۔ خود ولیریعن قید کر لیا گیا اور روما کے فانی تخت پر ولیریعن کی جگہ پر کرنے کے لئے شاپور کی طرف سے انتظامیہ کا ایک گمنام روی مفرور سیریا ڈیز نامزد ہوا۔ اور چونکہ روما کی قدیم روایات کے بھو جب ہر نئے تاجدار کی نامزدگی سردار ان فوجی کی تصدیق کی محتاج ہوتی تھی اس لئے شاپور کے منظور خاطر امیدوار کے لئے سپر انداختہ روی فوج کی رضا مندی حاصل کر لینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ سیریا ڈیز کی قوم فروشی نے شاپور کی پیش قدمی کا رستہ صاف کر دیا اور وہ ایشیائے کوچک کو حوالہ تبغ و

== غلبہ سعیم == 30 ==

آتش کرتا ہوا چند ہی یلغاروں میں شامی ایشیا کے ساطوں تک پہنچ گیا۔ روما کے زرخیز ترین مشرقی صوبوں کی بے شمار دولت سمیٹ کر اور ہزاروں رومیوں کو لوٹدی غلام بنا کر وہ بہزار اس طبلے و طمثرا ق اپنے پایہ تخت مداریں میں پہنچا۔

انقلاب روزگار کا یہ بھی ایک عجیب عبرت انگیز نظارہ تھا۔ شاپور کے جلیل القدر قیدی ولیرین کو بدستور قبائے ارغوانی میں جو قیصریت کا امتیازی نشان تھا ملبس رہنے دیا گیا تھا۔ لیکن پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ تمشاہیوں کے ہجوم کے لئے قیصر روم کی اس انتہائی ذلت کی نمائش پر بھی شاید شاپور کا کبر قانع نہ تھا۔ اس لئے کہ گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے ہر وقت وہ ولیرین کی گردن پر اپنا جوتا رکھ دیتا تھا۔ آخر جب اس روح فرسا ذلت اور جاں گسل رنج کے تو بر تو صدموں نے ولیرین کی حیات مستعار کا خاتمہ کیا تو شاپور نے اس کی کھال کھنچوا کر اس میں بھس بھروادی اور رومتہ الکبریٰ کی ذلت و خواری کے اس مجسمہ کو ایران کے سب سے بڑے آتش کدہ میں کھنسلوں کے لئے عجم کی خوت ورعونت کی یادگار کے طور پر رکھوادیا۔

مشرق اس وقت شاپور کا نام سنتے ہوئے تھرا تھا۔ مغرب اس کی قہر مانی کے تصور سے لرزہ براندا م تھا۔ مدمر کے امیر کبیر عمر و بن ظریب بن حسان بن اذیینہ نے جسے لاطینی تاریخ اوڈی میتھس کا نام دیتی ہے نادر اور گراں بہا تعالائف کے پشتاروں سے لدے ہوئے اونٹوں کی اک قطار بطور اظہار اطاعت فاتح ایشیا کی خدمت میں روانہ کی اور اس کے ساتھ ایک عربیز بھی بھیجا جس کا لہجہ اگرچہ مودبائہ تھا لیکن غلامانہ لابہ گری کی آلات کے ساتھ پاک تھا۔ جب یہ سفارت کچکلاہ عجم کے دربار میں پہنچی اور اذیینہ کی عرضداشت اس کی نظر سے گزری اس نے غضبناک ہو کر تمام ہدایا و تعالائف دریائے فرات میں پھیکلوا دیے اور گرج کر کہا کہ یہ اذیینہ کون ہے جو ہمارا غلامان غلام ہو کر ہماری بارگاہ میں مکتب بھیجنے کی جرأت کرتا ہے۔ اگر اسے اپنی جان کی خیر مطلوب ہے تو اسے چاہئے کہ بلا درنگ و تاخیر کسی ہوئی مخلقوں کے ساتھ ہمارے آستانہ پر حاضر ہو اور ہمارے قدموں پر اپنا سر

رکھ دے ورنہ ہم اس کا اور اس کی تمام نسل کا نام و نشان دنیا سے منادیں گے اور اس کا تمام ملک جلا کر خاک سیاہ کر دیں گے۔

قیصر کا جھکا ہوا سرکسری کے نعلین کے بوجھ کا متحمل ہو سکتا تھا لیکن اذینہ کا خیر ما یہ خاک عرب سے اٹھایا گیا تھا۔ بد کی حیثیت اس تو ہین کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اذینہ نے تدمیر سے نکل کر عجمی خیر گاہ کا رخ کیا۔ لیکن نہ عبودیت کے اس مذہل کے ساتھ جس کی نمائش پر شاپور کی رعوت کو اصرار تھا بلکہ جاں سپارانہ خوداری اور متہورانہ ایثار کی ایک نئی شان کے ساتھ جواب تک تا جدار ایران کے دیکھنے میں نہ آئی تھی۔

قومی غیرت کے بھڑکتے ہوئے شعلہ نے عربوں کے تن بدن میں آگی لگا دی اور اذینہ نے شام کے قریہ اور ریگستان کے خیمه خیمه میں اپنی روح پھونک کر ایک زبردست فوج فراہم کر لی جو کئی جماعتوں میں تقسیم ہو کر شاپور کے لشکر کے لئے بلاۓ جان بن گئی۔ عربوں کے پے در پے کئی حملوں میں عجمی فوج کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا اور بے ترتیبی کے ساتھ پسپا ہو جانے کے سوائے اس کے لیے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ جس اذینہ کو شاپور نے کچھ ہی دن پہلے حقیر و ناتوان سمجھ کر ذلیل و رسوا کرنا چاہا تھا اس کے ہاتھوں اب وہ خود ایسا رسوا ہوا کہ نہ صرف بدحواسی کے عالم میں اپنے خزانہ کی ایک مقدار کثیر سے دست بردار ہونے پر مجبور ہوا بلکہ حرم سرائے خروی کو بھی غنیم کی دستبرد سے نہ بچا سکا جس پر چھاپے مار کر اذینہ کے لشکری کئی مدد جمال ناز نینوں کو واڑا لے گئے۔ آخر خدا خدا کر کے شاپور نے فرات کو عبور کیا اور اذینہ اسے مدائن کی دیواروں تک پہنچا کر فتح و نصرت کے شادیاں بجا تا ہمار بھگڑائے تدمیر ہوا۔

روم اپر عرب کا یہ اتنا بڑا احسان تھا کہ مصالح سلطنت اس کے اعتراف کی موزوںی پر اتنا ز قومیت کو قربان کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ اذینہ کی عظیم الشان فتوحات کے صلی میں گلینیں نے جو اپنے باپ ولیرین کے بعد تخت پر بیٹھا سے عرب ہونے کے باوجود اکسٹس کا شاہی لقب دے کر مشرق میں اپنا نائب السلطنت مقرر کیا اور یہ نیابت جو اذینہ

32 == غلبہ سوم ==

کی خود مختارانہ حیثیت کو رومتہ الکبرے کے شہنشاہانہ تفوق سے چھانے کا محض ایک بہانہ تھی رفتہ رفتہ تصنع کے عصر سے یہاں تک پاک ہو گئی کہ اذینہ نے مرتبہ وقت رو ما سے استزانج کئے بغیر اپنی طبیل القدر ملکہ زینب کو اپنا جانشین مقرر کیا جو روما کی تاریخ میں زنو یا کے نام سے مشہور ہے۔

زینب نے جو حسن و مجال علم و فضل عقل و دانش عزیمت و شجاعت اور عصمت و پاکدامنی میں روئے زمین پر نظر نہ رکھتی تھی جس طرح اپنے اولوالہرم شوہر کے نقش قدم پر چل کر روما کے مشرقی صوبوں کو باسفورس سے لے کر فرات تک ایک خود مختار سلطنت کے درجہ تک پہنچائے رکھا۔ جس طرح تم روما کے عہد فرمائزوانی میں مقدونوی اور رومانی تہذیب کا ایک شاندار مرکز بن گیا۔ جس طرح گلینیں کے جانشین آرپلین نے ہاتھ سے نکلے ہوئے مشرقی صوبوں کو تحریر کر کے لئے یہ مر پر چڑھائی کی، جس طرح ایک طویل اور خوزیری جنگ کے بعد زینب نے شکست کھائی، جس طرح آرپلین اسے قید کر کے روما لے گیا، جس طرح قیصر کے جلوس فتح کے ہمراہ اس اسیر زنجیر طلاٹی کی نمائش ہوئی یہ تمام واقعات اگرچہ بے حد دلچسپ ہیں لیکن اس مجلہ مختصر میں اس کی تفصیل کے لئے گنجائش نہیں نکالی جاسکتی۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ عرب کے لئے اسلام تو مایہ صد ہزار نازش ہے ہی لیکن وہ جاہلیت پر بھی فخر کر سکتا ہے جس کی بے سروسامانی کو کسری کی رقبت اور قیصر کی ہم چشمی کا دعویٰ رہ چکا ہے۔

تیسرا صدی سے لے کر چھٹی صدی تک لمحی اور غسانی حکومتوں کی رقبیانہ باہم آؤزی ہمیں مشرق و مغرب کی میزان اقتدار کا پاسنگ بنی ہوئی نظر آتی ہے۔ منذر ابن ماء السما فرمان روائیجیرہ کی غار تگرانہ دستبرد سے پریشان ہو کر جشنینین نے علاقہ شام کی حفاظت حارث ابن ابی شمیز کے سپرد کی جو لگ کرنے کے باعث حارث الاعرج کہلاتا ہے اور غسانیوں میں اس کا وہی پایہ یہ جو گھیوں میں اس کے حریف منذر ابن ماء السما کا ہے۔ حارث ۵۲۹ء سے لے کر ۵۶۵ء تک منڈنین رہا اور اس عہد طویل کا بڑا حصہ

اس نے منذر کے ساتھ معرکہ آرائی میں گزارا جس کا انجام ابن قبیلہ نے بالفاظ ذیل بیان کیا ہے۔

حارت الاعرج ملوک بنی غسان میں سب سے زیادہ اچھا سب سے زیادہ اقبال مدد اور سب سے زیادہ عیار فرمرا تھا۔ اس کے عہد میں غسانیوں کی غارگرانہ تاخت کی حدود پہلے سے بہت بڑھ گئی تھیں چنانچہ ایک مرتبہ اس نے خبر پر چڑھائی کی اور بے شمار خبریوں کو اسیر کر کے لے گیا۔ لیکن شام پہنچ کر یہ تمام قیدی آزاد کر دیئے۔ جب منذر ابن ماء السماء ایک لاکھ فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کو آیا تو اس نے ایک سو جانبازوں کو خاص ہدایات کے ساتھ اپنے حریف کی طرف روانہ کیا۔ ان میں مشہور شاعر لبید بھی شریک تھا۔ بظاہر یہ جماعت صلح کا پیغام لے کر آئی تھی لیکن منذر کے خیر میں پہنچتے ہی انہوں نے منذر اور اس کے معاہجوں کو توار کے گھاث اتار دیا۔ پھر گھوڑے ڈپتاتے ہوئے نکلے اور نجع نکلنے کی اس کوشش میں کچھ تو کامیاب ہوئے اور کچھ مارے گئے۔ غسانی رسالہ نے اس افترافری میں جو منذر کے قتل سے اس کی فوج میں پڑ گئی تھیں تھیوں کو اپنے نیزوں کی نوک کے آگے رکھ لیا اور انہیں میدان جنگ سے بھگا دیا۔

افیس کے نیکی اسقف یوحنًا کی زبانی ایک روایت ہم تک پہنچی ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ حارت کے اقبال نے رومیوں پر اپنا ایسا سکھہ بھار کھا تھا کہ ماں میں بچوں کو ڈرانے کے لئے اس کا نام لے دینا کافی بھجتی تھیں۔ اپنی زندگی کے پچھلے دنوں میں حارت کو اپنی جائشیں کا مسئلہ طے کرنے کے لئے قسطنطینیہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اہل شہر اور خصوصاً قیصر کے بھانجے جشن پر اس کی مرعوب کن شخصیت نے غیر معمولی اثر ڈالا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ کئی سال بعد جب جشن کبریٰ کی وجہ سے محل الحواس ہو گیا تو محل شاہی کے خوبصوراً اس کی ہڈیاں سرائی کے وقت صرف اس ایک فقرے سے اے خاموش کر دیا کرتے تھے کہ چپ رہور نہ ارتیحاس (حارت) تمہیں پکڑ لے جائے گا۔ حارت کے بعد غسانی حکومت اس کے بیٹے منذر کو ملی جس نے اپنے باپ کے نقش

34 == غلبہ ستم ==

قدم پر جل کر ۷۵ء میں حیرہ کے نئے فرمان روا قابوس بن ہند کو شکست دینے سے لمحی و غسانی رقبابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن زیادہ زمانہ گزرنے نہ پایا تھا کہ بازنطینی دربار سے اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے اور یہ کشیدگی یہاں تک بڑھی کہ اسے طوعاً و کرہاً قسطنطینیہ جانا پڑا جہاں پہنچ کر وہ قیصر کے حکم سے صقلیہ میں نظر بند کر دیا گیا۔

آل بھنہ کا آخری تاجدار جبلہ بن الائیم ہے جس نے ساسانی اور بازنطینی سلطنتوں کی کشکش میں اپنا آبائی فرض انجام دیا۔ یہ وہی جبلہ ہے جو حلقة بگوش تو حید ہو کر حضرت فاروق اعظم کے دربار میں حاضر ہوا تھا اور اسلام کی مساوات کو جس کی سٹھ پر شاہ و گدا پہلو بہ پہلو بیٹھنے نظر آتے ہیں تہذیب انسانی کے مسیحی تصور کی ضد پا کر مردہ ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے مدینے آنے، راہ چلتے میں ایک غریب بدود کو اپنے دامن پر نادانستہ پاؤں رکھ دینے کی پاداش میں طما نچہ مارنے، بدود کے استغاثہ پر دربار فاروقی سے مستغیث کے ہاتھوں اسی سلوک کے لئے تیار ہو جانے کا فرمان قضاتو امان سننے، اس حکم کو اپنی شان خردانہ کی توہین سمجھنے اور اس کے احتشال سے اغراض کرنے کے لئے شاشب فرار ہو کر قسطنطینیہ میں جا پناہ لینے کا واقعہ عہد خلافت کی تفصیلات سے تعلق رکھتا ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

رومته الکبریٰ

رومته الکبریٰ کی بت پرستانہ روایات میں حدود ارضی کے رب النوع ہر زمینیں کا مرتبہ تمام دیوتاؤں سے بڑھا چڑھا کر دکھایا گیا ہے۔ چنانچہ علم الاوٹان کے راویوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب دیوتاؤں کا ایک عظیم الشان دربار منعقد ہوا اور ہر ایک کے لئے درجہ بدرجہ نشست تجویز کی گئی تو ہر زمینیں کو اس بھری محفل کی صدارت پر اصرار ہوا اور باوجود وکیہ مہاد دیوتا جو پیشہ کی جلاالت قدر کے آگے تمام دوسرے دیوتاؤں کا سر جھکا ہوا تھا لیکن ہر زمینیں نے اس کی بھی پروانہ کی بلکہ اپنی ضد پر برادر اڑا رہا۔ ہر زمینیں کے اس میلے رویہ سے کہانت عہد کہن نے یہ نتیجہ نکلا کہ دولت روما کی حدود ایک دفعہ ایک خط پر قائم ہو کر کبھی پیچھے نہیں ہٹ سکتیں۔ ان کے لئے بڑھنا یقیناً آسان ہے مگر گھٹنا ابد امکن نہیں۔

سات سو سال تک جانشینان رومیوس اسی جہان کشاپانہ حکمت عملی پر کار بند رہے۔ شمال جنوب مشرق مغرب جس طرف بھی نظر اٹھتی تھی روما کے قشون قاہرہ کی غیر محدود پیش قدی توسع سلطنت میں سرگرم دکھائی دیتی تھی۔ ملک پر ملک سخز ہوتے چلتے جاتے تھے۔ قوموں پر قومیں روما کی غلامی کا اقرار کرتی چلی جاتی تھیں اور ظاہر بین ٹکا ہوں کو محسوس ہونے لگا تھا کہ ساری دنیا کا ہر زمینیں کے قدموں پر سر کھد دینا صرف چند دن کی بات ہے۔ آرزوئے تغیر عالم کی اس شراب ہفت صد سالہ کا نشہ اول اول آکش کے عہد میں ہرن ہوا۔ رومی فوجوں کی سیل جرار یگ زار بطنی میں جذب ہو کر رہ گئی۔ ہر زمینیں جس کی رگ گردن جو پیشہ تک کو اپنی اینٹھے دکھا چکی تھی عرب کے دیوتا ہبل کی ایک ہی زبردست پکڑ میں چاروں شانے چت نظر آیا۔ یورپ کے شمال میں بھی علاقہ ماوراء رود رائے رود رائے

== 36 ==

غلبة سعم

کے دھیوں کے ہاتھوں اگسٹس کے لشکر کو زک اٹھانی پڑی۔ اس دو گونہ رنج و عذاب کا جو اثر اس کے قلب پر ہوا اس کا اندازہ اس کی وصیت سے کیا جاسکتا ہے جس میں وہ اپنے جانشینوں کو مشورہ دیتا ہے کہ سلطنت کی حدود مغرب کی طرف ساحل بحر اوقیانوس شمال کی طرف دریائے رائن اور دریائے ڈینیوب کے خطوط آبی مشرق کی طرف روڈ فرات کے کناروں اور جنوب کی طرف افریقہ و عرب کے ریگستانوں سے تباہ و یزنة کرنے پائیں۔

برطانیہ کو ملا کر جسے پہلی صدی عیسوی میں کلادی میں، نیر و اورڈ ایشن کی چہل سالہ فوج کشی کے تسلسل نے روما کے توابع پر مسترد کیا۔ جب ہم ان وسیع حدود پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام وہ ممالک جوزمانہ حال کے جغرافیہ میں انگلستان۔ پرتگال۔ ایسٹن۔ فرانس۔ سوئزر لینڈ۔ اٹلی۔ جنوبی آسٹریا۔ سرویہ۔ بلغاریہ۔ البانیہ۔ یونان۔ تھریں۔ مقدونیہ۔ ایشیائے کوچک۔ شام۔ فلسطین۔ مصر۔ طرابلس۔ تونس۔ الجیریا اور مرکش کے نام سے موسم ہیں رومتہ الکبری کے زر نگیں تھے۔ یہ عظیم الشان سلطنت دریائے نیز سے لے کر دریائے فرات تک تین ہزار میل کے طول اور کوہ اپس سے لے کر جبل اطلس تک دو ہزار میل کے عرض میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا قرب سولہ لاکھ مربع میل سے اور پر تھا۔ منطقہ معتدلہ کی جاں فزا برودت اور دل کشا حرارت کے امتحان نے اس کی ہر ولایت کو خلاصہ ہر کشور بنارکھا تھا۔ بنی آدم کی شجاع و جیل نسلوں کے ان گنت افراد اس میں آباد تھے۔ یونان کے علوم و فنون اور صنائع و بدائع اسے ترکہ میں ملے تھے۔ پختہ سرکوں کا ایک شاندار سلسلہ جو اونچے سے اونچے پہاڑ کی چوبی اور چوڑے سے چوڑے دریا کے پاٹ کو یکساں سہولت کے ساتھ قطع کرتا ہوا چلا گیا تھا اس کے طول و عرض سلطنت میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کی معدنی زراعتی و صنعتی دو تیس سو سنا کر روما کی طرف کچھی چلی جاتی تھیں جو اس بدیع المخالہ خسروانی نظام کا اجوبہ و روزگار مرکز تھا۔ کوئی سلطنت جو مختلف ملکوں اور مختلف قوموں سے مرکب ہو زیادہ دونوں تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ فوجی قوت اور اقتصادی فلاح کے ساتھ ساتھ مذہبی رواداری اور نسلی مساوات

غلبة ستم

37

کے مصالح عالیہ اس کے نصب اعین نہ ہوں۔ ۱۴۵۰ء قبل مسح سے لے کر جو آنے کی نیوں کے اندازہ کی رو سے روما کی تاریخ بنیاد ہے ۱۴۵۰ء تک جبکہ محمد فاتح کی یادِ اللہی نے توحید کا جھنڈا ابا صوفیہ کے فلک نما گنبد پر جا گاڑا دولت روما کی مجموعی عمر دو ہزار سال ہوتی ہے۔ اور اگرچہ عمل اخحطاط ایک ہزار سال کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا، سلطنت مغربی اور مشرقی دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی، شمالی و شیوں کے خروج نے مغربی حصہ کو تباہ و بر باد کر کے متعدد حکومتیں قائم کر لی تھیں اور پانچویں صدی میں جولیس بیزر اور اکش کے جاہ وجہاں کی نام لیوا صرف دولت مشرقیہ باقی رہ گئی تھی جس کا پایہ تخت قسطنطینیہ تھا۔ لیکن اتنی طویل مدت تک بھی ایک متحداً الترکیب نظام سیاسی کا برقرار رہتا جو برطانیہ سے تاہم عراق پہنچتا ہوا اور آرمینیا سے چل کر مرکاش پر جا منتھی ہوتا ہوا بجائے خود ایک محیر العقول واقع ہے۔ اس درازی عمر کے لئے دولت روما اپنی دوران دیشانہ اور رواہ اراذہ حکمت عملی کی رہیں ملت ہے جس کی کوشش عصر جدید کے مغربی کشور کشاوں کی استغفاری سرگرمیاں کرتی ہیں اور بے فائدہ کرتی ہیں۔

اس حکمت عملی نے رومی حریت کو جو یونان قدیم کے اصول جمہوریت کے اتباع میں ایقونزی کی طرح صرف شہر روما کی چار دیواری تک محدود تھی بہتر تج و سعت دے کر پہلے اقصائے اٹلی میں پھیلایا اور غلاموں کو چھوڑ کر باقی تمام باشندوں کو روما کی شہریت کے ترجیحی حقوق عطا کئے۔ پھر رفتہ رفتہ اس تمدن کے ریشمی ڈورے سلطنت کے طول و عرض پر ڈالنے شروع کئے تا آنکہ روما کے یورپیں ایشیائی اور افریقی مقبوضات ایک قانون کے جیٹے عمل میں آگئے جو نسلی امتیازات کی کمروہ آلاتشوں سے پاک تھا جس کی نظروں میں کالے اور گورے ایک حیثیت رکھتے تھے، جس کو جو پیڑ، آسیں اور اپالو سے یکساں عقیدت تھی اور جس نے ایسا گھمیں کے سر پر تاج شہنشاہی رکھ کر ثابت کر دیا کہ ایک شایع رب بھی قیصر روم ہو سکتا ہے۔

قسطنطین اول (المتومنی ۳۲۲ء) جس کی پہ گرانہ قابلیتوں نے دربار تاریخ سے

غلبة ستم = 38 =

اعظم واجبی لقب حاصل کیا ہے اور جس کی یاد بانی قسطنطینیہ ہونے کے لحاظ سے رہتی دنیا تک قائم رہے گی پہلا وہ تاجدار ہے جس کی سیاسی مصلحتوں نے بت پرستی پر مسیحیت کو ترجیح دے کر کلیسا کے عیسوی کا دنیوی اقتدار برطانیہ سے لے کر عراق تک قائم کیا اور جس کے شاندار عہد میں دولت روما اپنی پوری مغربی و مشرقی وسعت کے ساتھ ایک مسیحی فرمانروای حکم بردار ہوئی۔ دوسرا مسیحی قیصر جس نے قسطنطینیہ کی روایات کے روشن چہرے کو داخلی اور خارجی فتنوں کے غبار سے پاک کیا تھیوڑوسیس اذل ہے جس کے عہد میں دنیا نے روما کو آخری مرتبہ ایک حکمران کی ماقومی میں مرکزی قوت نصیب ہوئی۔ تھیوڈوسیس کا انتقال ۳۹۵ء میں ہوا اور اس کے مرنے پر سلطنت اس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ آرکیدیمیس کے حصہ میں مشرق آیا جس کا پایہ تخت قسطنطینیہ تھا اور ہنورمیس کو مغرب ملا جس کا دار الحکومت روما تھا۔

ہنورمیس اور اس کے جانشینوں کی مجموعی میعاد حکومت پچاس سال ہوتی ہے۔ اس نصف صدی کی تاریخ دولت روما کی مغربی شاخ کے زوال و ہبوط کا انقلاب انگلیز افسانہ ہے۔ مقدسی بریریت جو کہ قیصر ان روم کے فوجی استحکامات اور دانشمندانہ مدابیر کی مقاومت کے لئے ایک مدت دراز سے بے تاب چلی آتی تھی رومی تہدن کے ان قواؤ ضعیف و فرسودہ پا کر شمالی جنگلوں اور شمالی و مشرقی بیباپانوں سے اس طرح جھٹی جھیسے بچرا ہوا شیر کچار سے نکلتا ہے۔ وسط ایشیا کے خانہ بدلوش تاتاری انبوہ سویڈن، تاروے اور جرمی کے خونخوار اور قوی ہیکل قبائل پولینڈ اور روس کے تند خوار جنگجو وحشی ڈینیوب اور رائن کے اس پار رومانیہ سے لے کر ہالینڈ تک چھائے ہوئے تھے۔ اب تک روما کے اقتدار کی حفاظت ایک نہ ایک ایسا فرمانروای کرتا چلا آیا تھا۔ جس کے سپر گرانہ جوہر اور دماغی قابلیتیں اس گوناگون خطرے کی روک تھام کرتی رہی تھیں۔ لیکن جولیس یزر کے جانشین اب ان کمالات سے محروم ہو چکے تھے۔ خود تھیوڈوسیس کے شاندار عہد حکومت کو بھی زیادہ سے زیادہ اس روایتی عصا سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس نے سلیمان علیہ السلام کے جمد بے جان کو سہار کھا

تھا۔ روما کی روایات عظمت کا پشتہ ٹوٹنے ہی وحشی جملہ آورزوں کا سیلا ب اندما اور ایک ہی ریلے میں اس کے مغربی تمدن کو بھالے گیا۔ افریقہ۔ اپیکن۔ فرانس۔ اٹلی۔ آسٹریا۔ ہنگری سب کے سب ان وحشیوں کے گھوڑوں کی ناپوں سے روندے گئے۔ رومتہ الکبریٰ کے نہال دولت کی شاخ مغربی کٹ گئی اور مند روما پر پہلی مرتبہ ایک وحشی سردار ڈولیس بیٹھا ہوا نظر آیا۔

دولت روما کا اطلاق اب یورپ میں ان ممالک پر ہونے لگا جو دریائے ڈینیوب کے جنوب میں (۲۶۵ء) بحر ایڈر یا ملک کے مشرقی ساحل سے لے کر قفقاز تک پھیلے ہوئے تھے۔ ایشیائی مقبوضات بدستور وہی رہے جو پہلے سے چلتے تھے۔ افریقی ولایتوں میں صرف مصر کا تعلق دربار قسطنطینیہ سے برقرار رہا۔ روما جو سلطنت کی اصلی وجہ تسلیم تھا اگرچہ اغیار کے قبضہ میں جا چکا تھا لیکن آرکیدیکس اور اس کے جانشین اب بھی قیصر ان روم ہی کے لقب سے ملقب تھے اور اس اعتبار سے کہ قسطنطینیہ کا محل و قوع بازنطیم نام کا ایک گاؤں تھا ان کے دربار کو بازنطینی بھی کہتے ہیں۔

جن وحشی اقوام کی غارتگرانہ تاخت نے ہنوریں کے آبائی ترکہ پر دست تصرف دراز کیا تھا ان کی لپجائی ہوئی تھیں آرکیدیکس کی میراث پر بھی رہ کر اٹھتی تھیں اور اگر ان کے بس کی بات ہوتی تو قسطنطینیہ کا بھی وہی حشر ہوا ہوتا جو روما کا ہو چکا تھا لیکن قسطنطینیہ کے قدرتی استحکامات جن کی پشتیبانی کے لئے ایک متمدن سلطنت کی ان گنت قوتیں موجود تھیں ان کی سعی لا حاصل سے ہر اساح نہ ہو سکتے تھے۔ پھر بھی وہ زہر جس نے روما کا کام تمام کیا تھا بتدریج قسطنطینیہ کے رگ دپے میں بھی سرایت کر رہا تھا۔ دولت مشرقی کی آخری ساعت صرف ایک مدت کے لئے مل گئی تھی ورنہ اس کا آنا موت کی طرح یقینی تھا۔ اور اہل بنیش کو اس کے آثار اسی وقت نظر آ رہے تھے۔ تاجدار ان قسطنطینیہ کی یزداں نشان فرعونیت، امراء کا تیش، غربا کی فلاکت، تو اناؤں کی چیرہ دتی، ناتوانوں کی کسپری، اعضاۓ حکومت کا استبداد، رعایا کی درماندگی۔ یہ اور اسی قبیل کے دوسرے

40 == غلبہ نعم

اسباب جنہیں ظاہر پرستوں کی نظر سے خردوانہ تجل کے ایک زرنگار پر دے نے چھپا رکھا تھا سلطنت کی جڑ کو گھن کی طرح کھانے چلے جاتے تھے۔ اس تجل کا نقش چوتھی صدی کے خاتمه پر لکیساے میمی کے ایک مشہور رکن سینٹ کریسا سم نے اپنے بلیغ الفاظ میں یوں کھینچا ہے۔

”شہنشاہ کی پیشانی سونے کے ایک مکمل بجواہر تاج سے مزین ہے جس کی قیمت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ یہ مرصع تاج خلعت ارغوانی کی طرح صرف اسی کے جسم مقدس کے لئے مخصوص ہے۔ شہنشاہ کے لباس کے لئے نیس ترین ساخت کا حریر استعمال کیا جاتا ہے جس پر زردو ز اڑدھوں کی تشبیہیں بنی ہوئی ہیں۔ اس کا تخت سراپا طلاۓ احر ہے۔ محل سراۓ وہ اپنے اعیان دولت خدام ادب اور جیش رکاب کے حلقوہ میں برآمد ہوتا ہے۔ ان کے بریجنچے ان کی ڈھالیں ان کی زر ہیں اور ان کے گھوزوں کے ساز و براق اور لگائیں یا تو طلائی ہیں یا ماطلا۔ ڈھالوں کے عین وسط میں ایک بہت بڑا م Hubbard نقش نظر آتا ہے جس کے گرد اگر دھشم انسان کے مشابہ متعدد ابھروں وال نقش بننے ہوئے ہیں۔ شہنشاہ کے سواری کے رتھ کو زریفیت سے جگہاتے ہوئے دوسفید براق خچر کھینچتے ہیں۔ رتھوں سونے کا ہے اور جب اس کے ارغوانی پر دوں، برف سے زیادہ ابجلے قالینوں اور مرصع و مذهب ساز و سامان پر تماشا ہیوں کی نظر پڑتی ہے تو اس کی زرافشان حرکت سے ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ شہنشاہ جب تخت سلطنت پر طلوں کرتا ہے تو اس کا ساز و سلاح اس کے اسپان خاصہ اور اس کا گماحظہ دستہ فوج اس کے پیچھے ہوتا ہے اور اس کے ٹکست خورده پابند نجیر دشمن اس کے قدموں پر سر رکھے نظر آتے ہیں۔“

آرکیڈیمیں کے دربار کی اس نظر فریب تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا ہو تو اس فرمان کی عبارت پڑھ لینی کافی ہے جو ایک تباہ حال اور استمزدہ رعیت کی روز افزدوں بد دلی کے لازمی بتائیں کے سد باب کے لئے آرکیڈیمیں نے صادر کیا تھا۔ اس فرمان کی دفعات سہ گانہ کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

غلبة ستم

41

(۱) ہر وہ شخص جو سلطنت کی رعایا یا باشندگان ممالک غیر کے ساتھ کسی ایسے شخص کی جان لینے کی نیت سے ساز باز کرے گا جس کا شمار اعضائے حکومت میں ہو وہ بغاوت کے جرم میں مستوجب سزاۓ موت ہو گا اور اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔

اعضائے حکومت کی ہمہ گیر اصطلاح کے مفہوم میں قیصر روم کا مقدس وجود اور اس کے طبیل القدر وزرا اور عماید سلطنت کی متبرک شخصیتیں تو خیر شامل تھیں ہی لیکن محل شاہی کے حاجب اور خواجہ سر اور صوبہ جات کے فوجی افسروں نظمائے عدالت اور معمولی درجہ کے عمال حکومت بھی اسی زمرہ میں شریک تھے۔ اور از بسکہ اس مطلق العنوان برادری کے مظالم ناروا کے خلاف کسی بد بخت کی صدائے احتجاج کا قیصر کے کالون تک پہنچانا عمال تھا اس لئے عمال حکومت پر حرف گیری کرنا بھی بغاوت کا ہم معنی تھا۔

(۲) بغاوت سے مراد باغیانہ فعل کا صدور ہی نہیں بلکہ اس کے مفہوم میں باغی کی نیت بھی داخل ہے اور دونوں حالتوں میں مجرم کو ایک سزا بھگتی ہو گی۔ اگر کسی شخص کو کسی سازش کا علم ہو گا اور وہ فی الفور اس کی اطلاع حکومت کو نہ کرے گا تو وہ جرم بغاوت کا مرتكب سمجھا جائے گا اور اگر کوئی شخص کسی ایسے مجرم کی معافی کی سفارش کرے گا تو وہ خود بھی ہمیشہ کے لئے سلطنت کا بد خواہ اور ملک کا دشمن متصور ہو گا۔

(۳) مجرمان بغاوت کی اولاد نہیں کو بھی اگرچہ اپنے والدین کی سزا میں شریک ہوتا چاہئے، اس لئے کہ بیٹوں کا اپنے باپ کے نقش قدم پر چلانا ایک امر طبعی ہے، لیکن از راہ مرامح خرد و اندھم ان کی جان بخشنی کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہم انہیں باپ یا ماں کی جاندار کی طرف سے محروم الارث قرار دے کر حکم دیتے ہیں کہ کسی قربانت یا کسی اجنبی کے ترکے سے متنزع ہونے کا حق بھی انہیں حاصل نہ ہو گا تا آنکہ آبائی ذلت و خواری کا نیکا ماتھے پر لگا کر اور دولت و عزت کے حصوں کی طرف سے نامید ہو کر وہ فلاکت اور ذلت میں اپنے دن کا نہیں اور زندگی کو وجہ مصیبت اور موت کو ذریعہ راحت سمجھنے لگیں۔

قیصر کے اس فرمان پر نظر انقاد ڈالتے ہوئے گہن کا حقیقت نگار قلم لکھتا ہے۔

غایہِ سعّم = 42 =

بُنی نوع بشر کے بذبات کی تحریر اگر الفاظ سے ہو سکتی ہے تو آرکیڈیمیس کے فرمان کی عبارت نے اتنا پردازی کا یقین پوری طرح ادا کر دیا ہے۔ ناکرده گناہ بیٹھے کو اس ظالمانہ اور وحشیانہ عذاب میں بدلنا کرنا جس کی خیاڑہ کشی برگشتہ بخت باپ کے حصہ میں محض اس لئے آئی تھی کہ اس نے ایک خیالی سازش میں شرکت کی تھی یا اس کا راز پوشیدہ رکھا تھا اور پھر اس ظلم عظیم کو ”مراحم خسروانہ“ سے تعبیر کرنا آرکیڈیمیس ہی کی قسم ظریفی کے لئے ممکن ہے۔ روما کے علم اصول قانون کے بعض نہایت ہی پرمغز مراتب حرف غلط ہو کر مت چکے ہیں لیکن کیا تماشا ہے کہ یہ فرمان جو عمال حکومت کی من مانی کارروائیوں کا ایک زبردست آہ اور ان کی جابرانہ چیرہ دستیوں کا ایک کھل الھصول ذریعہ ہے تھیوڑو ہیں ثانی اور جنتینیں کے قانونی ضوابط کے مجموعوں میں باحتیاط تمام حرف بحرف شامل کر دیا اور وہی کلیے جو اس کے عدوان و طغیان کی جان ہیں تا جدار ان جرمی اور اساقف کلیسا نے روم کے استبداد کی حمایت کے لئے زمانہ حال میں از سرنوزنہ کر دیے گئے۔

مکن نے یہ الفاظ اے اے میں لکھے تھے۔ آج اگر وہ زندہ ہوتا اور رولٹ ایکٹ اور قانون تحریرات ہند اس کی نظر سے گزرے ہوتے تو شاید اس کی نکتہ جیسی کا لہجہ اس سے بھی زیادہ درشت ہوتا۔ ممکن ہے کہ اس میسویں صدی میں آرکیڈیمیس کا فرمان یورپ کے جمہوریت نواز خطوں میں گلدستہ طاق نیان ہو گیا ہو۔ لیکن ممکن نہیں کہ آرکیڈیمیس کا وضع کیا ہوا قانون آزاد نشان ہند کی یاد سے محو ہو سکے۔ اس لئے کہ دفعہ ۱۵۳۔ الف اور دفعہ ۱۲۳۔ الف جو اس قانون کی روحاں پر پوچیاں ہیں اپنے عالم شباب میں ہیں۔

دولت مغربیہ کے انتزاع کے پچاس سال بعد جب ۱۵۲ء میں جنتینیں قسطنطینیہ میں تخت نشین ہوا تو یورپ اور افریقہ میں گاتھ اور ونڈاں اپنے پاؤں مضبوطی سے جماچکے تھے۔ بحیرہ ایڈر یا نک سے لے کر بحر اوقیانوس تک متعدد طاقتوں حکومتیں قائم ہو چکی تھیں جنہوں نے مسیحی مذہب کے ساتھ رفتہ رفتہ روما کے مہذب قوانین اختیار کر لئے تھے اور وہ قومیں جنہیں روما کی نخوت و حشیوں کے غول سے تعبیر کرنے کی خونگر تھی یونانی و رومانی

تمدن کے ہندزوں پر ایک نیا قصر تعمیر کرنے میں مصروف تھیں۔ دولت مشرقیہ میں ہے صقلی دستبردار بھی کشور کشائی کے دو گونہ خطرات کا دن رات سامنا تھا اگرچہ اتنی سکت نہ تھی کہ اپنی کھوئی ہوئی آبائی میراث کو بزور شمشیر ازسرنو حاصل کر سکے لیکن پھر بھی یہ خیال اس کے دل سے محونہ ہونے پاتا تھا کہ مغربی صوبوں پر اغیار کا غاصبانہ تصرف اس کے پشتی حقوق ملکیت کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

جیشینین جس کی اقبال مندی نے دولت مشرقیہ کی مردہ قوتوں کو زندہ کر کے بازنطینی کتاب حیات میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اس خیال کو قوت سے فعل میں لانے کا موجب ہوا۔ خوبی تقدیر سے اسے پہ سالار بھی ایسا ملا تھا جو اصحاب فکر اور علوم ہمت میں اپنی نظری آپ تھا اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مغربی اور مشرقی میدانوں میں جو کامیابیاں جیشینین کو نصیب ہوئیں وہ ملی سیریمیں ہی کی زبردست پہ گرانہ شخصیت کی رہیں احسان ہیں۔

کارکخ (قرطاجنہ) جس کی تحریر نے ملی سیریمیں کی شہرت میں چار چاند لگائے ہیں وندالیوں کی افریقی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ قوم وندال کے سردار جنسمرک نے آبائے جبل الطارق کو عبور کر کے یہاں ایک خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ اور جیشینین کے ماموں جشن کے اوآخر عہد میں جنسمرک کا پوتا ہلدرک فرماز واسعے کارکخ تھا۔ میسیحیت کی پہلی صدیاں کلیسیائے عیسوی کے ان اندروں اختلافات کے لئے مشہور ہیں جن کی خانہ بر اندازی نے ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کا جانتان دشمن بنا رکھا تھا۔ ان اختلافات کی بناء یہ اصولی نزاع تھی کہ ازر و نیع فطرت باپ کا مرتبہ بڑا ہے یا بیٹے کے برابر۔ اسقف اٹنیسیس کا دعویٰ تھا کہ اللہ اور ابن اللہ مشترک الفطرت اور مقاوی الحیثیت ہیں۔ بخلاف اس کے اسقف ایریمیں کو اصرار تھا کہ بیٹے کا درجہ باپ سے گھٹا ہوا ہے۔ اس بحث میں اگرچہ اٹنیسیس غالب رہا اور اساقف کی مجلس عموی کے فیصلہ کے بموجب اٹنیسی عقیدہ کلیسیا کی کتاب العقادہ میں داخل ہو کر رومن کی تھوڑک مذهب کا اصل اصول تسلیم

== غلبہ ستم == 44 ==

کر لیا گیا لیکن ایریمیں کے ایمان پر فریق مخالف کے غلبہ آرا کا مطلق کوئی اثر نہ ہوا اور اس کے لاکھوں چیر و اپنے پیشوائی کی تعلیم پر جتنے رہے تا آنکہ رومن کیتھولک اکثریت نے اپنے رقبیوں کی اقلیت کا بزور حکومت استیصال کر دیا۔

افریقہ کے وندال ایریمیں کامنہب رکھتے تھے اور انہیں رومن کیتھولک فرقہ کی مذہبی آزادی گوارانہ تھی۔ چنانچہ جنسرک اور اس کے بیٹے کے حکم سے طول و عرض حکومت میں اٹنیسی عقیدہ کی تلقین منوع قرار دی گئی۔ کیتھولک گرجا بند کر دیئے گئے اور کیتھولک پادریوں کو اپنے فرانس کی بجا آوری سے روک دیا گیا۔

اپنے باپ اور دادا کی روشن کے خلاف ہلدرک فطرتا نرم دل اور بردار واقع ہوا تھا۔ اس کی انصاف پسند طبیعت اس متعصبا نہ تشد د سے بیزار تھی۔ تحت سلطنت پر بیٹھتے ہی اس نے پہلا فرمان اس مضمون کا جاری کیا کہ ہر شخص اپنے معتقدات مذہبی میں آزاد ہے اور محض اختلافات عقاید کی بناء پر حکومت کی طرف سے رعایا کے کسی فرقہ پر کسی قسم کی سختی روانہ رکھی جائے گی۔ اس فرمان کی رو سے دوسو کیتھولک اسقف اپنی اپنی دینی خدمتوں پر بحال کر دیئے گئے اور ان کے گرجا و گزار ہو گئے۔ ہلدرک کے اس روادارانہ مسلک نے اگر چہ دربار قسطنطینیہ کو اس کا شکر گزار بنا دیا اور قیصر کے بھانجے جشنمن کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے لیکن خود کا رتحج میں اس کا الٹا اثر ہوا۔ اٹنیسی عقیدہ رکھنے والے کیتھولک جوتام دنیا کی دینی و دینیوی حکومت کو اپنی آبائی میراث سمجھنے کے خواگر تھے اور اپنے تمام حریفوں کا ناطقہ بند کر دیئے پر تھے ہوئے تھے محض اتنی سی آزادی پر قانون نہ ہو سکتے تھے کہ ان کے معتقدات میں حکومت کی طرف سے کوئی دست اندازی نہ ہو۔ ادھر ایریمیں کے چیزوں جنہوں نے کیتھولک فرقہ کے ہاتھوں سخت سے سخت مصیبیں اٹھائی تھیں برس اقدار ہونے کے باوجود اپنے دینی رشمنوں کو مساوی حقوق سے بہرہ اندو زپا کر برا فروختہ ہو رہے تھے اور علانیہ کہتے تھے کہ جنسرک کا پوتا مرتد ہو گیا ہے۔ فوج میں الگ بد دلی پھیلی ہوئی تھی اور جا بجا یہی چیز سے جاتے تھے کہ ہلدرک

اپنے آباؤ اجاداد کے نام کو بدنام کر رہا ہے۔ اس عام بد دلی اور بے چینی سے فائدہ اٹھا کر اول العزم سردار گلیمیر نے جو بنتا شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا علم انقلاب بلند کیا۔ جمہور کے اتفاق رائے سے ہلدرک معزول ہو کر قید میں ڈال دیا گیا اور افریقہ کی حکومت کا تاج گلیمیر کے سر پر رکھا گیا۔

جیشینین نے عنان سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے گرفتار بلاحیف کی رفاقت کا حق ادا کیا اور پے بے پے دوسفار تسلی گلیمیر کے دربار میں بھیجنیں۔ بازنطینی سفیروں نے تاجدار کاریخ کو اس کی غاصبانہ بد عہدی کے نتائج و عواقب سے تنبہ کر کے مطالباہ کیا کہ یا تو ہلدرک کے آبائی حقوق کا احترام ملحوظ رکھ کر اس کا تحت و تاج اس کے حوالے کر دیا جائے اور یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو اسے بعزم تمام قسطنطینیہ روانہ کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی بقیہ زندگی کے دن آرام و آسائش سے شاہی محل میں گزار سکے۔ گلیمیر کی خودداری جیشینین کی متکبرانہ تنبیہ سے مرعوب ہونے کے لئے تیار نہ تھی۔ روی سفیروں کو اس نے کھلے کھلنقوں میں جتادیا کہ کاریخ کی آزاد و خود مختار سلطنت اپنے اندر ولی معاملات میں اغیار کی مداخلت کو روانہ نہیں رکھ سکتی۔ قوم و ندال کو پورا حق حاصل ہے کہ اپنے ناہل فرمازوں کو مند حکومت سے معزول کر کے بھے چاہے اپنا بادشاہ بنالے۔ اس بے باکانہ جواب کے بعد جس کا کرخت لہجہ دولت مشرقیہ کے لاب پسند کانوں کے لئے بالکل انوکھا تھا مزید گفت و شنید بے سود تھی۔ ادھر جیشینین نے ہلدرک کو یا تو دشمن کے پنجھے سے نجات دلانے یا اس کا بدلہ لینے کا عزم بالجزم کر لیا۔ ادھر گلیمیر نے بازنطینی دستبرد سے محفوظ رہنے کے لئے پوری سرگرمی کے ساتھ فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ قسطنطینیہ اور کاریخ کی آویزش اب ناگزیر تھی۔ لیکن جیسا کہ ”مہذب“، ”قوموں کا شعار ہے اس آویزش کی تہیید کے طور پر فریقین کے درمیان صلح کے قول و قرار ہو گئے۔ اور دونوں نے باقرار صالح عہد کیا کہ ان کے دوستانہ تعلقات میں ہرگز کوئی قوت کسی طرح مخل نہ ہو سکے گی۔

لیکن افریقہ پر فوج کشی کی صرف یہی صورت تھی کہ پہلے ایران کے ساتھ مصالحانہ

غلبہ سدم = 46 =

مفاہمت کر لی جائے۔ جشنین کی حکومت کے پہلے پانچ سال عجم کی رقبانہ سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے میں بسرا ہوئے تھے۔ قباد جیسے زبردست حریف کے انتقال پر وہ کجھا تھا کہ مشرقی پریشانیوں کی طرف سے اسے کچھ دیر کے لئے نجات مل جائے گی لیکن تقدیر نے تخت مدائن پر قباد کے جواں سال اور جواں بخت بیٹے نو شیر والا کو بخادیا جس کے ہاتھوں اسے بہت سی ختنیں ملنے والی تھیں۔

ساسانی آئین کے بموجب فرمازداۓ وقت کی جانشی کا استحقاق فرزند اکبر کو حاصل تھا لیکن قباد اپنے منظور نظر سمجھلے بیٹے نو شیر والا کو ولی عہد سلطنت بنانے کا آرزومند تھا اور اس خیال سے کہ اقوام عالم اس کے چھبیس بیٹے کی جلالت قدر کے اعتراض کی خواز ہو جائیں وہ اس فکر میں تھا کہ قیصر روم نو شیر والا کو اپنا مختینہ بنالے۔ دولت مشرقی جسے عجمی حملوں کے تواتر نے بہت کچھ کمزور کر دیا تھا اپنے جانستان حریف کے ساتھ اس و آشتنی کے تعلقات قائم کرنے کے لئے پہلے ہی کسی بہانے کی تلاش میں تھی۔ قباد نے جب نو شیر والا کی رومانی تبنیت کی تجویز پیش کی تو جشنین بامدادی تمام اس پر رضا مند ہو گیا اور دونوں دولتوں میں اسی لحاظ سے قول و قرار ہو گئے۔ اگر یہ معاهدہ برقرار رہتا تو بالکل ممکن تھا کہ جشنین کی آنکھیں بند ہوتے ہی نو شیر والا اپنے حق تبنیت کا مطالیہ کرتا اور دولت مشرقی کو اپنی سیراث سمجھ کر اس پر متصرف ہو جاتا۔ اس خطرہ سے بازنطینی دربار کو ایک جہاندیدہ مشیر پر اکلس کی دقت نظر سے متنبہ کیا اور زیادہ دن نگزرنے پائے تھے کہ معاهدہ فتح ہو گیا اور نو شیر والا کی تبنیت کی دستاویز چاک کر دی گئی۔

نو شیر والا جب تخت نشین ہوا تو اس نقض عہد کی یاد پہلے سے بھی زیادہ تکنی کے ساتھ اس کے دل میں تازہ ہو گئی اور پہلے ہی عجمی حملہ میں جو ولایت شام پر ہوا جشنین کو معلوم ہو گیا کہ قباد کے بیٹے کا وارفولاد کی بجائے شاید چاندی کی سپر پر زیادہ آسانی سے روکا جاسکے گا۔ لیکن جس شامی و مشرقی سرحدی کی حفاظت کے لئے دارا کے مضبوط روی تلعہ میں متعین تھا اس جنابی یلغار کی خبر سن کر میں ہزار کا لشکر لے کر شامی سپاہ کی کمک کو آ

موجود ہوا۔ بلی سیریس کی مردگانی اور فرزانگی مسلم تھی لیکن فوج کے مینہ کے ثبات قدم کے بغیر جو حارث الاعرج کی قیادت میں غسانیوں پر مشتمل تھا عجمیوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس موقع پر حارث نے اپنی زرخید و فاداری کو اپنی عیارانہ مصلحتوں پر قربان کر دیا۔ مینہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حلب میں ہچل پڑ گئی اور بلی سیریس اپنے پہ گرانہ کمالات کی نمائش کا صرف اس قدر حق ادا کر سکا کہ عجمی قادر اندازوں کے تیروں کی بوچھاڑ کا دن بھر مقابلہ کرنے کے بعد رات کی تاریکی میں میرہ کی بقیۃ السیف صفوں کو میدان جنگ سے بچا لے جائے۔ آخر جشنین کے لئے جس کے پیش نظر افریقہ کی مهم تھی بجز اس کے اور کوئی چارہ باقی نہ رہا کہ بطور اعتراض عجز نوشیروان کو خراج دے کر مستقل طور پر صلح کر لے اور مشرقی میدانوں سے اپنی فوجیں ہٹالے۔

۳۵ء کے موسم گرمائیں چھ سو بازنطینی جہازوں کا ایک زبردست بیڑا جس کے باڈ بانوں کا ہاتھ بٹانے کے لئے جیس ہزار ملاحوں کی قوت بازو موجود تھی پانچ ہزار سوار اور دس ہزار پیدل فوج لے کر تیخ افریقہ کے عزم سے رہگائے کار رتح ہوا۔ اس بیڑے کا امیر الحرم اور قاید اعظم بلی سیریس تھا جسے جشنین نے اس خدمت پر مامور کرتے وقت جزوی و کلی تمام اختیارات تفویض کر دیے تھے۔ تین مہینے کے دریائی سفر کے بعد جس کے دوران میں بیڑے کو بحر روم کی مخالف و مواقف ہواں کی درشتی و نرمی سے رہ رہ کر سابقہ پڑتا رہا بلی سیریس راس کپاڑیا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا جو کار رتح کے جنوب میں پانچ دن کے فاصلے پر واقع تھا۔

گلی سراس وقت سارڈینیا کی تسبیح میں مصروف تھا۔ اگر اسے غنیم کی نقل و حرکت کی خبر ہوتی تو اس بحری مهم کو ملتوي کر دیتا جسے سر کرنے کے لئے اس نے پانچ ہزار سپاہی اور ایک سو بیس جہاز اپنے بھائی کی قیادت میں روانہ کئے تھے اور اس جنگ آزمودہ و جان سپار جمعیت کی مدد سے وہ یقیناً شدن کے بیڑے کا قافیہ کھلے سندھر میں تکنگ کر سکتا تھا۔ لیکن بلی سیریس جس کے آں اندر یشان تجویں نے حکومت کا رتح کے متعلق خود تمام ضروری واقفیت

غایہ سوم = 48 =

رستے میں بھم پہنچا لی تھی اس خاموشی سے اپنے حریف کے سر پر آپنچا کہ اسے کانوں کا ن خبر نہ ہوئی۔

رومی فوج نے جہازوں سے اتر کر سمندر کنارے ڈیرے ڈال دیے اور قدیم فوجی ضابطے کے مطابق لشکر گاہ کے گرد اگر دخندق کا حصار کھینچ کر مورچہ بندی کر لی۔ دوسرے دن علی الصباح کچھ رومی سپاہیوں نے گردنواح کے چند باغات لوٹ لئے۔ بلیں یہیں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے مجرموں کو سخت سزا دے کر مجھ عالم میں فوج کو مخاطب کرتے ہوئے ایک تقریر کی جس کا ایک ایک لفظ اس کے فاتحانہ کارناموں کی عظمت کا آئینہ دار ہے۔ اس مشہور تقریر کے چند فقرہوں کا اقتباس اس مقام پر بیجا ہے ہو گا۔

”اس مہم کی ذمہ داریاں قبول کرتے وقت میری امیدوں کا انحصار اپنی فوج کی تعداد یاد لا اوری سے زیادہ باشندگان افریقہ کے دوستانہ رویہ اور نیز اس غیر فانی عداوت پر تھا جو انہیں قوم و ندال سے ہے۔ ان امیدوں سے مجھے صرف تم ہی محروم کر سکتے ہو۔ اگر تمہاری یہ غارت گرانہ روشن قائم رہی اور ان لوگوں کا مال جو تھوڑے سے دام دے کر خریدا جا سکتا ہے تم یوں ہی تھیا تے رہے تو تمہارا یہ جبر و تشدد و ندالیوں اور افریقیوں کی جانی دشمنی کو دوستی سے مبدل کر دے گا اور دونوں فریق اپنے ملک پر حملہ کرنے والوں کے خلاف ایک جائز اور مقدس اتحاد کے رشتے سے وابستہ ہو جائیں گے۔“

یہی دنیا کے سپہ سالار جو بلیں سیریں کے نقش قدم پر چلنے کے مدی ہیں آج کل بھی غیر قوموں پر چڑھائی کرتے وقت اس قسم کے دل خوش کن فقرات کا اعادہ کرتے ہوئے نے جاتے ہیں لیکن ان میں اور ان کے پیش رو میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ بلیں سیریں کا ظاہر اور باطن ایک تھا۔ اس نے جو کچھ کہا کر بھی دکھایا۔ لیکن ان کے قول و فعل کا اعتبار نہیں۔ یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور۔

رعایا نے جب دیکھا کہ حملہ آوروں کو عام روشن کے برخلاف رومی سپہ سالار نے صرف یہ کہ اپنے لشکریوں کو لوٹ مار سے روکتا ہے بلکہ غارت گروں کو عبرناک سزا میں

بھی دیتا ہے تو چھوٹے بڑے مطمئن ہو گئے۔ اور جو لوگ بدحواسی کے عالم میں فرار ہو گئے تھے وہ واپس آ کر پھر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو گئے۔ اس طور پر اہل ملک کو مال جان اور عزت کی سلامتی کا یقین دلا کر بیلی سیر نیس نے انہیں اپنا گرویدہ کر لیا اور ہلدرک کے ہوا خواہوں کے ایک گروہ کیش کو پہلے ہی سے اپنی طرفداری پر آمادہ پایا۔ اب کارچج کا راستہ اس کے لئے صاف تھا۔

سلطنت پہلا شہر تھا جس نے اپنے دروازے کھول کر رومی سپہ سالار کا خیر مقدم زمانہ سازانہ وفاداری سے کیا۔ یہاں سے کارچج دس پڑا تو تھا۔ رستے میں شخص اور ارڈر و میٹم دو اور شہر پڑتے تھے۔ انہوں نے بھی سلطنت کی تقليد کی اور بیلی سیر نیس کو قیصر روم کے ساتھ اپنے قدیم مکونہ تعلقات کی تجدید کا یقین دلایا۔

غمیم کو پایہ تخت کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر اور اپنے تین شہروں کو برضا و غبت خود دشمن کی حلقہ بگوشی پر آمادہ پا کر گلیمر کے خوف و اضطراب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ احتیاط کا تقاضا تھا کہ جب تک اس کا بھائی سارڈ بینا کی مہم سے واپس نہ آجائے وہ جنگ کو نالے رہے۔ لیکن لذکار ڈھانے والے گھر کے بھیدیوں نے جو ہلدرک کے دامن دولت سے وابست تھے اسے یہ مہلت نہ دی۔ آخر بدرجہ مجبوری اس نے اسی جمعیت کے ساتھ جو کارچج میں فراہم ہو سکتی تھی بیلی سیر نیس کے مقابلہ کا عزم کیا۔ یہ جمعیت بھی ناسازگاری حالات کے باوجود اپھی خاصی زبردست تھی اور اگر تقدیر برسر مساعدت ہوتی تو گلیمر کی تدبیر غالباً حریف سے بازی لے جاتی لیکن دولت کا راجح کی حیات مستعار کی آخری ساعت اب کسی کے نالے نہ سکتی تھی۔

اذاجاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون.

گلیمر نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک دستے کی کمان اپنے بھائی اماتاں کے سپرد کی اور دوسرے دستے کی سالاری پر اپنے بھتیجے گہامند کو متعین کیا۔ تیسرا دستے کی قیادت اس نے خود اپنے لئے محفوظ رکھی۔ اسلوب حرب یہ تھا کہ جب رومی

غلبہ سعید

50

فو جیس کا رتحج سے دس میل کے فاصلے پر آپنچیں تو امatas مقدمہ الجیش پر حملہ اور ہو گبامند میرہ پر جا گرے اور خود گلیمر چکر کاٹ کر دشمن کے عقب کو جا لے۔ لیکن امatas کی تعقیل نے گلیمر کی امیدوں کا خون کر دیا۔ ساعت معینہ سے بہت پہلے وہ اپنی جمیعت کو پیچھے چھوڑ کر مٹھی بھر رفیقوں کے ساتھ رو میوں کے مقدمہ سے جا بھڑا اور یکہ وہ تنہ اس نے اپنے ہاتھ سے غرق آہن رو میوں کو خاک و خون میں سلا دیا۔ مگر اکیلا چنا بھاڑ نہ پھوڑ سکتا تھا۔ آخر ایک کاری زخم کھا کر وہ زمین پر گرا اور اس کے گرتے ہی اس کی فوج میں بھکڑ رپڑ گئی۔ یہی حشر گبامند کی جمیعت کا ہوا۔ کا رتحج کی شہر پناہ تک دس میل کے فاصلہ میں جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی کشتیوں کی لاشیں اور زخیوں کے سکتے ہوئے جسم نظر آتے تھے۔

ابھی تک گلیمر کو اس قیامت کی خبر نہ تھی جو اس کے بھائی اور سنتیج کے سر پر گزر گئی تھی۔ اپنے دست فوج کے ساتھ وہ نواحی پہاڑیوں کی اوٹ میں روی فوج کے عقب کی طرف جانکلنے کی نیت سے بڑھ رہا تھا کہ راہ گم کر کے یک بیک وہ اس مقام پر آنکلا جہاں ماتا ماس کی شجاعت نے موت کا استقبال کیا تھا۔ بھائی کی لاش پر شدت درد و کرب میں چند آنسو بہا کر بڑھتی ہوئی روی فوجوں پر جا گرا۔ اس کا حملہ اس بلا کا تھا کہ رو میوں کے پاؤں بے اختیار اکھڑ گئے اور اگر وہ اس مفا جاتی غلبے سے فائدہ اٹھاتا تو عجب نہ تھا کہ رو میوں کو تباہ کرنا ہوا وہ سندھ میں جادھکیتا۔ لیکن اس نادر موقع اس قیمتی مہلت کو اس نے اپنے بھائی اور سنتیج کی تجمیع و تغذیہ میں ضائع کر دیا۔

بلی سیریس اپنی ہزیت خورده فوج کے اطمینان قلب کی بھائی اور چیرہ دست تریف کے بڑھے ہوئے حوصلہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے اپنے دستہ رکاب کے ساتھ اب خود آگے بڑھا۔ گلیمر نے اس کا آگارو کنا چاہا لیکن وہ غضبناک جوش جس کی آنی کیفیت نے رو میوں کو ڈگ کا دیا تھا اب اپنی اصلی حالت پر قائم نہ تھا۔ دریک لڑائی ہوتی رہی۔ فریقین نے داد شجاعت و مردانگی دی۔ آخر بلی سیریس کی سپہ گرانہ قابلیت کے آفتاب کے آگے

گلیسروں کو مشتعل وار ماند ہو جانا پڑا اور اطمینان کو اپنے گوشہ قلب میں جگد دینے کے لئے ہمراہ لیتا گیا کہ اس کے خفیہ احکام کے بمحض بہذرک کا کام قید خانہ میں تمام کر دیا گیا تھا۔
بہذرک کی موت نے وہ ہلاکا سا پر وہ بھی اٹھا دیا جو جنین کے فاتحانہ ارادوں پر کارخج کے مظلوم تاجدار کی حمایت کے ادعائے ڈال رکھا تھا۔ قیصر کی ہدایات کے بمحض افریقہ دولت مشرقیہ کا ایک صوبہ قرار پایا۔ اور صوبہ داری کی خدمت ملی سیریں کی معاودت کے بعد ایک اعلیٰ فوجی افسر کے پروردگری گئی جسے قریب قریب شاہانہ اختیارات حاصل تھے۔

مہم افریقہ سر کرنے کے بعد ملی سیریں تغیر اطالیہ کی طرف متوجہ ہوا اور ایک جان گسل جدو جبد کے سلسلہ میں روما کی بلندیوں پر جنین کے اقبال کا علم نصب کرنے کی عزت بھی اسی کے حصہ میں آئی۔ اطالیہ تو چند ہی سال بعد پھر بازنطینی گرفت سے نکل گیا لیکن افریقہ پر قیاصرہ کا اقتدار بدستور قائم رہاتا آنکہ آفتابِ اسلام خاورستانِ حجاز سے طلوع ہوا اور اس کی عالمجاذبِ روشنی میں بحر قلزم سے لے کر بحر اوقیانوس تک پرستارانِ شیشیت فرزندانِ توحید کے قدموں پر سر رکھے ہوئے نظر آئے۔

کارخج اور روما کی تغیر میں جنین کو کامیابی تو ہوئی لیکن نوشیر والا کو خراج دے کر مائن کے ساتھ دب کر صلح کرنا قسطنطینیہ کے لئے سوہانِ روح تھا اور دولتِ مشرقیہ اپنے دامانِ تمکنت سے مجبورانہ مصالحت کی گرد رسوائی جهاڑنے کے لئے بے تاب تھی۔ اس سیاسی بے چارگی کے عالم میں بازنطینی مغربی آنکھیں ایک نئی مشرقی طاقت کی طرف اٹھیں جوروی و عجمی رقبات کی نظروں سے او جھل کوہستانِ الطائی کے دامن میں پرورش پا کر اقوامِ عالم سے اپنی سطوت و جبروت کا اعتراف کرانے میں مصروف تھی۔ کچھ لہاں عجم نے جن کی شوکت کا نقراہ آب جیہوں کے کنارے سے ساحلِ قلزم تک نج رہا تھا دولتِ مشرقیہ کے علاوہ اب ایک نئے حریف کو اپنا مقابل پایا جن کی ہیبت دیوارِ چین سے لے کر قلعہ یورال تک نفلہ انداز تھی۔ یہ حریف ترک تھے جن کے بے شمار خانہ بدوسی قابل

جہانگیری کے ایک نو اسیدہ جذبہ کی تر گنگ میں شہلی ایشیا کے مرغزاروں اور کوہساروں کو اپنے عناں گستہ رہواروں کوٹاپوں سے پامال کرتے چلے جاتے تھے۔

دریائے والگا کی وادیوں میں ایک تاری لنسل قوم آباد تھی جو تاریخ میں اوار کے نام سے مشہور ہے۔ مغرب کی طرف پیش قدی کرتے ہوئے ترکوں کا تصادم اس قوم سے ہوا۔ خان اوار نے ایک زبردست لشکر لے کر ترکوں کے مذہبی دل کا مقابلہ کیا۔ لیکن ایک خوزریز ہنگامہ کے بعد مارا گیا اور تین لاکھ اوارتہ تباخ ہوئے۔ لیکن میں ہزار اواروں کی ایک بے چین جمعیت غریب الوطنی کی آوارہ گردی کو غلای کی ذلت پر ترجیح دے کر جنوب کی طرف نکل گئی اور مار دھماز کرتی ہوئی شدہ شدہ کوہ قاف کے دامن میں پہنچی۔ قفقاز کے فرما نروانے جو خود تاری لنسل تھا انہیں اپنے علاقہ میں پناہ دی اور اس کی سر پرستی میں ان کا ایک وند بھیرہ اسود کو عبور کر کے قسطنطیلہ پہنچا۔

یہ وند جب جشنین کے سامنے پیش ہوا تو اوار سفیر کا ندش نے اپنے مطالب کا اظہار بالفاظ ذیل کیا۔

”اے شہنشاہ اعظم، تیرے دربار میں اس وقت دنیا کی ایک عظیم الشان قوم اوار کے نمائندے حاضر ہیں۔ یہ قوم میدان جنگ میں مغلوب ہونے کا نام نہیں جانتی اور اس کی سب سے بڑی دولت اس کے بازوؤں کی تو اتائی اور اس کی ہمت کی بلندی ہے۔ ہم لوگ تیری خدمت گزاری کے لئے بدلت و جان آمادہ ہیں اور اپنے میں یہ قابلیت پاتے ہیں کہ تیرے تمام بدواہوں اور تیری سلطنت کے تمام دشمنوں کو خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں تباہ و بر باد کر دیں۔ لیکن اپنے اس جان سپارانہ اتحاد اور دلیران جان فروشی کے معاوہ میں گراں قدر و ظائف اور وسیع جاگیرات کے عطیہ کے خواہ مند ہیں۔“

جشنین کو حکومت کرتے ہوئے اس وقت تیس سال کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اس کی عمر پچھتر سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ پیرانہ سالی کی کمزوریوں نے اس کے ابتدائی حوصلوں کو بھی پست کر دیا تھا اور اب اس کی شہنشاہانہ حکومت عملی کی غایت صرف اس قدر رہ گئی تھی کہ

جن امن کوستے مہنگے داموں جس طرح بھی بن پڑے خرید کر اپنے بقیہ ایام گوشہ عافیت میں بر کرے اور سلطنت کو پیر و فی محلوں سے بچانے کے لئے یا تو بلطائف الحیل دشمنان سلطنت کو آپس میں لڑا دیا کرے یا نی قوتوں کی دوستی سیم وزر سے خرید کر اپنے پرانے رقبوں کی توجہ ان نئے دوستوں کی طرف منعطف کر دیا کرے۔

اسی رو بہانہ مصلحت پر کار بند ہو کر جشنین نے حکم دیا کہ اوار سفیر اور اس کے ہمراہ یوں کو دیبا و حریر کے خلعت اور سونے کے جڑا اور کنگنوں اور زنجیروں سے سرفراز کیا جائے اور ان کی خاطرو مدارات میں کوئی دیقت اٹھانہ رکھا جائے۔ اپنی اس آوا بھگت سے مسرورو شاد ماں ہو کر اوار سفارت قسطنطینیہ سے رخصت ہوئی اور کچھ دن بعد ایک بازنطینی سفیر خاص ہدایات کے ساتھ قفقاز پہنچا۔ اس سفیر نے اوروں کے سردار کو جو چاغاں کے امتیازی لقب سے ملقب تھا اگر اس بہاہدیا و تحائف دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ قیصر روم کے مغربی دشمنوں پر حملہ آور ہوں اور حریقوں پر غلبہ پانے کی صورت میں دربار قسطنطینیہ سے مزید انعامات کی توقع رکھیں۔

غرض جشنین کی عیارانہ فیاضی کے صدقہ میں سازو ساماں سے آراستہ ہو کر اواروں کی یہ غریب الوطن جمیعت ارض مغرب کی طرف روانہ ہوئی اور چند ہی فاتحانہ بلغاروں کے بعد پولینڈ اور جرمونی کے قلب میں ٹھس گئی۔ دس سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ان کی فاتحانہ تاخت کا غل یورپ میں چکیا۔ ان کے خیمے دریائے ڈینیوب اور دریائے الب کے کناروں پر نصب نظر آنے لگے۔ بلغاری اور مقلعی نسلیں جن کی شجاعت نے رومیوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر ان کی با جگواری پر مجبور ہو گئیں اور آگے چل کر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ چاغاں کا نام سن کر قیصر ان روم اپنے محلوں میں تھرانے لگے۔

ساسانیوں کی شوکت خسروانہ کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک طرف تو انہیں ترکوں سے برد آزمہ ہوتا پڑتا تھا اور دوسری طرف رومیوں سے مقابلہ کرنا تھا

54 ————— غلبہ سوم

اور پھر بھی وہ ان دونوں زبردست حریقوں سے بازی لے جاتے تھے۔ نوشیروال کے زمانہ میں مانیاک فرمازروائے سندانیہ (ترکستان) نے جو دسامبل خان اتراک کا باجگزار تھا چینی ریشم کی تجارت کی غرض سے دولت مشرقی کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کرنے چاہے۔ چنانچہ سرقدو بخارا سے چند قافلے اس قصد سے روانہ ہوئے کہ بحیرہ خزر کے شمالی ساحل کا چکر کرنے ہوئے قسطنطیلیہ پہنچ جائیں۔ یہ قافلے دربار مدائن کے حکم سے رستہ ہی میں روک لئے گئے اور ان کا مال جلا دیا گیا۔ ساتھ ہی خان اعظم کے چند سفیروں کو زہر دے کر مارڈا لایا۔ مانیاک نے ان واقعات کی رواداد دسامبل کی پیشگاہ تک پہنچائی اور وہاں سے اسے ایسا ہوا کہ دولت بازنطین کے ساتھ ساسانیوں کے خلاف جارحانہ اور مدافعاً اتحاد کی سلسلہ جنبانی کرے۔ مانیاک اس فرمان کے موصول ہوتے ہی ایک وفد لے کر جمینیں کے دربار میں پہنچا اور اپنا مدعایاں کیا۔ ترکی و بازنطینی اتحاد کی تجاویز کے سلسلہ میں جس کا مقصد ایک مشترک دشمن کو زک دینا تھا مانیاک نے قیصر روم کو اپنے آقا کا یہ پیغام بھی دیا کہ دربار قسطنطیلیہ اور لوگوں کی حمایت سے دست بردار ہو جائے اور خان اعظم کے ان غلامان گریز پاسے کوئی سر و کار نہ رکھے۔ آج کل کی تکمیلی دوستیوں کی طرح بازنطینی تدبیر مملکت کافن مکروز و را اور خد ع و فریب کا ایک تلبیسی مجموع تھا۔ سلطنت کے مفاد کے لئے جھوٹ بولنا اور حلقوں اور حریقوں کو یکسان آمادگی کے ساتھ بوقت ضرورت دھوکا دینا سراسر جائز تھا۔ خود مذہب عیسوی کے مقتداوں نے اس ناپاک اصول کی تلقین سے تکمیل فرمازرواؤں کی خادعانہ حکمت عملی پر مہر تو شق لگا دی تھی کہ ملاحدہ وزنادقہ کے ساتھ بد عہدی کرنا سراسر روا ہے۔ جمینیں نے جس کی حیلہ جو فطرت اسی حکمت عملی کے آغوش میں تربیت پذیر ہوئی تھی ترکی سفارت کی تجاویز کا بڑی خوبی سے خیر مقدم کیا۔ چنان سے بظاہر بے تعلقی کا اعلان کر کے لیکن باطن اس کی سر پرستی کے لئے اپنی کتاب الحیل کے اوراق میں چند سطروں کی گنجائش رکھ کر اس نے بازنطینی و ترکی معاهدہ کی مجوزہ شرائط تسلیم کر لیں اور تصدیق معاهدہ کے لئے اپنا ایک سفیر فوق العادہ و سامل کے دربار

میں بھیج دیا۔ اس طور پر نو شیرواں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے جو دنیا جہاں کی مخالفت کو خاطر میں نہ لاتی تھی ترکوں اور بازنطینیوں کا رشتہ اتحاد و یگانگت استوار کر دیا۔

بیٹھنیں کی وفات پر اس کا بھائی جسٹن ہانی اریکہ آرے دو لٹ بازنطین ہوا اور اس کی تخت نشی کے ساتویں روز چاغاں کی طرف سے ایک سفارتی وفد اس کے دربار میں پہنچا۔ اواروں کو جن کے نو صلے گزشت آٹھ سال کی تو برتو کامیابیوں نے بہت کچھ بڑھا دیے تھے اور جن کی حرص آلوہ نگاہیں خود قسطنطینیہ کی طرف اٹھنے لگی تھیں۔ قسطنطینی جاہ و جلال کا مرعوب کن منظر دکھانے کے لئے اس موقع پر دربار قصیری بڑے خانہ سے آراستہ کیا گیا۔ قیصر شاہی کے چھانک سے لے کر دیوان خاص کی دہیز تک قوی ہیکل پہلوانوں کی عرق آہن صفیں دورویہ کھڑی تھیں جن کی طلائی ڈھالوں کی رخشنی اور نقری خودوں کی تباہی سے نگاہ پھسلی پڑتی تھی۔ اعیان دولت اور عماید سلطنت کی ایک زریں کمر جماعت تخت شاہی کے سامنے قرینہ کے ساتھ محو ادب تھی۔ تخت ایک زرنگار شامیانے کے نیچے رکھا تھا۔ جسے چار جڑا اُستون سہارے ہوئے تھے شامیانے کے نظر فریب قبے پر فتح و نصرت کی پری کا ایک دل ربا مجسم نصب تھا۔ فولاد آہن نقرہ وزبر اور دیبا و حریر کے اس طلسم ہوش ربا میں سے گزر کر جب سڑائے چاغاں تخت کے سامنے پہنچ تو یک بیک وہ زرافشان پر دہ جو شامیانے کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ اٹھ گیا اور تا جدار دولت مشرقیہ باہزار اس طفظہ و طمطراق مند قسطنطینیں پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ یہ سارا منظر بحیثیت مجموعی ایسا نہ تھا کہ جواہر چاغاں کے وحشی نما ندوں پر اس سے ڈالنا مقصود تھا اپنارنگ نہ لاتا۔ ارکان وفد بے اختیار جسٹن کے سامنے بجدعے میں گر پڑے۔ لیکن جب کچھ دیر بعد خود دارانہ حریت کا جذبہ غلامانہ مدلل کی اس اخطراری نمائش پر غالب آیا تو ریکیس و فطر جیس نے ترجمان کی وساطت سے ذیل کے بے با کان فقروں میں اپنے مطالب بیان کئے۔

”ہمارے آقائے نامدار چاغاں اعظم کا نام خشکی اور تری میں ہر جگہ ادب و احترام سے لیا جاتا ہے۔ جزوی سرزمینوں کی تمام سلطنتوں کی بقا محض اس کے رحم و کرم پر موقوف

غبلہ سوم = 56 =

ہے۔ اس کی ان گنت فوجوں کا بادل روس اور پولینڈ پر چھایا ہوا ہے اور اس کی رعایا کے بے حساب خیموں نے دریائے ڈینیوب کے کناروں کو ڈھانپ رکھا ہے۔ سابق قیصر روم جیشینین نے گراں بہا تھائے اور بیش قرار سالانہ و ظائف کی سفارش پر ہمارے احسان مند آقا کے ساتھ دوستانہ تعلقات آخذدم تک قائم رکھے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ دولت روما کے دشمنوں کو قوم اور اسی اس حليف دولت سے بر سر پر خاش ہونے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اب کہ جیشینین گزر چکا ہے، ہم امید رکھتے ہیں کہ اس کا بھاجنا قیصر جشن اپنے ماموں کی داشمندانہ روشن برقرار رکھ کر ہمارے آقا کے ساتھ قدیم فیاضی کا برتاؤ کرے گا اور صلح و امن کی برکات اسکی جنگ آزمودہ قوم سے خریدنے میں اپنی بہتری سمجھے گا جس کی زندگی تکواروں کی چھاؤں میں بسر ہوتی ہے۔

جشن نے اس سخت و درشت تقریر کے جواب میں جو تہذید آمیز لہجہ اختیار کیا وہ دولت روما کی قدیم عظمت و فخری کی یاد کا تازہ کرنے والا تھا۔ طریقہ جس کی طرح چند خود ستایانہ جملوں میں اپنے جاہ و جلال کا ذکر کرنے اور جیشینین کی مغربی فتوحات کو دولت روما کے لئے وجہ تفاخر قرار دینے کے بعد اس نے چاغاں کے سفیر سے کہا کہ ہماری سلطنت کو فوج اور سامان جنگ کی کوئی کمی نہیں۔ ہم اپنی سرحدات کی حفاظت اور اپنے دشمنوں کی سرکوبی پر پوری طرح سے قادر ہیں۔ تم اپنی جنگی خدمات پیش کرتے ہو اور اپنی مخالفت کی دھمکی دیتے ہو! ہمیں نہ تمہاری سماں کی ضرورت ہے اور نہ تمہاری دھمکیوں کی پروا۔ تم کو معلوم ہوتا چاہئے کہ جس قوم نے تمہاری کان کی لوکاپنی اطاعت کی سوئی سے چھیدا تھا وہ خود ہمارے اتحاد کی آرزو مند ہے۔ پھر کیا ہم تم سے ڈر سکتے ہیں جو اپنے گھروں سے نکالے جا چکے ہو اور اپنے پرانے آقاوں سے جو ہمارے موجودہ حليف ہیں آنکھ ملانے کی جرأت نہیں کر سکتے؟ ہمارے عم مکرم نے تمہاری مصیبت اور درماندگی پر رحم کھا کر تمہارے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا تھا اور تمہاری عاجزانہ التجاویں کو شرف قبول بخشتا تھا۔ ہماری سیر پھٹمانہ سماحت تمہارے ساتھ اس سے بھی زیادہ احسان کرنے کے لئے آمادہ ہے اس لئے

کہ ہم تمہاری ناتوانی اور بے سروسامانی کا پورا پورا علم رکھتے ہیں۔ سفیروں کی جان بادشاہوں کے دربار میں بہر حال سلامت ہوا کرتی ہے ورنہ تمہاری شوخ پہشانہ جسارت کا کچھ اور ہی نتیجہ لکھتا۔ اچھا اب ہمارے دربار سے نکل جاؤ اور اپنے آقا کو ہمارے یہ کلمات جانسنا۔ اگر عذر تقصیر اور طلب غفو کے لئے ہمارے پایہ تخت میں تمہارا پھر آتا ہو تو شاید اس وقت ہم تمہیں اپنے بذل واپسی کا ثبوت دے سکیں۔

ان نامعلوم فقروں کی یاد چاغاں کے دل میں کچھ عرصہ تک کائنات بن کر ہٹکتی رہی اور جب عجی دست بر دی غمازی نے ان کمزوریوں کا راز طشت از بام کر دیا جن پر جشن کی لفاظی نے پر دہ ڈالا تھا تو دولت مشرقی کو معلوم ہو گیا کہ عذر تقصیر کا غیر خوش آئندہ فرض چاغاں کی بجائے خود قیصر ان روم کو انجام دینا پڑے گا۔ دربار بازنطین کو ترکوں کے ”غلام گریز پا“ کے ہاتھوں پے در پے جو ڈیں اور رسوا میاں نصیب ہوئیں ان کا نقشہ گھمن نے حسب معمول اپنے انداز خاص میں اس طرح کھینچا ہے۔

”بیان نے جس کے عہد حکومت میں اواروں کی حدود و اقدار کوہ اپس کے دامن سے لے کر بحیرہ اسود کے ساحل تک وسیع ہو گئیں جشن ٹانی کے تفاخر نا بیری میں کی تمکنت اور مارس کی رعنوت کو خاک میں ملا کر قطبظنیہ کے درود یوار میں اپنی ہیبت کا لرزہ ڈال دیا۔ ایشیا میں عجمیوں کی وراز دستی سے جس وقت بھی خطرہ جنگ دامنکیر ہوتا تھا دولت مشرقیہ کی کواراوروں کی گارنٹ گرانہ سرگرمی یا گراں ارز دستی سے یورپ میں معا دبنے لگتی تھی۔ رومنی سفیر جب چاغان کے دربار میں باریاب ہونا چاہتے تھے تو انہیں حضور کی امید میں دس دن تک اوارتا جدار کے خیمہ کے باہر منتظر ہنا پڑتا تھا اور اس کے بعد بصد تامل و بہزار دقت انہیں شرف باریابی بخشنا جاتا تھا۔ پھر اگر عرض مدعاء کے وقت کوئی جملہ ان کے منہ سے ایسا نکل جاتا تھا جو معنای اللفظ اس کے مشکل پسند کانوں کو گراں گز رتا تھا تو حقیقی یا مصنوعی غیظ کے عالم میں وہ ان کے اور ان کے قیصر کو میزدھیاں سن کر حکم دیتا تھا کہ ان کا مال و متاع لوٹ لیا جائے اور ان کی جان بخشی صرف اس شرط

غلبة نعم 58

پر کرتا تھا کہ وہ زیادہ ترقیتی ہدیے اور تحفے لے کر اس کے حضور میں واپس آئیں اور آئندہ زبان سنچال کر بات کریں۔ بخلاف اس کے خود چاغان کے سفیروں کی حالت یہ تھی کہ قحطانیہ میں وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ اور ان سے کوئی عرض نہ ہوتا تھا۔ بازنطینی دربار کے آداب کو مطلق خاطر میں نہ لا کر وہ اضافہ خراج اور حوالگی اساری و مفرورین کے مطالبہ میں شوخ پہمانہ اصرار سے کام لیتے تھے اور دولت مشرقی کی عظمت کو ان گستاخانہ مطالبات کی عاجزائی تکمیل یا ان کا اصرار نالے کے لئے کسی جھوٹے جیلے کے تراشنے سے ایک سابیہ لگتا تھا۔

ایک دفعہ چاغان نے ہاتھی کی تصویر دیکھی۔ جیتا جا گتا ہاتھی اس کی نظر سے بھی نہ گزر اتھا۔ دربار قحطانیہ کو فوراً حکم پہنچا کہ چاغان کا یہ شوق پورا کیا جائے۔ چنانچہ قیصری تھان کا سب سے زیادہ قد آور ہاتھی زریفت کی بھولوں اور طلاقی ہو دے سے بچ کر پورے خدم و حشم کے ساتھ ہنگری کے میدانوں میں جہاں اواروں کے تاجدار کا خیمه نصب تھا پہنچایا گیا۔ چاغان نے اس کوہ پیکر جانور کو نفرت آسودہ حرمت کی نگاہوں سے دیکھا اور متسم ہو کر بڑی تکلف سے صرف اس قدر کہا کہ ان رومیوں نے بھی عجیب یہ ہو دہ دماغ پایا ہے کہ ایسے بے مصرف نوادر کی جستجو میں دریاؤں کی موجودوں کو چیرتے اور صحراؤں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔

اسی طرح ایک موقع پر چاغان کو سونے کے چھپر کھٹ پر استراحت کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ حسب معمول قیصر روم کے نام فرمان جاری ہوا اور قحطانیہ کی ساری دولت اور اس کے چاکدست صناعوں کی پوری ذہانت اس فرمائش کی تیاری کے لئے وقف کر دی گئی۔ لیکن جب چھپر کھٹ تیار ہوا تو اس نایاب تحفہ کو جس کی لائگت کسی طرح ایک سلطنت کے خراج سے کم نہ تھی چاغان کی بد دماغی نے رد کر دیا۔

ان چند مثالوں سے چاغان کی ملکبرانہ تکلفت پر روشنی ڈال کر صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ قیصر ان روم کی بے قعی کا تماشا دنیا کو دکھانے کے لئے وہ کبھی کبھی ان کے

ہدایا و تھائے پر لات مار دیا کرتا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دولت مشرقیہ کے مداخل و محاذیں اس کے سور حرس کی ہیزم کشی کے لئے سرتاسر وقف تھے۔ حریرہ ابریشم کے ان گنت تھان، سونے چاندی کے انمول بامن اور سامان خانہ داری کے بے حساب ذخیرے سے فقط نظینہ سے ہر سال وقت مقررہ پر بطور خراج اس کے افسروں کے حوالے کئے جاتے تھے۔ اور تمدن کی زیب وزیست کا یہ سامان اوار و حشیوں کے خیمه گاہوں میں بذریعہ تہذیب و شاشتگی کی جھلک پیدا کرنے لگا تھا۔ اداروں کی وحشیانہ خورش بھی زیادہ خوش طعم اور بہٹھی ہو چلی تھی۔ اس لئے کہ خراج قسطنطینیہ کی مدد میں ہندوستان کے گرم سالے کی ایک مقدار کثیر چاغان اور اس کے ارکان دولت کے مطعن کا لازمہ بنی ہوئی نظر آتی تھی۔ خراج نقد پہلے اسی ہزار اشرفی تھا۔ پھر ایک لاکھ میں ہزار ہو گیا اور ہر جنگی مظاہرہ کے بعد جب قسطنطینیہ کے ساتھ بیان عہد نامہ پر د قلم ہوتا تھا تو بقیا یہ واجب الایصال کی بے باقی کے ساتھ اضافہ رقم خراج شرط اول قرار پاتا تھا۔ (گمن جلد چارم باب چہل و ششم صفحات ۹۵-۳۹۲)

جشن کو ملا کر جمینیں کے بھانجوں اور بھیجوں کی کل تعداد سات تھی اور ازبک کے جمینیں کی طرح جشن بھی لاولد تھا اس لئے ضروری تھا کہ اس کے بعد حکومت کا قرعہ انتخاب انہیں میں سے کسی کے نام پر پڑے لیکن جشن کے سینے میں اپنے رشتہ داروں کی طرف سے حسد و بغض اور نفرت و عناد کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی کہ تحت سلطنت کو اپنے خاندان کے لئے محفوظ رکھنے کی طبعی خواہش بھی اس کا ایندھن بنے بغیر نہ رہی اور جشن روما کی قدیم جمہوری روایات کی یاد تازہ کرنے کے بہانہ سے اپنی ملکہ صوفیا کی سفارش پر اپنی فوج رکاب کے کماندار تائجہ کیس کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا۔ جشن کے نچلے دھڑ پر فانگ گر پڑا تھا اور اس کے قوائے دماغی معطل ہو چلے تھے۔ ان وجہ سے اپنی جائشی کے عقدہ مشکل کو حل کر کے خود عزلت گزین ہو جانا اس کے لئے ناگزیر تھا لیکن اس آخری فرض کی انجام دہی کے وقت اپنی بچی کچی اور اس کی قوتیں کو سمیت

غلبہ ستم = 60 =

کر جنہیں کبھی نہ فراموش ہونے والے الفاظ میں اس نے اپنے جانشین سے خطاب کیا وہ اس کی رعایا کے اس عقیدے کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ چند جنہوں کے لئے اس کی زبان روح القدس کی ترجمان بن گئی تھی۔ وہ مرکزۃ الاراء الفاظ یہ ہیں۔

”قبائے سلطنت اور تاج شاہی کے امتیازات عالیہ اب تمہارے حصہ میں آنے والے ہیں۔ میں کون ہوں جو یہ دولت تمہیں دوں خود خداۓ بزرگ و برتر کا ہاتھ تاج حکومت تمہارے سر رکھے گا اور قبائے ارعوانی سے تمہاری قامت کو زینت دے گا۔ اقتدار سلطنت کی ان ظاہری علامات کا ادب کرنا سیکھو تو کہ دنیا تمہاری عزت کرے۔ قیصرہ تمہاری والدہ کی بجائے ہے۔ پہلے تم اس کے نوکر تھے۔ اب تم اس کے بیٹے ہو۔ اس لئے اس کی تعظیم تم پر واجب ہے۔ خوزیری سے پکو اور انتقام کو مقسم حقیقی کے لئے چھوڑ دو۔ ان افعال و اعمال سے احتراز کرو جنہوں نے عامہ خلائق کو میری طرف سے بدلت کر دیا ہے اور اپنے پیشوں کے نقش قدم پر چلنے کی بجائے اس کے تجوہ سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس حیثیت سے کہ میں انسانی خطاؤں اور لغزشوں کا ایک کمزور مجموعہ ہوں میں نے بہت سے گناہ کئے ہیں اور اس زندگی ہی میں مجھے اپنی بداعمالیوں کی تسلیں سزا بھی مل چکی ہے۔ لیکن جس وقت میں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے تمحیک کی عدالت اخزوی میں حاضر ہوں گا تو (وزراء سلطنت کی طرف اشارہ کر کے) میرے یہ نوکر بھی جنہوں نے رہ رہ کر میرے اعتماد کانا جائز فائدہ اٹھایا اور میرے جذبات ساقلہ کی آگ کو اپنی ہیزم کشی سے بھڑکایا ہے میرے ساتھ ہوں گے۔ اکمل قیصری کی معافی درخشنی نے میری نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔ کہیں تمہاری آنکھیں بھی اس کی روشنی سے چند صیانہ جائیں۔ تمہارا شیوه حزم و احتیاط اور انسار و تواضع ہونا چاہئے اور تمہیں کبھی یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہئے کہ تم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو۔ یہ لوگ جو ہماری چاروں طرف صفتست کھڑے ہیں تمہارے غلام اور تمہارے بچے ہیں۔ برس اقتدار ہو کر ان کے ساتھ دہی سلوک کرو جو ایک شفیق باپ اپنی اولاد سے کرتا ہے۔ اپنی تمام رعایا کو ایسا ہی عزیز

کبھو جیسا اپنے نفس کو عزیز جانتے ہو۔ فوج کے دل میں گھر کرنا اور اسے ضابطہ کا پابند بنانا اپنا مقدم فرض جانو۔ امیروں کے مال و املاک کو غاصبوں کی دستبرد سے بچاؤ۔ اور جہاں تک بن پڑے غربیوں کی حاجت روائی کرو۔“

نائیمیر میں کا انتخاب نہایت صحیح ثابت ہوا۔ قضاۓ اگرچہ اس کو چار سال سے زیادہ حکومت کرنے کی مہلت نہ دی لیکن اس قلیل مدت میں اس نے اپنے انداز حکمرانی سے رعایا پر ثابت کر دیا کہ اس کے پیشوں کی نصیحت کا ایک ایک لفظ اس کے اعماق قلب کا گوشہ گیر ہو چکا تھا۔ نائیمیر میں ایک بلند بالا اور وجیہہ و شکلی شخص تھا۔ اور صوفیا کی نظر انتخاب نے اسے اپنے اذکار رفتہ شوہر کی جائشی کے لئے چھانٹتے وقت اس کے حسن صوری ہی کو قابلیت کا سب سے بڑا معیار قرار دیا تھا۔ ساواہ لوح جشن کی اگرچہ یہی آزو تھی کہ اس کی البتلی ملکہ نئے قیصر کو اپنا بیٹا سمجھے لیکن صوفیا کے محبت نواز دل کی گہرا یوں میں جذبات شوق کا ایک اور ہی دریا لہر لے رہا تھا۔ اور وہ نائیمیر میں کی ماں کا درجہ قبول کرنے کی بجائے اس کی معشوقہ بننا زیادہ پسند کرتی تھی۔ نائیمیر میں کی پارسایانہ بے اعتنائی نے اس کی ان بے پہیز ائمدوں کا خون کر دیا اور جب قیصر نے اپنی بیاہتباں بی انسپیکر کی رسم تاجپوشی کا اعلان کیا جو صوفیا کے علم کے بغیر پہلے سے اس کے جمالہ عقد میں آچکی تھی تو صوفیا کی محبت یک بیک عداوت میں بدل گئی اور اس نے نائیمیر میں کے خلاف جوز توڑ کرنے شروع کر دیے۔ اول اول تو نائیمیر میں ان ریشد دوانيوں کو نظر انداز کرتا رہا لیکن جب صوفیا کی سازشیں علانیہ بغاوت کی حد تک پہنچ گئیں تو اسے مجبوراً سلطنت کی خاطر اس رنگیں مزاج خاتون کو قصرت شاہی میں نظر بند کرنا پڑا۔

صوفیا کی قندائلیزیوں کا سد باب کرنے کے بعد نائیمیر میں نے جنمی مہم کا بیڑا اٹھایا اور اس سلسلہ میں ایک سفارتی وفد نئے خاقان اعظم کے دربار میں بھیجا جو حال ہی میں دسماں کی وفات پر تواری ختحت و تاج کا وارث ہوا تھا۔ بازنطینی سفیر نے جب آداب بجالا کر گز ارش کی کروی اور تر کی متحده فوجیں خسرو ایران کے ملک پر چڑھائی کریں تو

غلبة سدم = 62 =

قسطنطیوی در بار کی مناقفانہ روشن کی تلخ یاد سے متاثر ہو کر خاقان نے چند جلسے کئے فکروں میں اپنے دل کا غبار اس طرح نکالا۔

”تم روی بھی میرے ان ہاتھوں کی انگلیوں کی طرح دہ زبان ہو۔ اور تمہاری دس زبانوں میں سے ہر ایک ریا کاری اور دو فصلے پن میں اپنا جواب آپ ہے۔ میرے سامنے آ کرم سیدھی بات کرتے ہو لیکن میری رعایا کو اٹی جانتے ہو۔ دنیا کی قوموں کو اپنی مکارانہ لفاظی سے فریب دے کر الوبانے کافن تمہیں خوب آتا ہے۔ تم اپنے حلیفوں کو اپنے حریقوں سے لڑا کر خود الگ بیٹھے ہوئے ان کے کٹ مرنے کا تماشہ دیکھا کرتے ہو اور فتح کے وقت مال نعمیت میں سا بھی بننے کے لئے جھٹ آ موجود ہوتے ہو۔ احسان کی جزا احسان ہوا کرتی ہے لیکن تم ایسے حق ناشناس ہو کہ اپنے محضوں کو بھولے سے بھی نہیں یاد کرتے۔ جاؤ اور اپنے آقا سے کہہ دو کہ ترک نہ خود جھوٹ بول سکتا ہے نہ جھوٹوں کو معاف کر سکتا ہے۔ قیصر روم کو اپنی مناقفانہ دروغ بانی کا خیازہ کھینچنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اسے شرم نہیں آتی کہ ایک طرف تو میری خوشاد کر کے میری دوستی کا آرزو مند بنتا ہے اور دوسری طرف میری بھائی ہوئی اوار رعایا کے ساتھ دوستانہ عہدو پیمان کر کے انتہائی ذلت و رسولی کا بیکا اپنے ہاتھ سے اپنے ماتھے پر لگاتا ہے۔ اگر میں نے ان ذلیل غلاموں پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا تو میرے کوڑے کا ترزاں ان کے جسم میں لرزہ ڈال دینے کے لئے کافی ہو گا اور میرے سواروں کے ان گنت دستے انہیں پیروں تلے روند کر ان کی خاک فضاۓ عالم میں اڑا دیں گے۔ جس راہ سے انہوں نے جا کر تمہاری سلطنت پر چڑھائی کی ہے وہ مجھ پر بند نہیں ہے۔ اس دھوکے کا جادو بھی مجھ پر نہیں چل سکتا کہ کوہ قاف رو میوں کا حصار عافیت ہے۔ اس لئے کہ نیستر، ڈینیوب اور ہبرس کی پاٹ دارندیوں کے بہاؤ کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی جنگ آزمودہ قوموں کی گرد نیس ترکوں کی شمشیر خارا شگاف کے آگے جھک جھک گئی ہیں۔ جاؤ اور قیصر روم سے کہہ دو کہ مشرق سے لے کر مغرب تک ساری دنیا میری آبائی جا گیرے۔“

لیکن خاقان کے غصہ کا بادول صرف گرج کر رہ گیا۔ ترکوں اور رومیوں کے مشترک مقاصد نے دونوں قوموں کو اتحاد کی ضرورت جنم لے کر پرانے خوش آئند تعلقات از سر نو قائم کر دیے اور انہیں تعلقات کا نتیجہ تھا کہ اس معمر کہ میں جو اس کتاب کا موضوع ہے خسر و پرویز کو پے در پے اور تو بر تو فتوحات کے بعد بالآخر ہرقل کے مقابلہ میں منہ کی کھانی پڑی۔

جشن کی طرح ٹائیمہر نے بھی ایک فوجی افسر کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ یہ افسر مارس تھا جس نے مشرقی میدانوں میں متعدد موقعوں پر اپنی قابلیت اور شجاعت کے جو ہر دکھا کر ایک خاص نام پیدا کر لیا تھا ٹائیمہر نے اپنی بیٹی کے ساتھ اس کا عقد کر کے اسے اپنی فرزندی میں لے لیا اور بستر مرگ پر عنان سلطنت اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس آخری تمنا کا اظہار کیا کہ اگر احسان مندی میری کوئی دیر پا یادگار قائم کر سکتی ہے تو اس یادگار کی بہترین شکل خود تمہارے ذاتی اوصاف اور محاسن ہو سکتے ہیں۔

تحت نشینی کے وقت مارس کی عمر پینتالیس سال تھی اور اس کی مدت حکومت میں برس سے کچھ اور پر ہوتی ہے۔ اس طویل زمانہ میں اس کے اوصاف حسنہ کا پرتو سلطنت کے نظم و نسق کے ہر شعبہ پر پڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جس کی اصلاح میں اس نے اپنی طرف سے کوئی دلیقہ اٹھانے رکھا۔ لیکن اس کا عبر تناک انجام جس کی تفصیل آگے آتی ہے اصول مکافات کی نیرنگیوں کا تماشا گاہ ہے۔ نظام سلطنت کے مفاسد اس کی چارہ گری کی حد سے بہت بڑھ گئے تھے اور بالآخر خود اس کو اور اس کی اولاد کو ان مفاسد کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھنا پڑا۔

نوشیروال کے پوتے خسر و پرویز کو ایک سیاسی انقلاب نے جس کی تفصیل کسی دوسرے مقام پر درج ہے دولت مشرقی کی حدود میں پناہ لینے پر مجبور کیا تھا اور مارس کی مصلحت شناسی نے ایک جرار روی لشکر کی مدد سے اسے اپنا کھویا ہوا تاج و تخت از سر نو دلوادیا تھا۔ اس امداد کے معاوضہ میں اگرچہ گراں بہام تھائے و ہدایا کے علاوہ دو مضبوط

غبلہ سعیم = 64 =

سرحد قلعے عجم کی طرف سے قیصر روم کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کئے گئے اور ولایت آرمیدیا بھی دولت مشرقیہ کے توازع پر مستزا دردی گئی تا آنکہ بازنطینی سلطنت کی حدود ”ساحل ژودارس“ (ایے بہاگر گندری بر ساحل رو دارس۔ حافظ) تک وسیع ہو کر بخیرہ خزر کے نواح میں پہنچ گئیں۔ لیکن توسعہ سلطنت سے بھی زیادہ فتح رہاں شاید مایں و قسطنطینیہ کے وہ مصالحانہ تعلقات تھے جو خرسو کی احسان پذیری نے قائم کر دیئے تھے اور جو مارس کے مرتبے دم تک بدستور برقرار رہے۔ انہیں دولتانہ مراسم نے مارس کو عجم کی رقبات کی طرف سے مطمئن کر کے آخر اس قابل بنا یا کہ چاغان سے اپنی دو سالہ رسائیوں کا بدلہ لینے کا تھہر کر سکے۔ چنانچہ اس کے سپہ سالار پر سکس نے ڈینیوب تک پیش قدمی کر کے پانچ میدانوں میں اواروں اور ان کے حلیفوں کو پے در پے زکیں دیں اور جو نقصان عظیم چاغان کو ان معزکوں میں اٹھانا پڑا ان کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سترہ ہزار اور قید اور سانچہ ہزار قتل ہوئے اور خود چاغان کے چار بیٹے بھی کھیت رہے۔ لیکن پر سکس کی یہ کامیابیاں نتائج کے لحاظ سے غیر فیصلہ کن ثابت ہوئیں اور زیادہ مدت گزرنے نہ پائی تھی کہ بایان نے ایک زبردست فوج از سرنوفراہم کر لی اور اس کی اس حملکی کی گونج باسفورس کی پہاڑیوں سے ٹکراتی ہوئی سنی گئی کہ میری ہزیمت کا داع غ قسطنطینیہ کی شہر پناہ کے سایہ میں دھویا جائے گا۔

فُنْ حَرْبَ كَه وَ حَكِيمَانَه اصْوُلْ جَنْ كَي گُودْ مِينْ بَكْجِي جُولِيسْ سِيزِرْ اور ژَرِيجِنْ كَي قَوَاعِدْ وَان پلشنوں نے تربیت پائی تھی اب بھی بازنطینی دنیا میں موجود تھے۔ لیکن ان کا وجود صرف لاطینی دیوانی کتابوں کے اور اق میں نظر آتا تھا۔ ان قشوں قاہرہ کی جگہ جن کی تربیت یافتہ شجاعت کا مقابلہ دنیا کی کوئی جنگی قوت نہ کر سکتی تھی ایسی سپاہ نے لے لی تھی جو حب وطن پاس ناموس اور احترام نہ ہب کے جذبات عالیہ سے معرا ہونے کے علاوہ علم اصول جنگ کے نکات سے مطلقاً بے بہرہ تھی۔ سردار فوج کی اطاعت سے جس کے بغیر حیات عسکری ایک جملہ بے معنی ہے فوج کے سپاہیوں کو بہت کم سروکار تھا۔ اور ان کی شورہ

پشتی کا خمیازہ سلطنت کو آئے دن کے باعینا نہ مظاہروں کی شکل میں کھینچنا پڑتا تھا۔ ایک مطلق العنان تاجدار ہونے کی حیثیت سے قیصر روم کے احکام کا ادب سب سے زیادہ لشکر گاہ میں ہونا لازی تھا لیکن نافرمانی کا سب سے بڑا مرکز یہی خیرہ سر حلقة تھا اور قیصر کو پنے شوخ چشم لشکریوں کے طغیان کا منہ سونے چاندی کے لقموں سے بینا پڑتا تھا۔ بلی سیریمیں اور پرسکس جیسے بیدار مغز پس سالاروں کی زبردست فوجی شخصیتیں سلطنت کی ہمہ گیرے عنوانیوں کے کلیہ کے لئے استثنہ کا حکم رکھتی تھیں اور دولت مشرقی کی فتوحات محض بخت و اتفاق کا نتیجہ تھیں ورنہ حکومت کا فوجی نظام سر سے لے کر پاؤں تک بو سیدہ ہو چکا تھا۔

مارس نے ان مفاسد کی اصلاح کا بیڑا اس وقت اٹھایا جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ سلطنت کے محاصل سالہا سال سے فوج کی دہائی دوزی کے لئے وقف تھے اور فوجی اخراجات کے باوجود اس سے خزانہ عامرہ کی کر德ھری ہو رہی تھی۔ آخر مارس نے اس مضمون کا فرمان صادر کیا کہ فوج کے ساز و سلاح اور وردیوں کی لاگت فوج کی تنخواہ میں سے وضع کر لی جایا کرے۔ ان احکام کا جاری ہونا تھا کہ ایشیائی اور یورپیں افواج کے طقوں میں ایک خطرناک جوش پیدا ہو گیا۔ غیظ آلودہ سپاہ اپنے لرزتے ہوئے افسروں پر بل پڑی۔ کئی جریں لختی ہوئے، کئی بصد ذات اپنے صدر مقام سے نکال دیے گئے۔ قیصر کے یادگاری مجسمے توڑا لے گئے۔ سچ کے بت پر پھر بر سائے گئے۔ دیوانی اور فوجی توانیں کے پرے اڑا دیے گئے اور ملک بھر میں ایک طوفان بے تمیزی بچ گیا۔ آخر مارس کو اپنا حکم واپس لینا پڑا اور ایک نیا فرمان جاری کیا گیا جس کی روح سے فوج کی ان خطاؤں پر اغماض کا پردہ ہی نہیں ڈالا گیا بلکہ فتنہ پردازوں کو انعام و اکرام سے ملا مال کر دیا گیا۔ لیکن اس درگزرا کی قدر کرنے اور اس فیاضی کی شکر گزار ہونے کی بجائے گزری ہوئی فوج اور زیادہ دلیر ہو گئی اور جب کچھ عرصہ کے بعد مغربی سپاہ کے اس حصے کو جو سرحد ڈینیوب کی حفاظت پر مامور تھی یہ ہدایت موصول ہوئی کہ موسم سرما کے ایام اواروں کی سرگزی کا سد باب کرنے غرض سے دشمن کے علاقہ میں بس رکرے تو مفسدہ پردازوں کی

غلبة سعیم = 66 =

سرکشی کا پیالہ جو لبریز ہو چکا تھا بالکل ہی چھٹک گیا۔ انہوں نے صاف اعلان کر دیا کہ مارس میں قسطنطینی عظم کی جائشی کی اہمیت ہرگز باقی نہیں رہی۔ ایک فوجی افسر فو کاس نے علم بغاوت بلند کیا اور مقدموں کا گروہ اس کے محدودے چند ہوا خواہوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر اس جھنڈے کے نیچے سیدھا قسطنطینیہ کی طرف روانہ ہوا۔

پایہ تخت کی آبادی کے پائے وفا کو اگر لغزش کا خوف نہ ہوتا تو مارس کو فو کاس کے خروج سے ہر اس اس کی کوئی وجہ نہ تھی۔ باغی فوج قسطنطینیہ کی فصیلوں سے مکران تکرا کر مرجانی مگر شہر کے اندر نہ داخل ہو سکتی لیکن اس عروض ہزار داماد نے جس کا نام دولت ہے اب مارس کے آغموش کی بجائے اس کے رقب کے شہستان کو اپنی رعنائیوں کی جلوہ گاہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ شومی تقدیری اسے کہتے ہیں کہ مارس کی کفایت شعاراتی بھی اس کی رعایا کو بخل بن کر نظر آنے لگی تھی اور ہر چھوٹا بڑا مدت سے اس کا مقابلہ ہو چکا تھا۔ فو کاس کی باغیانہ پیش قدمی نے اسی چھپی بدولی کو کھلی ہوئی مقدمہ پروازی سے بدل دیا اور دشمنوں کے حوصلے یہاں تک بڑھ گئے کہ قیصر کی سواری پر اراذل و انفار روز روشن میں ایک پھر برسانے لگے۔ آخر جب برگشتہ بخت مارس کو جان کے بھی لا لے پڑ گئے تو وہ اپنی بی بی اور نوبچوں سمیت ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہو کر ایشیائی ساحل پر جا اتر اور ایک گرجا کی چار دیواری نے قسمت کے ان ستائے ہوؤں کو پناہ دی۔ چاروں طرف سے مایوس ہو کر اس کی نگاہ اس وقت خرد پر ویز تا جدار ایران کی طرف انھی جس کا اس نے آڑے وقت میں ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ اپنے بڑے بیٹے تھیڈڑو جس کو اتحادے استعانت کی غرض سے مایں روانہ کر کے اس نے اپنے آپ کو حوالہ تقدیر کر دیا۔

مارس کے فرار نے جب بخت سلطنت خالی کر دیا تو نئے قیصر کے انتخاب کا سوال پیش ہوا۔ فو کاس اس وقت ایک زبردست فوجی جمیعت کا سر کردہ تھا اور قسطنطینیہ کی انقلاب پسند آبادی جس کے نزدیک فوجی طاقت کے آگے سر جھکا دینا و فقاداری کا دوسرا نام تھا اس کا دم بھرنے لگی تھی۔ ان حالات میں امیدواران تخت و تاج میں سے کسی کو

اس کے مقابل بنتے کی جرات نہ ہو سکتی تھی۔ ارائیں سلطنت اور اعضائے کلیسا کی ابن الوقی نے ہوا کارخ پہچان کرتا ج قیصری اس کے سر پر رکھ دیا اور ایک مجہول الحسب غاصب دولت مشرقیہ کی جلالت اندو ز مند پر بینجا ہوا نظر آیا۔

عنان حکومت ہاتھ میں سے کرب سے پہلا فرمان جو فوکاس نے جاری کیا مارس اور اس کی اولاد ذکور کا قتل نامہ تھا۔ شاہی جلادوں کی ایک خنخوار نولی مارس اور اس کے اہل و عیال کی جائے پناہ کی طرف روانہ ہوئی اور گرجا میں گھس کر بدنصیب قیصر اور اس کے پانچ بیٹوں کو گھستی ہوئی باہر نکال لائی۔ فوکاس کی وحشیانہ سنگدلی کا اندازہ اس کی اس ہدایت سے کیا جاسکتا ہے کہ باپ کے قتل سے پہلے بینے اس کی آنکھوں کے سامنے تدقیکے جائیں۔ تین گھنے جلاد کی ہر جانستان ضرب پر جو دنیا کو مارس کی آنکھوں میں سیاہ کرتی ہوئی خود اس کے اپنے قلب کو چڑ کا دیتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اس کی قوت ایمانی اس کی لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے یہ فقرہ کھلواتی جاتی تھی کہ الہی تو عادل ہے اور میرے حق میں تیرا فیصلہ برحق ہے۔ درد و کرب اور عذاب و عقوبات کی اس آخری جاں گسل ساعت میں حق و انصاف کی ملکوتی قوتون نے اس کا ایمان اس درجہ مضبوط کر دیا تھا کہ جب ایک فانے جان ثماری کی راہ سے اس کے دودھ پینتے پئے کی جگہ اپنے پئے کی گردن جلاد کی چھری کے بینے رکھ دی تو اس نے موت کے پیر حمگماشتون کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ آخر اس دردناک منظر پر خود شہنشاہ کے قتل نے اپنا خونپچان پر دہ ڈال دیا۔ باپ بیٹوں کے دھڑ باسفورس کی موجودوں میں پھینک دیے گئے اور ان کے کئے ہوئے سرقطنطیبیہ کے دروازوں پر لٹکا دیے گئے۔ تھیوڈو سیس بھی جو اپنے مظلوم باپ کا پیغام لے کر عازم مداریں ہوا تھا اپنے خاندان کے اس عبر تناک انجام میں حصہ لینے سے نہ بچ سکا۔ ابھی وہ بھی سرحد میں داخل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فوکاس کے سپاہیوں کی دوڑ نے اسے رستے ہی میں آیا اور طرفتہ اعین میں اس کا کام تمام کر دیا۔ مارس کے اہل و عیال میں اب صرف اس کی ملکہ کا نشانہ اور تین بیٹیاں باقی رہ گئی تھیں۔ لیکن بہائم صفت فوکاس کی قساوت کے

غلبة سعدم 68

ہاتھوں جو حشران بیچاریوں کا ہوا اس کے تصور سے بھی انسانیت لرزہ براندام ہوئی جاتی ہے۔ ایک ظاہر پرست دنیا کو حکومت وقت کی کریم الغسلی کا نظر فریب تماشاد کھانے کے لئے پہلے تو ماں بینیاں ایک صومعہ میں نظر بند کر دی گئیں لیکن کچھ دن بعد ان کی نسبت سازش کا شہبہ ہوا۔ ظالم حکومتوں کی لغات میں شبہ ہمیشہ سے یقین کا مراد فوج آیا ہے اور ملزم سے مجرم مراد لی جاتی رہی ہے۔ محض ایک شبہ کی علت ایک خیالی الزام کی پاداش میں کسی قسم کی عدالتی تحقیقات کے بغیر کا نتھیا اور اس کی تینوں بیٹیوں کے حق میں سزاۓ موت تجویز کی گئی لیکن سزا وہی کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اس پر شاید ابلیس لعین کی جدت پسندی کو بھی رشک آتا ہوگا۔ پہلے تو ان نازک اندام اور ناز پروردہ خاتونوں کی آنکھیں تکلوں سے چھیدی گئیں اور پھر ان کی زبانیں گدی سے کھینچ کر قاتلوں کے پاؤں میں مسلی گئیں۔ پھر یکے بعد یگرے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے۔ پھر ان کے برہنہ جسموں پر تازیانے بر سائے گئے۔ پھر ان کو نیزوں سے چھلنی کیا گیا۔ پھر انہیں جلتے الاؤ میں جھومنک دیا گیا۔

پھر اس کی مند تقدس پر ان دنوں پاپائے گریگوری جنہوں نے میسیحیت کی بارگاہ سے ولایت کے منصب کے علاوہ اعظم کا لقب بھی حاصل کیا ہے روح القدس کے همزبان تھے۔ حضرت پاپا نے فوکاس کے خوفشاں کارناٹوں کی یاد میں جو قصیدہ تصنیف فرمایا ہے وہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس ناپاک قاتل کو اپنی بدکرداریوں پر پیشیاں ہونے کا درس دینے کی بجائے میسیحیت کے پیشوائے اعظم نے اس امر پر اپنی دلی سرست کاظہار کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے فوکاس کو اس کے زہدا و اتقا اور جود و کرم کا صلطنت سلطنت کی شکل میں مرحمت فرمایا اور پھر دعا مانگی ہے کہ فوکاس کو ایک طویل اور با مراد عہد حکومت عطا ہو جس کے خاتمہ پر دنیوی شان و شکوه کی طرح وہ اخروی فوز و فلاح سے بھی بہرہ دو رہو۔

پاپائے گریگوری کی اس قصیدہ خوانی پر گہن نے گہڑ کر دو چار جلے کئے جملوں سے اس کی یاد کی تواضع کی ہے لیکن گہن کے گہڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ میسیحیت پاپا کو معصوم

غلبة ستم = 69 =

بھجتی ہے جس سے کوئی خطا سرز نہیں ہو سکتی۔ اس سے فوکاس کی نجات میں شکر کرنے کی بجائے کس کا فرکو ہو سکتی ہے۔

سیاست کی انوکھی سرز میں میں نیکی اور بدی کی حد فاصل ایک خط موہوم ہے جس کا وجود نقطہ تقیدیں کی طرح نمود بے بود کا حکم رکھتا ہے۔ ایک شخص کا ایک ہی فعل اس کے لئے موجب تحسین بھی ہو سکتا ہے اور باعث نفرین بھی۔ اخلاقی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو پرانے مال پر دست تصرف دراز کرنا ایک فعل ناجائز ہے جس کا مرتكب کسی حالت میں بھی اپنے اقران و امثال کے لئے وجہ تقیدیں نہیں بن سکتا۔ لیکن فلسفہ سیاست کے رمزشناشوں کی رائے میں ایک دل گردے والا شیر اپنے ہی جیسے ڈاکوؤں کی ایک جمعیت کے ساتھ اپنے ہمسایوں کو جواہر تشقیق و آتش کرتا ہوا تاج خسروی سر پر رکھ کر ساری دنیا کی مدح و ستائش کا سرز اوار بن سکتا ہے اور بصورت ناکامی سولی پر لٹک کر دنیا جہان کی لعنت کا طوق بھی اپنی گردن میں ڈلا سکتا ہے۔ غرض سیاست میں حنات کا اطلاق ان افعال پر ہوتا ہے جن میں فاعل کو کامیابی حاصل ہو اور سیاست سے انہیں افعال کی وہ صورت مراد ہے جو نجربہ ناکامی ہو۔ ایک کامیاب لیئرے کو جس کا ہاتھ اپنے ہزار ہا انہائے جنس کے خون سے نمگین ہے اسکندر اعظم کہتے ہیں اور اس کا ایک ہم پیشہ معاصر صرف اتنی سی خطا پر کہ اس کی قاتلانہ اور غارنگرانہ سرگرمیاں ہمہ گیر نہیں ہیں ڈاکو کا ڈاکو ہی رہتا ہے۔ فوکاس جس کی تخت نشینی کی ابتداء مارس کے خاندان کے قتل عام سے ہوئی اور جس کا ہشت سالہ عہد حکومت تباہ کن شکستوں اور ذلت آفرین صلح ناموں کا ایک سلسلہ ناکامی ہے اگر مارس کی واڑگوں طالبی سے فائدہ نہ اٹھا سکتا تو تاریخ کے اوراق اسے زیادہ سے زیادہ ایک کندہ ناتراش باغی کی حیثیت میں دنیا کے سامنے پیش کرتے۔ لیکن اس باب گرد و پیش کی اس بعد از فہم ساز گاری نے جسے قسمت کی رسائی سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے قیصر بھی بنادیا اور اس کی وحیانہ سیہ کاریوں پر مسیحیت کی پارگاہ اعلیٰ کو ”زہد و اتقا“ کی چھپتی بھی بھادوی۔ جس طرح توارکا کمیت کی نے سربرز ہوتے نہیں دیکھا اسی طرح ظالموں کا پہلنا

70 == غلبة ستم ==

پھونا بھی مکافات کی اس لق و دق وادی میں کسی کی نظر سے نہیں گزرا۔ رویوں کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ان کا نیا قیصر خدا کی رحمت ہونے کی بجائے ان کے حق میں خدا کے قہر سے کم نہیں۔ اس زمانے کے ایک سورخ مذہبیں نے فو کاس کی سیرت کی جوشیبہ پر دہ الفاظ پر کھنچی ہے وہ بجائے انسان کے کسی عفریت کی تصویر معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس کا قد تھا تھا۔ صورتِ حق کروہ تھی۔ سر کے بال سرخ تھے۔ گھنے ابروؤں کی پیٹگی نے تگ پیشانی کے ساتھ مل کر خباثتِ فطری کا اجارہ لے رکھا تھا۔ ڈاڑھی مونچھ کا منہ پر نام و نشان تک نہ تھا۔ چہرے پر ایک بہت بڑا داغ تھا جس نے صورت اور بھی بگاڑ رکھی تھی۔ نوش و خواند سے بالکل بے بہرہ اور ضابط و قانون سے مطلقاً عاری تھا۔ اور تو اور فن پر گری سے بھی جس میں اسے کچھ نہ کچھ درخور ضرور ہونا چاہئے تھا اسے کوئی حصہ نہ ملا تھا۔ تخت سلطنت پر بیٹھ کر اس کی عیش پرستی اور شراب خوری کی کوئی حد نہ رہی۔ غصہ کی حالت میں اس کی وحشی طبیعت قابو سے باہر ہو جاتی تھی اور مخالفت یا لکھتے چینی اسے دیوانہ بنادیتی تھی۔

ممکن نہ تھا کہ اس وضع و تماثل کے حکر ان سے رعایا کا کوئی طبق بھی خوش ہو۔ اس کے گونا گوں مظالم سے امر الگ نالاں تھے، اساقف الگ بیزار تھے، غربا الگ تگ آگے تھے۔ ملک بھر میں بد دلی کی ایک بہر دوڑگی جو نفرت اور عداوت کی دو گونہ منازل طے کرتی ہوئی بغاوت کی حد تک پہنچ گئی۔ ہر قل صوبہ دار افریقہ نے خود مقام انہ روش اختیار کر کے خراج بھیجنा موقوف کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ میں ایسے شخص کا حکوم ہو کر رہنا پسند نہیں کرتا جس کا وجود تخت قسطنطینیہ کے لئے باعث صد تگ دمار ہے۔

ہندوستان جدید کے نرم و گرم فریقوں کی مانند جنہیں انگریزوں کی اصطلاح میں اعتدال پسند اور انہا پسند کے احتیازی القاب سے یاد کیا جاتا ہے یا انگلستان کی ان مشہور جماعتوں کی طرح جو بھی وہگ اور نوری کھلاتی تھیں اور آج لبرل اور کسر و بیو کے نام سے موسوم ہیں دولت روما کے نظام سیاست میں بھی تدبیم الایام سے دو حریف عناصر برگرم

مسابقت چلے آتے تھے۔ ایک فریق نے اپنے لئے نیلا رنگ تجویز کیا تھا اور دوسرے نے ہرے رنگ کو اپنی شناخت کی علامت قرار دیا تھا۔ انہیں الوان مختلف کی مناسبت سے یہ جماعتیں ارزقی اور اخضری کہلاتی تھیں۔ قیصری دنگلوں کے کھیل تماشوں میں گلی کو چوں کے بلودوں اور ہنگاموں میں، سیاسی انقلابات کے فتوں اور سازشوں میں، غرض ہر موقع پر ہر محل پر ان دونوں جماعتوں کی باہمی رقباتیں ہمیں دولت روما کی اندر ورنی زندگی کی میزان کے پلوں کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ خود قیصر روم ان میں سے کسی ایک فریق کی طرفداری اور سرپرستی کو اپنی شہنشاہیہ حیثیت کے لئے وجہ تقویت سمجھتا تھا اور فریق خالف حکومت وقت کے مایدہ لطف کی ریزہ چینی سے محروم ہو کر ان خفیہ ریشہ دوائیوں کو اپنی سیاسی زندگی کے برقرار رکھنے کا ذریعہ واحد سمجھنے پر مجبور ہو جاتا تھا جو ہر مسلوب الاقتدار جماعت کی سرگرمیوں کی خصوصیات میں شامل ہیں۔ ملکہ تھیوڈورا کو جشنینین کے جبال عقد میں آنے سے پیشتر ایک مشہور فاحشہ تھی اور تھیز میں اپنے رقص عربیاں سے قحطیہ کی رنگیں مزاج آبادی کا دل بھایا کرتی تھی اپنے شوہر کی طرح ارزیوں سے انس اور اخضروں سے عناد تھا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ بیسوپن کے ایام میں ایک مرتبہ جب وہ تماشا گاہ میں ناپنے کے لئے آئی تو اخضری فریق نے اس کی بے حیائی پر نظریں کاتار باندھ دیا تھا۔ لیکن ارزقی جماعت نے اس کی کافر ادائی پر پھول برسائے تھے۔ اخضروں کے اس مخالفانہ طرز عمل کی بیاد اس کے دل سے مرتے دم تک محونہ ہونے پائی۔ چنانچہ جب اس کے حسن گلوسوں نے جشنینین کے الفت پذیر دل پر جادو کے ڈورے ڈال کر اسے دولت مشرقیہ کی سمند پر قیصرہ کی حیثیت سے جشنینین کے پہلو میں بٹھایا تو پرانے کینے تازہ ہو گئے اور اس کی حتابندی کے لئے ہزار ہا اخضروں کا خون بھی کافی سرفی فراہم نہ کر سکا۔ فوکاس کی کامیابی میں اخضروں کی خفیہ امداد نے بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ لیکن فوکاس نے جو یگانوں کو بیگانہ بنانے کے فن میں یہ طولی رکھتا تھا اپنی مجنونانہ بد تیزی سے ذرا سی بات میں ان مخلص ہوا خواہوں کو بھی اپنا بدترین دشمن بنالیا۔ فوکاس کی اکلوتی بیٹھی امیر کبیر

72 == غلبہ سوم ==

کر پس سے بیا ہی گئی تھی۔ ایک شاہانہ جشن کے موقع پر اخضری جماعت نے دو لہا اور دہن کے مرمری مجسم تخت قیصری پر شہنشاہ کی نشست کے برابر رکھا دیے۔ فوکاس جیسے نو دو لتے کے لئے شان قیصری کی اس سے بڑھ کر توہین نہ ہو سکتی تھی۔ غصباں کہ ہو کر پوچھا یہ کس گستاخ شخص کی حرکت ہے۔ غریب اخضریوں نے جب ڈرتے ڈرتے اپنا الزام نا کر دہ گناہ سنگر اشوں کی بے احتیاطی پر تھوپنا چاہا تو فوکاس نے حکم دیا کہ ان سب کی گردن اڑادی جائے۔ یہ قہر مانی فرمان سن کر سارا دربار تھرا اٹھا۔ سب کے سب سجدے میں گر پڑے اور کہیں ہزاروں متنوں سماجوں کے بعد ظالم نے مختندے ہو کر اپنا ناشدی حکم واپس لیا۔ لیکن اس کی اس ایک حرکت نے اخضریوں کے ساتھ اس کے داماد کے دل میں بھی اس کی بدخواہی کا بس بودیا۔

آخر کر سکن نے اعیان دولت سے مشورہ کر کے ایک خفیہ وفد افریقہ کے خود مختار صوبہ دار ہرقل کی طرف اس استدعا کے ساتھ روانہ کیا کہ ایک فوج جرار لے کر آئے اور سلطنت کو ایک خونخوار ظالم کے پیچے سے چھڑا کر عنان نظم و نق خود اپنے ہاتھ میں لے۔ ہرقل کی پیروانہ سری اس دور دراز مہم کے خطروں اور صوبوں کی ستمبل ہونے سے قاصر تھی۔ اس کام کے لئے اس نے اپنے بیٹے کو تجویز کیا کہ وہ بھی ہرقل ہی کے نام سے موسم تھا۔ جواں سال ہرقل ایک زبردست بیڑا لے کر کار بھج کی بندرگاہ سے روانہ ہوا اور اس کے لئے اٹھاتے ہی کا تب تقدیر کا قلم دولت مشرقیہ کے دیوان کی آرائش کی غرض سے ایک نئے صفحے کی نگارش کے لئے وقف ہو گیا۔ اس اٹھتے ہوئے طوفان کی اڑتی سی خبر فوکاس کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ لیکن کرپس کی غداری نے اس کے نوحاستہ اندیشوں کو اس دل خوش کن منطق کا بڑھاوا دے کر زائل کر دیا کہ یہ سب افواہیں سلطنت کے بدخواہوں کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ صوبہ دار افریقہ کو جو کالے کوسوں دور ہے دولت روما کے قلب پر حملہ کرنے کا حوصلہ کیوں کر ہو سکتا ہے اور اگر اس خیالی مہم کی کوئی اصلیت بھی ہو تو قیصر کا اقبال دنیا جہاں کے سرکشوں کی سرکوبی کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ اس نیشی خوشامد نے

غلبہ ستم

73

فوکاس کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ دی تا آنکہ ہر قل کا بیڑا موفق ہوا اُس کی مساعدت سے کھلے بندوں دردناک میں داخل ہو گیا اور حکومت وقت کی تمام وہ مخالف قوتیں جو اس دن کے لئے دن گن رہی تھیں چاروں طرف سے جو ق جو ق اس کے خیر مقدم کے لئے آموجود ہوئیں۔ اب فوکاس کی آنکھیں کھلیں اور اس کا نشیعہ پندار ہرن ہوا۔ لیکن تقدیر کا گھڑیاں بارہ بجا چکا تھا اور آفتاب دولت کے زوال کو زمین کی کوئی قوت ایک لمحہ کے لئے بھی نہ تھی۔ فقط نظیریہ کی تمام آبادی اور تمام مقامی فوج عروں بخت کے نئے نوشہ کا ترانہ تہنیت گانے کے لئے سمندر کے ساحل پر کھڑی تھی اور بے یار و مدد گار فوکاس اپنے سنسان محل کے ایک در تپے میں بیٹھا ہوا حسرت بھری نگاہوں سے رقب کے بیڑے کو دیکھ رہا تھا جس کے شاندار مستولوں کو باسفورس کی فضا بوس دے رہی تھی۔ ایک گزند خورده دشمن جس کی دیرینہ خواہش انقام سالہا سال سے اس ساعت کے لئے چشم براہ تھی محل سرا میں گھس کر فوکاس کو کشاں کشاں باہر لے آیا۔ تاج قیصری کی جگہ کسی بھائی کی نوپی اسے اڑھادی گئی اور قبا خسروی کی بجائے کسی مخمرے کی محکم خیز گذزی سے اس کا جسم ڈھانپا گیا۔ پھر ہاتھوں میں ہھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ذلت و رسوائی کے اس پیکر متحرک کو ہر قل کے جہاز پر پہنچا دیا گیا۔ ہر قل نے جب خشمگین لہجہ میں اس کے ناپاک عہد حکومت کی فہرست جرام کھول کر اس کے ضمیر کو تازیانہ لگانا چاہا تو اس کی ناامیدی کا آخری حریب یہ جسارت اندوز فقرہ تھا کہ ”تو کب مجھ سے بہتر حکومت کر سکے گا۔“

فوکاس کے عبرتاک انجام نے اس حقیقت ثابتہ کو ایک مرتبہ پھر عالم آشکار کر دیا کہ مكافات عمل سے کسی انسان کو مفرنہیں۔ پایہ تخت کی غصبا ک آبادی نے رنگ رنگ کی ذلتیں اور طرح طرح کی عقوباتیں دے کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر اس سرکوت اسی منظر عام پر لٹکا دیا جہاں کبھی مارس اور اس کے معصوم بیٹوں کے سروں کی نماش ہوئی تھی اور اس کا دھڑ ایک دہکتے ہوئے الاؤ کے لپکتے ہوئے شعلوں کے حوالے کر دیا۔

غیبة سعید 74

تو ہم شب رابر کے سے بڑی اے شمع کم فرصت
 گرفتم سوختی پروانہ آتش بجانے را
 دولت مشرقیہ کا ناج اب اجماع ملت نے ہر قل کے سر پر رکھا اور ایک نازک مگر
 مبارک ساعت میں اس شہنشاہ کا طویل عہد سلطنت شروع ہوا جس کے حصے میں محمد مصطفیٰ
 ﷺ کی الہامی بشارت کے مصدقات ہونے کا فخر اذل سے آپ کا تھا۔

ایران

از نقش و نگار درو دیوار شکسته

آثار پدیده است صادید عجم را

ہندوستان اور مصر کی طرح ایران کے ایام قدیم پر ایسی گہری تاریکی کا پرداہ پڑا ہوا ہے کہ تاریخ کاروشن ہاتھ اس کا ایک سرا بھی پوری طرح الٹ نہیں سکا۔ واقعات کی جستجو میں درایت کو قدم قدم پر خوکر کھانی پڑتی ہے اور روایت بھی جو قیاسات سے حقائق نفس الامری کا کام لینے کی خونگر ہے قوت متحیله کی مدد سے ایک خاص حد تک پہنچ کر عاجز ہو جاتی ہے کہ اس سے آگے اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا۔

ایران قدیم کے متعلق ہماری معلومات کا مأخذ کچھ تو ان تین عمارتوں کے کتبے ہیں جن کے ہندو رستبرد روزگار سے فتح کر ایک منی ہوئی عظمت ایک گزرے ہوئے چبیل کا افسانہ سنانے کے لئے آج بھی موجود ہیں۔ کچھ ہر دو طس زنوفن اور دوسرے یونانی مورخین کی تصنیفات ہیں جن سے ایران کی قدامت پر خارجی روشنی پڑتی ہے۔ کچھ مجوہیوں کی مشہور مذہبی کتاب ژنداؤستا اور پہلوی زبان کی متعدد تصانیف ہیں جو ساسانیوں کے عہد دولت میں سپرد قلم ہوئیں۔ اس سلسلہ میں ممتاز ترین تصنیف ”کارنامک ارخیستر پاپکان“ (کارنامہ اردشیر بابکاں) ہے جو بانی دولت ساسانیہ کے حالات میں چھٹی صدی عیسوی کے خاتمه پر بعد یزد جزو ثالث مرتب ہوئی۔ فردوسی نے اسی ”کارنامہ“ پر اپنی معربتہ الارا کتاب شاہنامہ کی بنیاد رکھ کر دنیا کو شاعرانہ تخلیل اور مورخانہ واقعی نگاری کے ایک دل آویزا امتراج سے روشناس کرتے ہوئے سخنوران عجم

غایہ سعم = 76 =

سے نہ صرف اپنے سامنے زانوئے تلمذ تک رایا ہے بلکہ اپنی خدا یگانی پر بھی ان مشہور الفاظ میں بیعت لی ہے۔

آفریں بر روان فردوسی آں ہمایوں نژاد فرخنہ
او نہ استاد بود و ما شاگرد او خداوند بود مابنده
لیکن اس گوناگون مواد کے موجود ہونے پر بھی مستشرقین فرنگ کی ناقدانہ ترقی
نگاہی کو آج تک زردشت کا زمانہ تحقیق نہیں ہوا۔ کوئی اس پیشوائے مذہب کا سن ظہور
تک علیہ السلام سے پانسو ساٹھ سال قبل قرار دیتا ہے۔ کسی کے نزد یک یہ زمانہ ۱۰۰۰ قبل
از مسیح ہے اور کسی کی رائے میں اس سے بھی چار صدی پیشتر۔ اگر یہ آخری قیاس صحیح ہو تو
روایتی تاجدار گشائی جس نے زردشت کی دعوت پر آئیں میتویت قبول کیا آج سے
سماڑھے تین ہزار سال پہلے ایک ایسی مشرقی تہذیب کا علم بردار نظر آتا ہے جو نہ معلوم
کنے قرنوں کے ارتقاء سے اسے ترکہ میں ملی تھی۔ اس سے کم از کم اتنا تو ضرور ثابت ہوتا
ہے کہ رومتہ الکبریٰ کی آبادی سے متلوں پہلے جب اہرام مصر کی سلیں تراشی جا رہی تھیں،
جب بالمل اور نیوہ کے کاہن ثابت و سیار کی رصد بندی کر رہے تھے، جب آریہ درت کے
رشی ویدانت کے ناخن سے اسرار کائنات کی گرہ کھولنے میں مصروف تھے، ایران میں ایک
شاندار تمدن کی بنیاد قائم ہو چکی تھی۔

فردوسی نے قدیم سلاطینِ عجم کو چار سلسلوں میں تقسیم کیا ہے۔

- (۱) پیشدادی
- (۲) کیانی
- (۳) اشکانی
- (۴) ساسانی

پہلا سلسلہ کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیومرث، طہورث دیوبند، جمشید، خحاک،
افریدوں سب کے سب محض روایتی شخصیتیں ہیں جن کی مافوق الفطرت خصوصیات زمانہ

غلبہ سعیم

77

ماقبل تاریخ کے اس دور کی یاد تازہ کرتی ہیں جب انسانی معاشرت جنوں اور پریوں کی آئینہ داری کی بحث تھی۔

دوسری سلسلہ بھی جس میں فردوسی کے زور قلم نے رسم دستاں اور اسفندیار روئیں تن کی صد ہا سالہ معرکہ آرائیوں کی تفصیل سے حیات ابدی پھونک دی ہے ایک لفربی افسانہ ہے جس سے عجمی عظمت کی مجموعی روایات کا زندہ رکھنا مقصود ہے۔ ان روایات پر اگر ہر و دو طس کی تاریخی شہادت کی روشنی میں نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ۵۵۹ قبل مسیح میں ایران کا فرمانرواسارس (کرش یا کنخسرو) تھا جس سے پہلے تین اور تاجدار گزر چکے تھے۔ اسی سلسلہ میں داراءے اول نے ۲۱ قم سے ۸۵ قم تک حکومت کی۔ یہ تاجدار اسی دارا کا پیشوں ہے جس کا مقابلہ سکندر سے ہوا۔ پس تاریخی حیثیت سے کیا نیوں کی اگر کوئی اصلیت ہے تو وہ یہی فرمانروا ہیں نہ ۳۳ قم میں اسکندر را عظم کا کشور کشاہیا نہ خروج کیا نی سلطنت و جبروت کا خاتمہ کر دیتا ہے اور مقدونوی فاتح کی وفات پر وہ شاندار سلطنت جس پر بھی درش کاویانی لہرا تھا اس کے جرنیلوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کچھ مدت ایران میں یونانیوں کا سکھ چلتا ہے لیکن اپنے وقت پر انہیں بھی تخت و تاج سے تو رانیوں کے حق میں دست بردار ہونا پڑتا ہے جو ہندوستان سے لے کر شام تک ایک زبردست سلطنت قائم کر لیتے ہیں۔ فردوسی کی تقسیم کو اگر تاریخی مصطلحات کا درجہ دیا جائے تو اشکانیوں کا اطلاق یونانیوں اور تورانیوں پر ایک ساتھ ہو گا جن کا مجموعی دور حکومت ساڑھے پانچ سو سال ہوتا ہے۔ سوریین عرب نے اشکانیوں کو ملوک الطوائف کہا جس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ تورانی دور میں سلطنت ایران مرکزی حیثیت سے ایک تاجدار کے زیر نگین تھی لیکن سلطنت کے مختلف صوبوں نے خود مختاری اور شاہانہ حیثیت قائم کر لی تھی۔ ملوک الطوائف جب ایک طویل کشمکش میں رومیوں کا مقابلہ کرتے کرتے کمزور ہو جاتے ہیں تو اردشیر بابکاں بانی دولت ساسانیہ کا اقبال ۲۲ء میں انہیں منادیتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب تاریخ کی پوری روشنی ایران پر پڑنی شروع ہوتی ہے۔ نویں صدی عیسوی

غلبہ سوم = 78 =

کے خاتمہ پر اسلامی مورخ یعقوبی نے اپنے انداز بلیغ میں یہی نکتہ اس طرح بیان کیا ہے۔
 ”ملوک عجم سے بہت سی فوق العادت اور بعيد از قیاس خصوصیات منسوب کی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک بادشاہ کے کئی مند اور متعدد آنکھیں تھیں۔ ایک کا چہرہ تابے کا تھا۔ ایک کے دونوں شانوں سے دوسانپ نکل کر انسان کا مغز کھایا کرتے تھے۔ ان بادشاہوں کی عمریں بہت طویل ہوتی تھیں۔ ان کے تصرف نے موت کو بنی آدم سے ٹال دیا تھا۔ اور یہ اور اسی قسم کی دوسری روایات جنہیں عقل قبول نہیں کر سکتی ان خیالی قصور اور فرضی افسانوں کی ذیل میں شمار ہونے کے قابل ہیں جو واقعیت اور حقیقت نفس الامری سے قطعاً مغراً ہیں۔ لیکن وہ اہل عجم جو صاحب فہم و علم ہیں اور نیز ہر طبقے کے وضع و شریف رؤسا و دہقان ناقلان روایات و ارباب حکمت ان باتوں کو نہ تو مانتے ہیں نہ ان کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ ان کا ذکر کرتے ہوئے نہ جاتے ہیں بلکہ ان کی رائے میں سلطنت ایران کا تاریخی دور صرف اردشیر بابکاں کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان تمام روایتی افسانوں سے اعتنا نہیں کیا۔ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جو امور عقل و قیاس سے بون بعد رکھتے ہوں ان سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔“

اس کتاب کے موضوع سے بھی دولت ساسانیہ ہی تعلق رکھتی ہے اور اس لئے عجم کے قدیم تر عہد کا شخص ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ البتہ یہ دیکھنا ضرور ہے کہ وہ بدیع الشان سلطنت جس کی بنا اردشیر بابکاں نے ڈالی کیا یوں کے زمانہ میں اسکندر سے پہلے کس قدر و سعت رکھتی تھی اور دارا جو میدان جنگ میں شکست کھا کر اور زخموں سے چور ہو کر بھی

مجباں مراثانہ جدید زمیں

کی جلال آفریں تہذیب سے سکندر کو اپنے مرتبہ کی بلندی کی حرمتناک یاد دلاتا ہے جہاں کشائی و جہانی کی کن شاندار روایات کا حامل تھا۔ یہ عقدہ اس کتبہ نے حل کر دیا ہے جو دارائے اول نے بمقام اصطخر کندہ کرایا تھا۔

ایران کے مقویات کی جو تفصیل اس کتبہ میں درج ہے اگرچہ اس کے بعض اجزاء کی صحیح صحیح جغرافیائی تعین مشکل ہے اور زمانہ حال کی جغرافی حدود کے لحاظ سے بظاہر بعض ممالک کے جزو پر بھی کل کا اطلاق کیا گیا ہے مثلاً پنجاب اور سندھ کو کہ اس زمانہ میں غالباً یہی علاقے ایران کے باج گزار تھے ہندوستان کہا گیا ہے اور یہی قول عرب پر صادق آتا ہے جس کے اندر ورنی ریگستانوں پر کبھی اختیار و اجانب سلطنتیں ہونے پائے۔ پھر بھی اس تفصیل سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح سے چھ صدی پہلے کے ایران کی سیاسی حدود پنجاب سے لے کر یونان اور ترکستان سے چل کر مصر تک پہلی ہوئی تھیں۔ یونانی مورخین (ہرودوتس و زنوفن) کے پیانات بھی اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں اور اردشیر بابکاں کے دعویٰ سے بھی جس کی تفصیل آگئے آئے گی اس کی مزید توثیق ہوتی ہے۔

ساسانیوں نے جب طوک الطوائف کے اقتدار کا خاتمہ کر کے اپنی چهار صد سالہ حکومت کی بنیاد استوار کی تو قدیم کیا نی عظمت کا احیا ان کا نصب اعلیٰ تھا اور وہ دیرینہ حقوق کی بنیاد پر مصر و یونان کو اپنی سلطنت کی مغربی حدود میں شامل کر لینے کے مقصد رہتے تھے۔ لیکن اس درمیان میں مغرب کی ہمہ گیر طاقت رومتہ الکبریٰ پوری طرح نشوونما پا چکی تھی اور یونان قدیم کو اسی طرح پامال کر کے جس طرح اسکندر نے ایران کو اپنے قدموں تلے رومندا تھا، شمال جنوب مغرب مشرق ہر طرف بروحتی چلی جاتی تھی اور مشرق میں اس کی فاتحانہ بیش قدمی کا سیال ب دبلہ و فرات کے کناروں تک پہنچ گیا تھا۔ ایسی حالت میں ساسانیوں اور رومیوں کا تصادم ناگزیر تھا۔ مغرب و مشرق کی یہ دونوں زبردست طاقتیں جن کا اپنی اپنی جگہ روئے زمین پر جواب نہ تھا آپس میں مکر اگٹیں اور چار سو سال تک ان کا سلسہ کشاکش جاری رہا تا آنکہ عرب سے ایک نئی قوت نمودار ہوئی جوان دونوں کو فنا کر کے تمام عالم پر چھاگئی۔

اردشیر بابکاں

دولت ساسانیہ کے بانی اردشیر بابکاں کا شمار اپنے حیرت انگیز فاتحانہ کارناموں کے لحاظ سے تاریخ عالم کے ان چیزوں کی اشخاص میں ہے جو اپنی ہمت کی بلندی ارادہ کی استقامت اور مدد پر کی اصابت سے ہر قسم کی مشکلات پر غالب آ کر اپنے جانشینوں کے لئے اپنی بدیع الشال کامیابیوں کی ایک داعی یادگار چھوڑ جاتے ہیں۔ اس کی زندگی کے واقعات اس قدر دلچسپ ہیں کہ ہم ان پر یہاں ایک اجمالی نظر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اردشیر کے حسب و نسب کے متعلق جو تفصیل "تاریخ" اور "شاہنامہ" میں درج ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اسکندر مقدونی کے اقبال کی آندھی نے دارا کا چراغ دولت گل کیا تو دارا کا ایک بینا جس کا نام ساسان تھا جان بچا کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی پانچویں پشت میں ایک نوجوان نے کہ اس کا نام بھی ساسان، ہی تھا آخری اشکانی تاجدار اردوان کے زمانے میں فارس کے صوبہ دار باک کی ملازمت اختیار کر لی۔ ساسان باک کے گلوں کا چوپان تھا اور اس خوف سے کہ مبارا اکشاف حقیقت بلائے جان بن جائے اپنے شاہی نسب کا حال کسی پر ظاہرنہ کرتا تھا۔

ایک رات باک نے خواب دیکھا کہ اس کے چروائے ساسان کے سر پر آفتاب کا تاج ہے جس کی تختی سے تمام دنیا میں روشنی پھیل رہی ہے۔ دوسری رات عالم رویا میں اس کی نظر سے یہ کیفیت گزری کہ ساسان ایک سفید ہاتھی پر جوز ریفت کی جھولوں سے آراستہ ہے ہاتھ میں تنقی ہندی لئے بیٹھا ہے اور ساری کشور کی مخلوق اس کے سامنے مود بانہ جھکلی ہوئی اس کی مدح و ثناء کر رہی ہے۔ تیسرا رات اسے نظر آیا کہ آتشہائے ملک

یعنی خراد، برجیں مہر اور آذر گشاپ ساسان کے گھر میں روشن ہیں جن کے فروغ سے سارے جہاں میں اجالا ہو رہا ہے۔ متواتر تین رات یہ ہم جنس رویاد کیہ کربا بک کو یقین ہو گیا کہ یہ ضروری کوئی اشارہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے بڑے بڑے بلند یہ پایہ معبروں کو جو فن تعبیر کے ماہر تھے بلا کر کل واقد ہیان کیا۔ انہوں نے متفق البیان ہو کر جواب دیا کہ یا تو خود وہ شخص جس کے متعلق یہ خواب ہے یا اس کی اولاد میں سے کوئی شخص اس دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک ہو گا۔ اس لئے کہ آفتاب اور فیل سفید طاقت و عظمت و نصرت کی غبی علامتیں ہیں۔ آتش خراد سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں مذہبی حقائق میں دستگاہ کامل اور اپنے اقران و امثال پر تفوق حاصل ہو۔ آتش آذر گشاپ خیل و خدم جاہ و حشم سے عبارت ہے اور آتش برجیں مہر تمثیلی رنگ میں دنیا کے دہقانوں اور کسانوں کی قائم مقام ہے۔ پس یہ شخص اور اس کی آل و اولاد ایک ایسی حکومت حاصل کرے گی جس میں یہ تمام خصوصیات موجود ہوں گی۔

معبروں کو رخصت کر کے باک نے ساسان کو طلب کیا اور اس سے اس کا حسب نب دریافت کیا۔ ساسان نے جب ڈرتے ڈرتے اپنے شاہی نسب کی کیفیت بیان کی تو باک نے اسے خلعت فاخرہ سے سرافراز کر کے اپنے مقررین خاص میں داخل کر لیا اور کچھ عرصے کے بعد اپنی بیٹی اس سے بیاہ دی۔ اردشیر اسی کے لطف سے ہے اور چونکہ باک نے اسے اپنی تبنیت میں لے لیا تھا اس لئے اردشیر بابکاں کہلاتا ہے۔

گہن اردشیر کو مجھول المنسب قرار دے کر لکھتا ہے کہ اس تاریکی کے پردہ نے جو اس کی ولادت پر پڑا ہوا ہے اس کے بد خواہوں اور ہوا خواہوں کے لئے تدح و مدح کی یکساں آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ ڈھنگ کہتے ہیں کہ اردشیر باک نامی ایک موچی کی بی بی اور ایک معمولی سپاہی ساسان کے ناجائز تعلق کا نتیجہ تھا۔ دوستوں کا دعویٰ ہے کہ اس کا سلسلہ نسب ایران کے سلاطین قدیم سے ملتا ہے جن کی اولاد و کوزمانہ کی گردش نے مغلوک و تباہ حال کر دیا تھا اور اس لئے اس کی شرافت نسبی پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ موچی والی

غیبہ سعیم

82

روایت صریح ادشمنوں کا افترا و بہتان ہے۔ رہا اردشیر کے معروف الاصل ہونے کا سوال تو ”تاریخ زوال و ہبتو روما“ کے مصنف نے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی کہ جس سے اس تاریخی روایت کے تو اتر کی تضعیف یا تعطیل ہوتی ہو کہ با بک فرمائزے فارس کی بیٹی ساسان کے جبال عقد میں آئی تھی۔ کسی تائیدی شہادت کے موجودہ ہونے کی بنابر ساسان کا یہ دعویٰ کہ اس کا جدا مجدد ادارے کیا فتحاً البنت مورداً شعباً ہو سکتا ہے لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اردشیر کیا نیز اونہ تھا تو خود اس کے کارنا میے ایسے ہمیشہ بالشان ہیں کہ اسے اپنی روشنی بزم کے لئے دارا و بہمن سے چراغ مستعار لینے کی کوئی حاجت نہیں۔

اردشیر معروف النسب ہو یا مجہول الاصل لیکن یہ واقعہ متفق علیہ ہے کہ اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت اس اہتمام بلیغ کے ساتھ ہوئی جو شرقاً کے لئے مخصوص تھا۔ چنانچہ جب اس نے طفویلیت کے مدارج طے کر کے سر منزل شباب میں قدم رکھا تو اس کی شہسواری اور قادر اندازی کی ملک بھر میں دھوم پڑ گئی اور اس کے ان کمالات کی شہرت نے اسے اردوان کے دربار تک پہنچا دیا۔ رے میں جواشکانوں کی مرکزی طاقت کا صدر مقام تھا اردشیر کے قیام، شہنشاہ کے مراج میں اس کے درخور، پھر اردوان کے ساتھ اس کی ان بن اور وہاں سے اس کے فرار کی داستان کو روایت نے اپنے انداز خاص میں طرح طرح کی مبتکانہ رنگ آمیزیوں کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ ایک دن جب اثنائے شکار میں اس نے ولیعہد سلطنت کے ادعائے خدگ افغانی کو یہ کہہ کر باطل کیا کہ جو تیر نشانے پر بینجا تھا وہ خود اس کی اپنی کمان سے نکلا تھا تو ولیعہد کے لگانے بھانے سے اردوان اس کا دشمن ہو گیا۔ یہ دشمنی یہاں تک بڑھی کہ اسے قصر شاہی کی ایک حیینہ کے ساتھ جو ”شاہنامہ“ میں گلنار کے نام سے موسم ہے بشاب صبار قفار گھوڑوں پر سوار ہو کر فرار ہو جاتا ہے۔ اردوان نے ایک فوج جرار کے ساتھ اس کا چیچھا کیا لیکن جب اثنائے تعاقب میں اسے معلوم ہوا کہ ”فر کیانی“ ایک مینڈھے کی شکل میں اس کے جلو میں ہے تو وہ تعاقب کو بے سود سمجھ کر خایب و خاسروں لیس لوث آیا۔ ان تمام باتوں کی تاریخی اصلیت

کہن کے الفاظ میں صرف اس قدر ہے کہ ”اردشیر نے اردوان کی افواج میں قیمتی خدمات انجام دے کر اپنی نمایاں قابلیت کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن عام قاعدہ کے مطابق شاہی احسان فراموشی نے ان خدمات کا صد اسے جلاوطنی کی شکل میں دیا جس پر اسے مجبوراً علم بغاوت بلند کرنا پڑا۔“ (لگین جلد اول صفحہ ۱۹)

سازھے پانچ سو سال کی طویل غلامی سے اگرچہ ایرانی قومیت پر مردنی چھائی تھی لیکن موت کی راٹھ میں زندگی کی کچھ چنگاریاں ابھی تک دبی ہوئی تھیں جنہیں ہوائے انقلاب کا ایک جھونکا بھڑکتے ہوئے شعلوں کی شکل میں تبدیل کر سکتا تھا۔ اسی لئے جب اردشیر بابکا نے ایران کو اشکانیوں کی بدیکی حکومت سے آزادی دلانے کے اعلان کے ساتھ آبائی حقوق کی بناء پر تخت سلطنت کا دعویٰ کیا تو حب وطن کی تمام چھسی ہوئی تو تین یک بیک نمودار ہو گئیں۔ سارا ایران اس کے جھنڈے تلے آج ہوا اور دست تقدیر نے دولت اردوان کا کوس رحلت بجا دیا۔ تین زبردست معروکوں میں اشکانی افواج کو پے در پے شکستیں ہوئیں۔ آخری جنگ میں اردوان مارا گیا اور اشکانیوں کی شمع دولت ہمیشہ کے لئے بھگتی۔ بخ میں ایک بہت بڑا قومی اجتماع ہوا جس نے تاج سلطنت اردشیر بابکا کے سر پر رکھ کر اسے شہنشاہ ایران تسلیم کیا اور نئے شہنشاہ نے آئیں زرتشتی کی تجدید اور صولت وارانی کے احیا کے عہد کے ساتھ ایک شاندار دور حکومت کا آغاز کرتے ہوئے اس خواب کو پورا کر دکھایا جو اس کے باپ ساسان نے دیکھا تھا۔

ان تمام صوبوں کی جنہیں اشکانی اشکانی فرمانرواؤں کی مرکزی کمزوری نے باجنگواری سے خود مختاری کی حیثیت تک پہنچا دیا تھا پوری طرح مطبع و منقاو بنا کر اردشیر نے زمام حکومت برہ راست اپنے ہاتھ میں لے لی اور مطلق العنوان اقتدار کے تمام وہ حجاب جو تخت سلطنت اور رعایا کے درمیان حائل تھے اپنے دست سطوت سے اٹھا دیے۔ جو وسیع سلطنت اس طور پر اس کے قبضے میں آئی اس کی مغربی حدود دریائے دجلہ سے متوجہ تھیں۔ شمال میں دریائے ارس اور بحیرہ خرز تھا۔ مشرقی سرحد دریائے امک کا ساحل تھا اور جنوب

غلبہ سوم = 84 =

میں خلیج فارس پھیلی ہوئی تھی۔ اس وسیع الذیل مملکت میں امن و امان قائم کرنے اور اس کے اندر ونی انتظام سے فارغ ہونے کے بعد اردشیر نے ہمسایہ طاقتوں کو دھمکانا شروع کیا جنہوں نے ایران کی گزشتہ کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسے گونا گون ذلتیں پہنچائیں تھیں۔ شمال میں وحشی رو سیوں اور مشرق میں ہندوستانیوں کو شکست دے لینا آسان تھا لیکن مغربی سرحد پر رومیوں سے عہدہ برا ہونا ذرا نیز بھی کھیر تھی جن کی فاتحانہ تاخت نے ایران کے مغربی صوبوں (آرمیدیا، عراق اور کردستان) میں متعدد محکم یادگاریں قائم کر لی تھیں اور جن کی زبردست قوت کے مقابلہ کے لئے اردشیر اپنی مجموعی طاقت اور ہمت کا حتاج تھا۔

اگر ایران کی مغربی سرحد کا استحکام اور رومیوں کی فوجی دستبرد سے اس مجاز کا تحفظ ہی مقصود ہوتا تو اردشیر کی روی مہم ہر طرح سے حق بجانب تھہری لیکن اس کی جواں دولتی جو تو بر تو کافی طاقتوں کو پچاڑ کھا چکی تھی محض مدافعتی سرگرمیوں پر قانع نہ ہو سکتی تھی۔ سارا مغربی ایشیا اس کا آبائی ورثہ تھا جس پر رومی غاصبانہ طور سے قابض ہو گئے تھے۔ لکھر و کے زمانہ میں ایران کے ڈانٹے یونان سے جا طے تھے اور جوش کی سرحد تک سارا مصر بھی کیا یوں ہی کے زیر نگیں تھا۔ اس بنا پر اس کی ہمت بلند کو اصرار تھا کہ تمام کھوئی ہوئی پیشی املاک کو اپنی قوت بازو سے ازسرنو حاصل کرے۔ چنانچہ تاج شہنشاہی سر پر رکھتے ہی اس نے سلطنت ایران کو اس کی قدیم حدود تک وسعت دینے کا ارادہ کیا۔

۲۳ء میں ایک با جمل ایرانی سفارت نے قیصر روم اسکندر سیورس کے دربار میں پہنچ کر شہنشاہ ایران کے مطالبات پیش کئے۔ سفیر ایران کا لہجہ اپنے آقا کی خوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اردشیر کی ہدایت کے بھو جب اس نے رومیوں کو حکم دیا کہ کسری کے آبائی علاقوں سے فوراً رخصت ہو جائیں اور ایشیا کی سلطنت ایرانیوں کے حوالے کر کے یورپ کے مقبوضات پر قناعت کریں۔ یہ رعونت آفریں مطالبه ایک کھلے ہوئے پیغام جنگ کا حکم رکھتا تھا اور اسکندر سیورس جیسے اولو العزم تاج دار کے لئے جس کی پشت پر

روما جیسی با جبروت سلطنت کی قوت قاہرہ موجود تھی بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ تلوار کی جھنکار کا جواب تلوار ہی سے دے۔ روما اور ایران کی فوجی طاقتیں اس زبردست آویزش کے لئے بڑے ساز و سامان سے فراہم کی گئیں اور اسکندر وارڈشیر کی قیادت میں مقابلہ کے لئے بڑھیں۔

اسکندر نے اپنی فوج جرار کو تمیں بڑے لشکروں میں تقسیم کر کے ایران پر تمیں مختلف سمتوں سے حملہ کیا۔ معزکر کا اسلوب یہ تھا کہ ایک لشکر آذربایجان میں داخل ہو کر ایران کے شمالی صوبوں پر قبضہ کرے۔ دوسرا عراق کی طرف غنیم کے جنوبی و مغربی علاقوں پر حملہ آور ہو اور تیسرا لشکر جو خود قیصر کی کمان میں تھا۔ قلب میں رہ کر ان دونوں جناحی یلغاروں کو تائیدی حملوں سے تقویت دے۔ اس زیر کانہ مصافی مدیر کو ارڈشیر بابکاں کی ان تحکم مستعدی اور غیر معمولی پہ گرانہ قابلیت نے الٹ دیا۔ ایک لاکھ میں ہزار غرق آہن سواروں اخہارہ سو جنگی رہوں اور سات سو ہاتھیوں کے ساتھ جن کے ہو درج نشین جنگ آزمودہ قادر انداز تھے وہ ہر محاڑ پر مقابلہ کے لئے خود پہنچ جاتا تھا اور حریف کی ایک پیش نہ جانے دیتا تھا۔ رومیوں کا جنوبی لشکر جس نے عراق کی طرف سے پیش قدی کی تھی ایرانیوں کے نہی دل سے گھر کر فنا ہو گیا۔ البتہ اس اثناء میان خالی پا کر شمالی لشکر آذربایجان کے قلب میں تھس آیا اور اس سارے علاقے میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ لیکن ارڈشیر فرات کے کنارہ پر غنیم کا تیا پونچا کر کے بھلی کی سرعت کے ساتھ آذربایجان کی طرف چھپنا اور اس کے ایک ہی جاں گسل حملے میں رومیوں کے قدم اکھڑ گئے جنہوں نے بعد اضطراب و سراسیکنی پسپا ہو کر آرمینیا کے کوہستانوں میں پناہ لینی چاہی مگر ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے۔ ان دونوں لشکروں نے اسکندر سیورس کی ہمت پست کر دی۔ وہ اپنے دستہ فوج کے ساتھ انطا کیہ لوث گیا۔

ارڈشیر بابکاں کو اگرچہ معزکر میں رومیوں پر شاندار فتوحات حاصل ہو گئیں لیکن یہ فتوحات فیصلہ کرنے تھیں۔ اس کی فوج کا بڑا حصہ ان لڑائیوں میں کام آچکا تھا اور اب اس

غایہ ستم = 86 =

میں سکت نہ تھی کہ رومیوں کو جن کی طاقت ان معرکہ آرائیوں سے کمزور تو ہو گئی مگر نہ نے
نہ پائی تھی آگے بڑھ کر ایشیا سے نکال دے۔ خاتمہ جنگ پر ساسانی سلطنت کی حدود وہی
رہیں جو جنگ سے پہلے تھیں اور رومی گرفت عراق کے صوبہ پر بھی ڈھیل نہ ہونے پائی۔
توسعہ حدود سلطنت کے منصوبہ کی تکمیل اردشیر نے اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑی جن
کے عہد میں روما ایران کی روایتی آویزش کا تباہ کن سلسلہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ
برابر جاری رہا۔

زردشتی کیش و آسین کی تجدید کے ساتھ دولت ساسانیہ کی تدایر بقا کی ذیل میں
اردشیر نے حکم دیا کہ زردشت کے ظہور سے لے کر اس کے عہد دولت تک جس قدر زمانہ
منقصی ہوا تھا اس میں سے تین صدی کی مدت یک قلم خارج کر دی جائے۔ جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ سکندر اعظم کی وفات اور اردشیر بابکاں کی تاج پوشی کی درمیانی مدت ساڑھے پانچ
سو سال سے گھٹ کر صرف دوسو چھیساٹھ سال رہ گئی اور چونکہ ایرانی روایات کے رو سے
زردشت کا ظہور سکندر سے تقریباً تین سو سال پہلیتر ہوا تھا اس سے زردشت اور اردشیر کا
درمیانی زمانہ بجائے ساڑھے آٹھ سو سال کے پانچ سو چھیساٹھ سال رہ گیا۔ دور آسمانی
کے مقررہ اندازہ میں ساسانیوں کے اس انوکھے تصرف کی وجہ علامہ مسعودی نے کتاب
التبیہ ولاشراف میں باشفصیل بیان کی ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۲۴ء میں
جب ساسانی حکومت کی بنیاد رکھی گئی تو اس مضمون کی پیشین گوئی زبان زد خلاق تھی کہ
زردشت سے ایک ہزار سال بعد دین زردشتی فنا ہو جائے گا اور اس کے ساتھ سلطنت
ایران بھی مٹ جائے گی۔ اردشیر بابکاں نے یہ دیکھ کر کہ پیشین گوئی کی میعاد کے انقضا
میں کم و بیش ڈیڑھ سو سال باقی رہ گئے ہیں اصلی مدت میں سے تین صدیاں گھنادیں۔ اس
تذلیلی عمل سے ظاہر ہیں کہ نظر آنے لگا کہ زردشت کو گزرے پانچ سو چھیساٹھ سال ہی
منقصی ہوئے ہیں اور اردشیر نے یہ سمجھ کر دل خوش کر لیا کہ اس کے خاندان کی مدت
حیات بقدر تین صدی کے بڑھ جائے گی۔ عجیب بات یہ ہے کہ اردشیر کا یہ داؤ چل گیا اور

حکومت اس کے خاندان میں چار سو چوتیس سال رہ کر آخری ساسانی تاجدار یزد جو
ثالث پر ختم ہوئی جو بعد خلافت حضرت عثمان ع میں قتل ہوا۔

حقائق غنیبیہ کے مغربی منکر تاریخی پیشین گوئیوں کو پورا ہوتے دیکھ کر ان کی ناقابل
انکار ملہمانہ صداقتوں کی تاویل اپنے اس پیش پا افتادہ فلسفہ سے کرنے کے خواگر ہیں کہ ہر
پیشین گوئی کے اندر خواہ وہ کیسی ہی مہمل اور لغو کیوں نہ ہو اپنی تجھیل کی طبعی استعداد موجود
ہوتی ہے۔ اس لئے کہ خوش اعتقاد لوگ جن کا اس پر ایمان ہوتا ہے اپنی متفقہ مسامی سے
اس کی تصدیق کے سامان خود پیدا کر دیتے ہیں اور دشیر کا مخادعانہ التباہ بظاہر اس فلسفیانہ
استدلال کا موید معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ معاملات انسانی میں تصرفات یزدانی کے
قابل ہیں جنہیں بصارت کے ساتھ بصیرت بھی دی گئی ہے خوب جانتے ہیں کہ خاصاً
خدا کی بشارتیں از قبل مقدرات ہیں جو کسی طرح مثل نہیں سکتیں۔ کارفرمایان تھا و تدر
انسانی جدو جہد کو ان کی تجھیل کا ذریعہ ضرور قرار دیتے ہیں لیکن یہ جدو جہد اپنی نوعیت کے
لحاظ سے اضطراری ہوتی ہے اور صرف اسی حالت میں بروئے کار آتی ہے جبکہ پیشین گوئی
الہامی الاصل ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی یزدان اثناس معنی صداقت کوئی پیشین گوئی تصنیف
کر دے اور اس من گھڑت ڈھکو سلے کے سچ کر دھکانے کے لئے ایک قوم کی قوم اٹھ کھڑی
ہو۔ اگر ایسا ہوگا تو تاریخ عالم شاہد ہے کہ ایسی قوم کبھی کامیاب نہ ہوگی۔

بس پیشین گوئی کا حوالہ علامہ مسعودی نے دیا ہے اس کی تاریخی اور الہامی اصلیت
کے آگے ہمیں بے اختیار سرتسلیم جھکانا پڑتا ہے۔ اس کے تاریخی الاصل ہونے پر تو خود
اردشیر کی تحریف گواہ ہے۔ اگر ایسی کوئی عام پیشین گوئی موجود نہ ہوتی تو وہ اس کی میعاد
میں تصرف بھی کیوں کرتا۔ رہا اس کے مأخذ کا الہامی ہوتا، سو اس کا ثبوت اس کی حیرت
انگیز تجھیل میں موجود ہے۔ سوال صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ اس کی تصدیق کو اردشیر کے
تصرف کی احتیاج کیوں ہوئی۔ اس کا جواب اس آسمانی فقرہ میں موجود ہے و مکروہ و
مکر اللہ والله خیر الماکرین (انہوں نے اللہ سے داؤں کیا اور اللہ نے ان سے

غبلہ سعدم = 88 =

داوں کیا۔ (وہ یہ نہیں جانتے کہ) اللہ کے حیلے سب حیلوں سے بڑھ کر ہیں) ضرور ہے کہ اصل پیشین گوئی کا زمانہ ہزار سال کے بجائے وہی رہا ہو جس کے انقضای پر اس کی تصدیق ہوئی لیکن بسروز ماں لوگوں کی زبان پر آسمانی کے خیال سے ہزار کا الفاظ رہ گیا ہوا۔ اور ارشیر نے اس مدت میں قطع و برید کر کے نادانستہ طور پر منشاء آسمانی پورا کر دیا ہوا۔

حضور سرور گنانات کی ولادت با سعادت کی کیفیت پر قلم کرتے ہوئے اسلامی سیرت نگاروں نے جن آسمانی نشانات کے ظہور کا ذکر کیا ہے وہ بھی اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اسی پیشین گوئی کے سلسلہ دراز کے آخری حلقات ہیں۔ مشہور ہے کہ جس رات پہلوئے آمنہ سے وہ نور قدی ہو یہا ہوا جس کی عالم تاب تجلیاں عرب و عجم کی خلمتوں کو بکھیر نے والی تھیں تو نو شیروان کے محل کے چودہ کنگرے ایک زنگ لے کے آنے سے گر پڑے۔ آتشکدہ فارس جو برابر ایک ہزار سال سے روشن چلا آتا تھا ایک بیک بجھ گیا۔ ساوا کی جھیل جو رے اور ہمدان کے درمیان واقع ہے خود بخود خشک ہو گئی اور محسیوں کے دستور اعظم نے خاب میں دیکھا کہ عربی اوٹ اور عربی گھوزے دجلہ کے پار اتر اتر کر ایران کی مغربی سر زمین کو اپنے سموں اور ناپوں سے پامال کر رہے ہیں۔ نو شیروان نے ان فوق العادہ نشانات سے خوفزدہ ہو کر جب ایک کہن سال تھی راہب سے جو بادیہ شام کے کنارہ رہتا تھا ان نشانات کی تعبیر پوچھی تو اسے یہ پریشان کن جواب ملا کہ جب لکھے پڑھوں کی کثرت ہو جائے گی اور وہ شخص آجائے گا جس کے ہاتھ میں عصا ہوگا (حضرت فاروق اعظم سے مراد ہے جن کے عہد میں ایران فتح ہوا) تو وادی ساوا میں محلہ آور افواج کا ججوم ہو گا۔ دریائے ساوا سوکھ جائے گا اور مقدس آتش بہرام بجھ جائے گی۔ البتہ ان کنگروں کی تعداد کے لحاظ سے جو کسری کے محل سے گر پڑے ہیں چودہ تاجدار ایران پر حکومت کریں گے جس کے بعد اس کی حکومت کا خاتمه ہو جائے گا۔ (اسیرہ ابن ہشام۔)

ارباب سیر نے ان نشانیوں کو عالم محسوسات کے بدیہیات قرار دے کر ان

لوجوں کے لئے جو اس دنیا کے ہر حادثہ کی اصلیت کو اپنی محدود عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے خواگر ہیں شک و شبہ کا سامان پیدا کر دیا ہے اور ان کے نزدیک یہ نشانات سرعیں الاعتقاد مسلمانوں کی خوش عقیدگی سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتے یہاں تک کہ علامہ شبلی مرحوم جیسا دقيقہ سخن بزرگ بھی اپنی معرکۃ الارا تصنیف سیرت نبویؐ میں ان نکتہ چینوں کے پاس خاطر سے حسب ذیل اعتراض پر مجبور ہوا ہے۔

”ارباب سیرا پنے محدود پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات کسری کے چودہ سکندرے گر گئے۔ آتشکده سیر فارس بھج گیا۔ دریائے ساوہ خشک ہو گیا“ لیکن حق یہ ہے کہ ایوان کسری نہیں بلکہ شان عمجم شوکت روم اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جہیم شر آتشکده کفر، آذر کدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ ضم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازہ مجوہیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھوڑ گئے۔“ (سیرت نبوی جلد اول صفحہ)

جو خدا تیس سال تک روح القدس کو اپنے سب سے زیادہ برگزیدہ بندے کے پاس بھیج کر امور انسانی میں اپنی مداخلت کا بدیہی ثبوت دے چکا ہو، جس کے یقدرت نے سفر بھرت میں محمد مصطفیٰ کے شمن کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں وحشائیے ہوں، جس نے میدان بدر میں خیل ملائکہ بھیج کر مٹھی بھرنا تو اہ اور بے سر و سامان مسلمانوں کو کفار کی زبردست طاقت پر وہ غلبہ عطا کیا ہو جو رہتی دنیا تک طواغیت عالم کی رسوانی اور نامرادی کا راز فاش کرتا رہے گا، جس نے جنگ احزاب میں اپنے فرشتوں کی آندھیوں سے رسول اللہ کے اعداء کے خیمے اکھڑا دیے ہوں، جس نے ابتداء سے لے کر آخر تک قدم قدم پر اپنے نبی کی تائید کرتے ہوئے اس ناقابل انکار صداقت پر مہراستدام لگادی ہو کہ اس کائنات کی ساری قوتیں عبدالله کے میتم بیٹھی کی خدمت گزاری کے لئے وقف کر دی گئی تھیں، اس خدا کے حکم سے ظاہر ہیں کی عبرت کے لئے ایک عظیم الشان دنیاوی انقلاب کی تہمید کے طور پر قصر کسری کے کنگروں کا اگر پڑنا یا کسی قطعہ آب کا سوکھ جانا یا کسی آگ کا

غلبة سعم 90

بجھ جانا بجائے خود کوئی ایسا نہ لانا واقعہ نہیں جو عقل سے مستعد ہو۔ زلزلے دنیا میں آیا ہی کرتے ہیں۔ سر بغلک عمارتیں ان کے جھٹکے سے سرنگوں ہوا ہی کرتی ہیں۔ دریا بھی خشک ہوتے دیکھے گئے ہیں اور آسٹنکدے بھی خاموش ہوتے ہی رہے ہیں۔ لیکن اگر بتائی علماء شیلی مغفور یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ نشانات مریقات و محسوسات سے تعلق نہ رکھتے تھے تو انہیں از قبیل روایا سمجھ کر رسول اللہ صلیم کی ولادت کا پیش خیرہ قرار دینے میں کوئی تاریخی یا عقلی مشکل سُنگ را نہیں ہوتی اور اسلام کے مغربی نکتہ چینوں کا یہ اعتراض بھی انہوں نے ہے کہ ”یہ سارے آسمانی نشانات زمانے وال بعد کے مسلمانوں کی خوش اعتقادی کے کر شے ہیں۔“ (الثیری ہستہ آف پرشیا مصنفو پروفیسر براؤن)

جب خود ارشیر بابکاں کے زمانہ میں اس پیشین گوئی کا عام چرچا ہوا کہ زردشت سے ایک ہزار سال بعد دین زردشتی فنا ہو جائے گا اور ایرانیوں کی سلطنت بھی پارہ پارہ ہو جائے گی تو ظاہر ہے کہ نو شیروال کے زمانہ میں بھی جولائی ۵۳ء سے لے کر ۷۸۵ء تک بر سر اقتدار ہا اس پیشین گوئی کی شہرت ہوگی۔ پس اگر ۷۵۵ء میں جو رسول اللہ صلیم کا سن ولادت ہے نو شیروال یا آسٹنکدہ فارس کے دستور اعظم نے خواب میں ایوان شاہی کے سکنیوں کو گرتا، دریائے ساواؤ کو سوکھتے، آتش بہرام کو بجھتے اور عربی اونٹوں اور گھوڑوں کو خاک ایران پامال کرتے دیکھا ہو تو نفیات کے نکتہ بخوبی کے نزدیک اس میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس پر عقلی گرفت ہو سکتی ہو۔

با اس ہمہ ایسے تاریخی قرائیں بھی موجود ہیں جن سے اس گمان کو تقویت ہوتی ہے کہ یہ نشانات عالم رویا کی بجائے عالم محسوسات میں ظاہر ہوئے تھے۔ یہ ایک عجیب و غریب تاریخی واقعہ ہے کہ رسول اللہ کے ظہور سے کچھ مدت پہلے روئے زمین پر ایسے خوفناک زلزلے آئے شروع ہو گئے اور مدت دراز تک اس تواتر سے آتے رہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی اور کوئی مثال نہیں ملتی۔ جیشین قیصر روم نے ۵۲۲ء سے لے کر ۵۹۵ء تک کا طویل زمانہ پایا ہے۔ اس لحاظ سے نو شیروال کے معاصر ہونے کے ساتھ اس کا عبد

سلطنت رسول اللہ کی ولادت مبارک سے تیس سال پہلے شروع ہوتا ہے۔ دنیا اس طویل مدت میں بھونچال کے سخت جھکلوں سے برابر تہ و بالا ہوتی رہی۔ بڑے بڑے پہاڑ سرنگوں ہو کر پیوند آب ہوتے رہے۔ بڑے بڑے آباد شہر طرفہ العین میں بر باد ہوتے ہوئے دیکھئے گئے۔ سمندر خشک ہو گئے اور خشکی کی جگہ تری نے لے لی۔ گمیں نے ان واقعات کی تصویر اپنے معمولی مجرزانہ انداز میں اس طرح کھینچی ہے۔

”تاریخ کا یہ منصب نہیں کہ زلزلوں کے طبعی اسباب عمل پر بحث کرے لیکن وہ ان ادوار کی تفریق اور ان زمانوں کی تعیین کر سکتی ہے جن میں ان مصیبت خیز خواست کا ظہور قلت یا کثرت سے ہوا اور بتا سکتی ہے کہ جشنین میں کے عہد میں یہ لرزہ آور بخار اندام زمین پر غیر معمولی شدت کے ساتھ طاری رہا۔ اس عہد طویل کا کوئی سال ایسا نہیں جس میں زلزلے بکرات و مرات نہ آئے ہوں اور تو اتر کے ساتھ ان کے زلزالی تسلسل کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرتبہ قحطانیہ برابر چالیس دن تک ہچکوئے کھاتا رہا۔ اسی کے ساتھ ان کی وسعت کی یہ کیفیت تھی کہ تمام کردہ زمین یا کم از کم سلطنت روم تزلزل میں آگئی۔ لوگوں کو محسوس ہوتا تھا کہ ایک اہتزازی یا ارتعاشی حرکت زمین کے رگ و پے کو جھنجور رہی ہے۔ سطح زمین کے پھٹنے سے بڑے بڑے شکاف نمودار ہو جاتے تھے بڑی بڑی بھاری چنانیں ہوا میں اڑتی پھرتی تھیں۔ سمندر کبھی ساحل سے آگے بڑھ جاتا تھا اور کبھی یچھے ہٹ آتا تھا۔ کہسار لائی بیس کے پہلو سے ایک پہاڑ اکھڑ کر سمندر میں جا پڑا اور فدیقیہ کے نئے بندرگاہ بطریس کا پشتہ بن گیا۔ انتظا کیہ کے زلزلے میں اڑھائی لاکھ نفوس جن کی مقامی تعداد کو صعود سمجھ کے میلے کی تقریب نے اور بھی زیادہ بڑھا دیا تھا تباہ ہو گئے۔“ (۱) گمیں جلد چہارم صفحہ (۳۹۶)

اس مسلم تاریخی شہادت کے موجود ہوتے ہوئے کون انکار کر سکتا ہے کہ مایں میں جو قیصر روم کی مشرقی سرحد سے ملا ہوا تھا ایوان کسری کے کنگروں کا گرنا، آنکھ کہ فارس کا بھجننا اور دریائے ساوا کا سوکھنا کسی ایسے ہی زلزلہ کا قدرتی نتیجہ تھا۔ اور اسلامی سیرت

غلبہ نعم 92

نگاروں نے ان آسمانی نشانات کی تفصیل میں مبالغہ کی بجائے اصل حقیقت کو بہت گھٹا کر بیان کیا۔ ورنہ وہ بجا طور پر یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیدائش نے مجاز و حقیقت کو ایک کمرنیٰ ہی کو متزلزل نہیں کیا بلکہ قیصر کی سلطنت کی بنیادیں بھی ہلا دیں۔ **وَلَقَدْ تَرَكُهَا أَيَّةٌ فَهُلْ مِنْ مَذَّكُرٍ.**

اردشیر باہکاں اور اس کے بیٹے شاپور کے جانشینوں میں شاپور ثانی نو شیروان عادل اور خسرو پرویز بڑے جاو جلال کے فرمانرواؤگزرے ہیں جن کے طلنہ و جبروت کے آگے قیصر ان روم کے اقبال کو رہ رک سجدہ کرنا پڑا اور دوسرے ساسانی تاجداروں کے عہد میں نامساعدت روزگار سے جو زکیں ایران کو رومیوں کے مقابلے میں اٹھانی پڑیں ان سب کی تلافی ان تینوں فرمانرواؤں کے عظیم الشان فاتحانہ کارنا موں نے بعده احسن کر دی۔ قیصرہ لیرین کی گرفتاری نے رسولی کا جودا غ روم کے دامن دولت میں لگایا تھا اسے جب نصف صدی بعد قیصرہ ایولکلیشن کی فیروزمندی نے ایک طویل معز کے دوران میں ایران کی شہنشاہانہ تمناؤں کے خون سے وھوڑا لا اور آذربائیجان، آرمینیا کردستان اور عراق ایران کے قبضہ سے نکل کر روم کے حلقة گوش ہو گئے تو شاپور ثانی کی عزیمت ساسانی عظمت کی حفاظت کے لئے نمودار ہو گئی اور اس نے اپنے ہفتاد سالہ طویل عہد میں یہ تمام صوبے رتیب کی آئھیں گرفت سے چھڑا کر ساسانی رعب و قارکا سکنہ نہ صرف رومیوں بلکہ تمام ہمسایہ سلطنتوں کے دل پر بیٹھا دیا۔

نو شیروان کا چہل و ہشت سالہ دولت ساسانیہ کی فیروزمندی اور چہل کامنجهائے عروج ہے۔ وہ اگر صرف ایک بہت بڑا فاتح ہی ہوتا تو اسکندر اور دوسرے اسی پائے کے کشور کشاوؤں کی طرح تاریخ کے دربار سے شاید عظم کا لقب حاصل کر لیتا۔ لیکن دادگستری نے جو شہنشاہیت کا سب سے بڑا وصف ہے اس کا درجہ ان جہاں لیکر ان تین آزادی سے بہرا تب بڑھا کر اسے ہمیشہ کے لئے عادل کے لقب سے مشہور کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ خود حضور سرور کون و مکان نے ایک موقع پر فخریہ ارشاد فرمایا کہ آپ نو شیروان جیسے

عادل فرمزاو کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔

اردشیر بابکاں کا قول تھا کہ اقتدار حکومت کی بنیاد فوجی طاقت ہے جو صرف سرکاری محاصل کے ذریعہ سے برقرار رکھی جاسکتی ہے۔ اور سرکاری محاصل کا بوجہ بالآخر زمینداروں پر پڑتا ہے اور زمیندار کبھی خوشحال نہیں ہو سکتے جب تک کہ حکومت عادل نہ ہو اور لگان کی تشخیص میں نرمی نہ کرے۔ نوشیرواں کے عہد میں ایران کو جو فرضی و فراخی نصیب ہوئی اس کا راز صرف اس قدر ہے کہ نوشیرواں نے اپنے جد امجد کے اس کلیہ کو اپنے نظام سلطنت کا آئینہ اساسی قرار دے کر اپنی ذات کو اس کی تکمیل کے لئے وقف کر دیا تھا۔

حکام عدالت اور ارکان حکومت کے تقرر میں علومنب یا دوسرا موروثی احتیازات پر دماغی فضائل کو نوشیرواں ہمیشہ ترجیح دیتا تھا۔ سلطنت کے ذمہ دار عہدوں پر ایسے لوگ مقرر کئے جاتے تھے جن کے دل میں غریب رعایا کا درد ہو۔ جاسوس اس زمانے میں بھی تھے لیکن بے گناہ محباں بني نوع کے خلاف جھوٹی مخبریاں کرنے کی بجائے ان کا فرض یہ تھا کہ سرکاری عہدیداروں کی بد عنوانیوں کا حال تا جدار وقت کے گوش گزار کرتے رہیں اور انہیں کی پرچہ نویسی کا اثر تھا کہ عدالتوں میں ارتشا اور بے انصافی عقایق کا حکم رکھتی تھی۔ تعلیم اور زراعت کے دو شعبے ایسے تھے جن کے ساتھ نوشیرواں کو خاص شغف تھا۔ تیبیوں اور غریبوں کے بچوں کی تربیت سرکاری خرچ سے ہوتی تھی اور اس غرض سے ایران کے ہر شہر میں مدارس اور تربیت گاہیں قائم کی گئی تھیں۔ جندی سا بور کا دارالعلم جو آگے چل کر شعر لفظ اور ادب کی نکتہ آموزیوں کا ایک شہر آفاق مرکز بن گیا نوشیرداں ہی کے عہد کی یادگار ہے۔ اپنے وزیر بزر جمیر کو ہندوستان بھیج کر کلیلہ و منہ کا نسخہ منگانا اور سنسکرت سے اس کا ترجمہ پہلوی میں کرانا بھی اسی عہد کا ایک روشن کارنامہ ہے۔ دولت ساسانیہ کی ایک تاریخ بھی نوشیرواں کے حکم سے پر قدیم کی گئی جو شاہنامہ کے نام سے موسوم ہے اور فردوسی کا ماضہ ہے۔ اس کے علاوہ یونان اور ہندوستان کے مشاہیر اہل کمال کی تصانیف بھی پہلوی میں ترجمہ کرائی گئیں۔ افواہ زمینیوں کو سیراب

غلبہ سعدم 94

کرنے کے لئے آب پاشی کا ایک وسیع نظام موجود تھا۔ نادار اور تنگدست کسانوں کو حکومت کی طرف سے مویشی، چشم اور آلات کشاورزی کے ساتھ مالی امداد بھی عطا کے طور پر ملی تھی۔ غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے نو شیرواں کے زمانہ کا ایران اس کے معاصر جشنین کے زمانہ کے روم پر پوری فوکیت رکھتا تھا۔ جشنین کے متعصبا نہ تشدید سے تنگ آ کر جب سات یونانی فلاسفہ ترک وطن پر مجبور ہوئے تو انہیں مدائیں کے معارف نواز دربار کی رواداری نے اپنے قتل عاطفت میں پناہ دی اور نو شیرواں کا یہ کارنامہ حمایت آزادی خیال کی تاریخ میں آب زر سے لکھا ہوا ہے کہ جب قیصر روم کو ساسانی سطوت سے دب کر نو شیرواں کی پیش کی ہوئی شر انظ پر صلح کرنی پڑی تو صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ ان ساتوں فلاسفہ کو بہترت و احترام اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دی جائے اور ان سے متعلق کوئی تعریض نہ کیا جائے۔

جشنین کے عهد پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اپنی افریقی مہم کی ضرورتوں اور مصر و فیتوں کی وجہ سے اس نے نو شیرواں کی با جگواری کی ذلت قبول کر لی تھی اور روم و ایران کے درمیان مستقل طور پر صلح ہو گئی تھی۔ اس صلح کی بدولت اپنے مشرقی محاذ کی طرف سے مطمئن ہو کر جشنین نے اپنی پوری طاقت افریقہ صقلیہ اور اطالیہ کی تحریر پر صرف کر دی اور ملی سیریمیں کے سپہ گرانہ کمالات نے ان تمام ولایات کو جو قیصر ان روم کی گرفت سے نکل کر خود مختار ہو گئی تھیں از سر نوتا جدار قسطنطینیہ کا حلقة بگوش بنادیا۔ نو شیرواں کے رقبہ مصالح جشنین کی قوت کے اس روز افزوس نشوونما کو گوارانہ کر سکتے تھے۔ ارکان دولت کی رائے تھی کہ ایسی حالت میں جبکہ قیصر روم کا مشرقی محاذ غیر محفوظ حالت میں ہے ملی سیریمیں کی توجہ مغربی معمکنوں میں ہٹی ہوئی ہے ایک زبردست ناگہانی تاخت سے حریف کے مشرقی پہلو پر ایک کاری زخم لگا کر اس کی قوت بڑی آسانی سے توڑی جاسکتی ہے لیکن معاہدہ روم و ایران جس کی ابھی سیاہی بھی اچھی طرح کاغذ پر خشک نہ ہونے پائی تھی ایسے شوخ چشمانہ نقش عہد کا سنگ راہ تھا اور نو شیرواں فن تدبیر مملکت کے

اس مغربی اصول سے بے بہرہ تھا کہ میں الاقوائی معاهدوں کی قدر و قیمت ایک ”پرزا کاغذ“ سے زیادہ نہیں جو فریق ثانی کی بے خبری یا کمزوری کی پاداش میں پارہ پارہ کیا جاسکتا ہے۔ آخر بڑی سوچ بچار کے بعد رائے یہ قرار پائی کہ بد عہدی کے تینیں الزام سے بچنے کے لئے ایران کے عراقی باجگدار منذر ابن ماء السما تا جدار حیرہ کو در پر دہشہ دی جائے جو رویوں کے غسانی حلیف حارث کے ساتھ ابھی تک بر سر جنگ تھا۔ منذر کی چیرہ دتی نے حارث کو قیصر روم سے کمک طلب کرنے پر مجبور کیا جو آماماً دگی بہم پہنچائی گئی اور اس طور پر وہ صلح جس نے روم و ایران کی کشمکش کا خاتمه کر دیا تھا خود بخوبی کوٹھا۔

ایرانی فوجیں اس معركہ کے لئے بڑے ساز و سامان کے ساتھ عراق عرب کے میدانوں میں جمع کی گئیں اور خود نو شیر والی قیادت میں فرات کے کنارے کنارے شام کی طرف بڑھیں۔ ہیراپوس، اپامیا اور حلب جیسے دولتمند اور قلعہ بند شہروں کا محاصرہ کر کے انہیں ہتھیار ڈالنے اور بیش قرار تداون دینے پر مجبور کیا گیا۔ ادھر سے فارغ ہو کر نو شیر والے نے انطا کیہ کارخ کیا جہاں سے بحر روم کا ساحل صرف اخبارہ میل رہ جاتا ہے۔ جب اس شہر کی آبادی نے محلہ آور کی مدافعت کی تو سارا شہر حوالہ تنقیح و آتش کر دیا گیا۔ فتح شام کے بعد نو شیر والے فلسطین پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا اور اس کے بعد خود قسطنطینیہ کی تختیز کوئی ایسی بات نہ معلوم ہوتی تھی جو بعد از قیاس ہو لیکن جیسا کہ ہم کسی دوسری جگہ بیان کر چکے ہیں نو شیر والے کی فتوحات نے جیشینیں کو مجبور کر دیا کہ ملی سیر کیس کو مغربی محاذ سے واپس بلائے۔ چنانچہ اس نامور سپہ سالار کے آتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور اگرچہ حارث کی بے وقاری نے ملی سیر کیس کو میدان جنگ سے پسپا کر دیا لیکن نو شیر والے نے بھی ایسے زبردست اور کار آزمودہ سپہ سالار کو م مقابل پا کر مصلحت اسی میں دیکھی کہ اپنے پا پیغام تخت کو لوٹ جائے۔ آخر ایک مدت میدیکی گفت و شنید کے بعد جیشینیں اور نو شیر والے کے درمیان از سر نو صلح ہو گئی اور دولت ساسانیہ کی مغربی حدود وہی قرار پائیں جو جنگ سے پہلے تھیں۔ البتہ کیس کا مقبوضات ایران پر اضافہ ہو گیا جس کی تفصیل پہلے گزر بچی ہے۔

غلبہ عالم 96

نوشیر وال کے عہد کے بھل حالات بیان کر کے اب ہم اس انقلاب کی داستان پر قلم کرتے ہیں جس نے بہرام چونین کے خروج کے سلسلہ میں خرد پرویز کو تخت مدائن پر بٹھا کر روم و ایران کی اس آخری شکمش کے سامان پیدا کئے جو اسلام کے نشوونما کے لئے ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔

بہرام چوبیں کا خروج

نوشیروان کے انتقال پر اس کا بڑا بیٹا ہر مرتالث ایک وسیع سلطنت کا دارث ہوا جو فرغانہ و کامل سے یمن کی حدود تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس عظیم الشان مملکت کے ساتھ اسے اپنے زندہ جاوید باب کی جہاں گرد شہرت خوش تدبیر وزرا کی مدبرانہ قابلیت اور تحریر کار عمال سلطنت کی کار آگہی بھی میراث میں ملی تھی۔ اور اگر اس کے حصہ میں اپنے نامور پیش رو کا دل و دماغ بھی آیا ہوتا تو اس کا عہد فرمائز والی آل ساسان کی کتاب شان و عظمت میں یقیناً ایک نئے باب کا اضافہ کر دیتا۔ لیکن مطلق العنان شخصی حکومتوں کی یہ ایک عبرت اک خصوصیت ہے کہ ایک عالی دماغ اور اولو الاعزם تاجدار کی ذاتی قابلیتیں حکومت کے تمام شعبوں کو ترقی دے کر بام عروج تک پہنچادیتی ہیں۔ پھر ایک ناخلف حکمران کی باری آتی ہے۔ جس کی یعنوانیاں اور بد اعمالیاں جهانبانی و جہانداری کے اس شاندار نظام کو چشم زدن میں ملیا میٹ کر کے رکھ دیتی ہیں۔

ہر مری تخت نشینی پر ایران کا یہی حشر ہوا۔ اول اول تو اس کی روشن پسندیدہ رہی اور تین سال تک سلطنت کےنظم و ننق میں کسی قسم کی خرابی رونما نہ ہونے پائی جس کی یہ وجہ تھی کہ بزر جمیر جیسا سردو گرم زمانہ چشیدہ مد بر ہر مرتکدار الہمہام تھا اور کوئی بات اس کے مشورہ کے بغیر نہ ہونے پاتی تھی۔ لیکن جب اس داشمند مشیر سلطنت کی پیرانہ سری نے اسے خانہ نشین کر دیا تو ہر مری کی جبلی کمزوریاں اپنارنگ لائیں۔ نیک نہاد اور ستودہ صفات ہوا خواہاں دولت جو نو شیروان کی آنکھیں دیکھئے ہوئے تھے چن کر پایہ تخت سے نکال دیے گئے اور ان کی گجد او باش درند مشرب حواشی نے لے لی جن کی جھوٹی خوشامد نے

نوجوان فرمانزدہ کے دل سے صدق و راستی کے تمام اثرات زائل کر کے دربار مداریں کو ظلم و طغیان کا مرکز بنادیا اور جن کی کاسہ لیسانہ سیدھی مسٹی کی سفارش پر ہر مزکا محل ہر طرح کے فواحش کا گرداب ہو گیا۔

دربار کا بدلا ہوارنگ دیکھ کر سلطنت کے صوبوں میں عمال حکومت نے بھی اپنا چولا بدلتا۔ عدل نو شیر و انبی جس کی اقصائے عالم میں دھوم پڑی ہوئی تھی خواب و خیال ہو گیا۔ جور و استبداد کا اندما ہوا دریا ہر طرف لہریں لینے لگا اور مظلوم رعایا کے نالہ و فریاد سے تمام ملک گونج اٹھا۔ لیکن ہر مزک کے کان ان جاں خراش فریادوں سے نا آشنا تھے اگر اتفاقاً سلطنت کے کسی خیر اندیش کی خیر سگائی کو یہ حالات عرض کرنے کی جرأت بھی ہوتی تھی تو دربار شاہی سے ان ہوا خواہانہ صاف گوئی کی پاداش میں اس بے چارے کے لئے سزاۓ موت تجویز کی جاتی تھی۔ ظلم سے نگ آئی ہوئی رعایا اگر کسی شہر کے حاکم کے خلاف حرف شکایت زبان پر لاتی تھی تو فوج کے نام حکم صادر ہوتا تھا کہ ان باغیوں کی گردن اڑادی جائے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تیرہ ہزار ناکروہ گناہ مظلوموں کی گرد نیں نذر تیغہ جلا و ہو گئیں اور ان کے خون نے دجلہ کی موجودوں کو رنگیں کر دیا۔ طالموں کا ہمیشہ سے قاعدہ چلا آیا ہے کہ پہلے خود ظلم کرتے ہیں، کمزور و ناتوان انسانوں کے حقوق نہایت سردمہری سے پامال کرتے ہیں اور جب مظلوموں کی طرف سے ان حق تلفیوں کی شکایت ہوتی ہے تو تباہی مفادات کی بجائے اس شکایت کو ”بعاوت“، قرار دے کر نئے نئے خوفناک مظالم پر اتر آتے ہیں اور اپنے وحشیانہ طرز عمل کو حق بجانب قراز دینے سے اس وقت تک باز نہیں آتے کہ یا تو ستم رسید گان ملک کی انہائی یا اس ایک مہیب انقلاب کی شکل پکڑ کر ان کے جابرانہ اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمه کر دے اور یا کسی پیروںی غصیم کی مداخلت کا رستہ صاف کر کے اس کی فرعونیت کو خاک میں ملا دے۔ ہر مثالث پر یہی قول صادق آتا ہے۔ اس کے رہوار جفا کی عنان گستاخی نے جب رعایا کی طاقت بالکل ہی سلب کر دی تو نفرت و تحقارت کے وہ چیزے جو سالہا سال سے دلوں میں امل رہے تھے غیظ و غضب کی

ایک سیل جرار کی صورت میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے بہہ نکلے۔ بابل، سوسا اور کرمان کے صوبوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ حیرہ، سرکستان اور ہندوستان نے اپنا مقررہ خراج بھیجنा موقوف کر دیا۔ سلطنت کے طول و عرض میں نظام حکومت درہم و برہم ہو گیا۔ رومیوں نے اس اندر ولی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ایران کے مغربی صوبوں پر حملہ کرنے شروع کر دیے اور یہ سارا علاقہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو گیا۔ اس کے ساتھ دوستانہ مداخلت کی آز میں خاقان اتر اک چار لاکھ کا مذہبی دل لئے ہوئے مشرقی صوبوں پر چڑھ دوڑا۔ ہرمز نے جو بحوم مصائب کے اس ناگہانی نزول سے بدھواں ہو گیا تھا خرم و احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر خاقان کی امداد قبول کر لی اور حکام خراسان کے نام احکام جاری کر دیے کہ خاقان کی فوج کا داخلہ نہ روکا جائے۔ لیکن جب اس فوج جرار نے سیدھا مازندران کے کوہستان کا رخ کیا تو ہرمز کی آنکھیں کھلیں اور اسے معلوم ہوا کہ ترکوں کی نقل و حرکت رومیوں کے ساتھ فوجی اتحاد قائم کرنے کی غرض سے عمل میں لائی جا رہی ہے جس کے متعلق دونوں میں کچھ عرصہ سے خفیہ نامہ و پیام جاری تھا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ متحدہ ترکی و بازنطینی طاقت ایران کا نام و نشان صفویہ ہستی سے منادے۔

ہرمز ہی کے ناخن تدبیر پر اگر اس ناک عقدے کی کشاش موقوف ہوتی تو ایران کا کام تمام ہو چکا تھا۔ لیکن کار فرمایاں قضا و قد رکون مغلور نہ تھا کہ آل ساسان کی شمع انجمن عالم ہستی کو اپنی آخری تجلی کا بدیع الشال نظارہ دکھائے بغیر ہی گل ہو جائے۔ عین اس بے بی کی حالت میں جبکہ دنیا ہرمز کی آنکھوں میں اندر ہیر ہو رہی تھی اور مغلصی کی کسی طرف سے کوئی صورت نظر نہ آتی تھی ساسانیوں کے اقبال کا ستارہ عراق عجم کے صوبہ دار بہرام چوپیں کی تکوار بن کر چکا اور اس بطل اعظم نے جس کے صلب میں دولت سامانیہ کا یک صد و بست و پیش سالہ اسلامی جلال مستقر تھا اپنی جان فروشنہ شجاعت سے ترکی خطرے کا طرف نہ اعین میں قلع قلع کر دیا۔

بہرام کا سلسہ نسب ان اشکانی تاجداروں سے ملتا ہے جنہوں نے رے میں مرتقی

غلبہ سوم = 100 =

بڑے کروفر سے حکومت کی تھی اور اس نسبتی فضیلت نے ذاتی قابلیت کے ساتھ مل کر ساسانی دربار میں اس کی قدر و منزلت بہت کچھ بڑھا دی تھی۔ نو شیر والا کے مردم شناس عہد میں اپنی نمایاں جنگی خدمات کے سلسلے کی بدولت اس کا شمار امراء سلطنت کے زمرہ خاص میں ہونے لگا تھا اور ہر مرزا نے بھی اپنے اوائل عہد میں اس کی عزت افزائی کا کوئی دقتہ اٹھانا رکھا تھا۔ چنانچہ افواج شاہی کی کمان اور صوبہ عراق عجم کی فرمان فرمائی کے علاوہ اسے ایوان خسروی کی نظمت اعلیٰ کا منصب بھی تفویض کیا گیا تھا۔ لیکن ہر مرزا کی جابرانہ نخوت جس طرح سلطنت کے دوسرے ہوا خواہوں کی مغایرت کا باعث بن گئی تھی اسی طرح بہرام کی جان ثمارانہ آزاد مٹھی بھی اس کی لپیٹ میں آنے سے فتح نہ سکتی تھی اور اس کا نام ان اعیان دولت کی فہرست میں خارج ہو چکا تھا جن کی بخش کرنی کے لئے ہر مرزا عداوت قبلی صرف کوئی مناسب موقع تاک رہی تھی۔

بہرام کی طرف سے جب ترکی یورش کے روکنے کا اعلان ہوا تو صرف بارہ ہزار سپاہیوں نے اس کا ساتھ دینے کی حاصل بھری۔ چار لاکھ کے مقابلہ میں بارہ ہزار کی حقیقت ہی کیا ہے۔ لیکن اس نیلے آسمان کی سفید آنکھ نے یہ حیرت آفرین نظارہ بارہا دیکھا ہے کہ ایک مٹھی بھر جماعت کے لئے جس کے دل میں حریت انسانی کے جذبات صادقة جوش زن ہوں اپنے سے کئی گنی جمعیت پر غالب آنے کے غبی سامان خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہرام نے اپنے سپاہیوں کو یہ بڑھاوا دے کر کہ تائید یزدانی سے فتح کا سہرا قلت تعداد کے باوجود انہیں کے سر رہے گا سفر و شانہ عزیمت اور جان سپارانہ استقامت کا نامکن لختیر جذبہ ان کے رگ و پے میں دوزدا دیا۔ میدان جنگ کی بیت طبعی بھی اس جذبہ کی مدد و معاون ہو گئی۔ جس طرح تاریخ یوتاں کے ایک دور قدیم میں تھر ماپلی کے درہ نے اسپارنا کے تین سو جانبازوں کو ایرانی محلہ آوروں کے مذہبی دل پر غلبہ پانے کی توفیق دی تھی جس طرح درہ خبر افغانستان کی ناتوانی کو ایک تو انداز حرف کی تاخت سے زمانہ حال میں بار بار بچا چکا ہے اسی طرح درہ مازندران نے جس کا دوسرا نام پل رو دبار ہے

بہرام چوپیں سے غنیم کی ان گنت فوجوں کے تباہ کرانے میں وہ حصہ لیا جس کی کیفیت ہم حوالہ قلم کر رہے ہیں۔

ترکی فوج پل رو دبار کی تنکائے میں سے گزر کر ہی عراق عجم کے میدانوں میں داخل ہو سکتی تھی اور ایک مختصر سی قوی دل اور قوی بازو جمعیت کے لئے درہ کی چوٹیوں پر قصہ کر کے پھر دوں کی بوچھاڑ اور تیروں کی بارش سے حریف کی بڑھتی ہوئی صفوں کا صفائیا کر دینا کچھ مشکل نہ تھا بہرام نے اسی تدبیر سے کام لیا۔ ترکی فوجیں جب پیش قدمی کرتی ہوئی درہ میں داخل ہوئیں تو ایرانی سپاہ نے جو آس پاس کی بلندیوں پر چھائی ہوئی تھی غنیم پر بڑے بڑے پھر لڑھکانے اور تیر بر سانے شروع کئے۔ حملہ کے اس اسلوب کا غنیم کی شجاعت کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ درہ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ہزاروں کے جسم پھر دوں سے کلکے گئے۔ ہزاروں کے سینے تیروں سے چھلنی ہو گئے۔ اور جب اڑاک اپنے بنی سیست میدان میں آیا تو عہد قدیم کے اس شیوه مقاد کے مطابق کسردار فوج کی ہلاکت ہی ساری فوجی کی شکست کے متراوف ہے ترکوں کے پاؤں اکٹھ گئے اور اس طرح وہ بادل جو دیکھتے ہی دیکھتے سارے ایران پر چھا گیا تھا آن کی آن میں چھٹ گیا۔ اس جنگ میں بے شمار مال غنیمت جس میں علاوہ دوسرے گرانمایہ لوازم عشرت کے سونے کے چھپر کھٹ اور چوکیاں بھی تھیں بہرام کے ہاتھ آئے جس نے مژده فتح کے ہمراہ اس مال کی بڑی مقدار دربارہ این میں بھیج دی۔

ہر مرکے دل میں اگر احسان پذیری کی ایک ذرہ بھر بھی استعداد ہوتی تو وہ گرہ جو بہرام چوپیں کی زبردست شخصیت نے اس کے دل میں ڈال رکھی تھی اس شاندار فتح کے شکرانہ میں کھل گئی ہوتی۔ لیکن احسان فراموش اور کافنوں کا کپاہونے کے ساتھ وہ کینہ تو ز بھی پر لے درجے کا تھا اور جب چند ادا شناس حاشیہ نیشنوں کی لابہ گرانہ نمائی نے بہرام کی سرکشی اور رعنوت کے ثبوت میں یہ خبر تصنیف کر دی کہ مال غنیمت کا گرانمایہ ترین حصہ وہ اپنے ذاتی تصرف میں لے آیا ہے تو ہر مرکے کا پہلے سے بھی زیادہ دشمن ہو گیا۔ پھر بھی اس

غبلہ سعدم = 102 =

عداوت کے علاویہ اظہار کا یہ وقت نہ تھا۔ اس لئے کہ قیصر مارس کی فوجیں جو اپنے تواریخی
حلفیوں کے ساتھ آٹھے کے لئے کوہستان آرمیدیا کی طرف بڑھی چلی ہتی تھیں دریائے
ارس کے کنارے خیہہ زن تھیں۔ چنانچہ اس نے اپنے قلبی عناد کو مصلحت وقت کی سفارش
پر اظہار خوشودی کے پردہ میں چھپاتے ہوئے بہرام پر گویا یہ ایک بڑا خسر و انہ احسان کیا
کہ اسے آگے بڑھ کر تو رانیوں کی طرح رومنیوں کو مار بھگانے کی اجازت بخش دی۔

پل رو دوبار کی فتح عظیم نے بہرام کے حوصلے یہاں تک بڑھا دیے تھے کہ تمام پر
گرانہ حرم و احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر اس نے اپنے قاصد کو اس مذکور انہ تحدی کے
ساتھ روی سپہ سالار کی طرف روانہ کیا کہ مقابلہ کی کوئی تاریخ اپنی آسانی کے لحاظ سے
تجویز کر کے یا تو رو دارس کو خود عبور کرے اور شہنشاہ عجم کی فوج ظفر مونج کو دریا سے
گزر کر صفت آرائی کا موقع دے۔ روی کماندار کے مخفی ہوئے تجویز نے تجویز نے حریف کی
دو گونہ تجویز کی شق ثانی کو اختیار کر کے ایرانیوں کی شکست کے احتمال کو ظن غالب کے
درجہ تک پہنچا دیا۔ سپاہ ایران نے آب ارس کے پار ہو کر رجعت کا دروازہ اپنے اوپر
آپ بند کر لیا اور جب خوزریز لڑائی کے بعد روی فتح یا ب ہوئے تو تباہ حال ایرانیوں کو
ڈھونڈنے سے بھی راہ فرار نہ ملتی تھی۔ بہرام کی پس گرانہ ہنرمندی نے بصد مشکل فوج
کے ایک قلیل حصہ کو عرصہ تشقیق و سنان ہونے سے بچایا لیکن اس پر شکوہ سپاہ کی بیت
مجموعی رو دارس کی نقش آب ہو چکی تھی جس کے قدموں کی دھمک سے کل تک عراق عجم
کی زمین لرزتی تھی۔

اس شکست قاش سے افرادہ خاطر ہونے کی بجائے ہر مزدیں ہی دل میں خوش ہوا
کہ بہرام سے بدلا لینے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ بہرام اپنی بقیۃ السیف جمعیت کو فراہم کر کے
از سر نو ترتیب دینے میں مصروف تھا کہ ایک شاہی قاصد دربارہ مادیں سے ہزیمت خورده
سپہ سالار کے لئے تذلیل و تضییک کی علامات کے طور پر زنانہ لباس کا ایک جوڑا اور سوت
کاتنے کا ایک چڑھ لے کر پہنچا۔ چھٹی صدمی کا ایران اگر بیسویں صدمی کا ہندوستان ہوتا

جس نے چرخ کو چرخ نیلوفری کی گردش کا قائم مقام سمجھ کر حصول سلطنت کی نظری علامت اور تو می ترقی کا عملی ذریعہ قرار دیا ہے تو ہر مرتاث کے اس علیم کو بہرام چوہن اپنی عزت افزائی کا بہت بڑا نشان سمجھتا لیکن پھر بھی یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ بہرام چوہن کو جو عروج پہلے حاصل نہ ہوا تھا وہ چرخہ کے انتساب کی برکت سے دیکھتے دیکھتے حاصل ہو گیا۔

امرکسری کے امثال میں بہرام جب زنانہ لباس پہن کر ہاتھ میں چرخہ لئے ہوئے فوج کے سامنے آیا تو اپنے قائد اعظم کی اور اپنی رسوائی کا یہ کھلابیوت اپنے سامنے پا کر سپاہیوں کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہر طرف سے متعدد نفرے بلند ہونے لگے اور ہر مر کے عہد اطاعت سے روگرواؤ ہو کر سب نے قسمیں اٹھا اٹھا کر بہرام کی خود مختاری حیثیت کا اعلان کر دیا۔ ہاتھ آئی ہوئی دولت پر کون لات مارتا ہے۔ بہرام نے فوج کا دیا ہوا عطا یہ بآمادگی تمام قبول کر لیا اور جب ہر مر نے اس خطرناک انقلاب کی خبر سن کر ایک اور قاصد ان احکام کے ساتھ روانہ کیا کہ با غنی کو پابند نہیں کر کے پایہ تخت میں لے آئے تو بہرام کے حکم سے قاصد ہاتھی کے پاؤں تلنے کچلوادیا گیا۔ اس کے بعد واقعات کی رو اور تیز ہو گئی۔ طول و عرض مملکت میں جس قدر فوجیں تھیں سب ہر مر کی اطاعت سے منہ موز کر ایک ایک کر کے بہرام کے جھنڈے تلنے آجھ جوئیں۔ خود ہر مر اپنے محل میں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ ہر مر کا بڑا بینا خسرو پرویزان امراء سلطنت کے اتفاق رائے سے تخت پر بٹھایا گیا جو بہرام چوہن کے غاصبانہ عروج کی پاسداری کرنا نمک حرامی سمجھتے تھے۔ لیکن جب خسرو پرویزان نے اس مضمون کا فرمان بہرام کے نام روائی کیا کہ بشرط اطاعت تمام ان لوگوں کو جنہوں نے علم بغاوت بلند کیا ہے عام معافی دی جائے گی اور خود بہرام کا مرتبہ سلطنت میں شہنشاہ سے صرف دوسرے درجے پر سمجھا جائے گا تو بہرام کی بڑھتی ہوئی قوت نے اس فیاضانہ تجویز کو سرپاۓ احتقار سے ٹھکرایا اور اس کی طرف سے یہ جواب موصول ہوا کہ پرویز کو زیادہ سے زیادہ ایک ولایت کی صوبہ

داری دی جاسکتی ہے۔

نوشیروال کے پوتے کے لئے اب بہرام پر فوج کشی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا لیکن فوج کہاں سے آتی۔ ملک کی ساری جنگی قوت تو بہرام کی نبی دولت کا دم بھرنے لگی تھی۔ مجبوراً پایہ تخت کی آبادی اور قصر شاہی کے غلاموں کی ایک انمل بے جوز اور پیکارنا آشنا جمعیت فراہم کر کے اس نے حریف کا رخ کیا۔ لیکن ایک ہی حملہ میں اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہرام کے لئے اب میدان بالکل صاف تھا۔ اس کی شاہانہ امنگوں کے رستے میں اگر کوئی رکاوٹ نا دانستہ طور پر باقی رہ گئی تھی تو وہ خسرو پرویز کی ذات تھی جو تماشائے تقدیر کا ایک اوپنیفت رنگ پرده اٹھانے کے لئے مدائن سے جان سلامت لے کر فرار ہو گیا۔

خر و پرویز اور مارس

خر و جب اپنے اہل و عیال اور چند جان ثار رفیقوں کے ساتھ صرف تیس سا ہیوں کی حفاظت میں اپنے آبا و اجداد کے پایے تخت سے بھرست رخصت ہوا تو اس کے لئے فرار کے میں رستے کھلتے تھے۔ وہ یا تو قفقاز کی دشوار گزار کوہستانی وادیوں میں جا کر سر چھپا سکتا تھا یا ترکوں کی امان طلب کر سکتا تھا جو اپنی پچھلی نکست کی رسوائی کا داع غیرہرام کے خون سے دھونے کے لئے بے تاب تھے اور یا قیصر روم کے ٹھل حمایت کو اپنی یکسی کا پردہ دار بنا سکتا تھا۔ پہلی دونوں تجویزیں بہت کچھ بحث و مباحثہ کے بعد رد کر دی گئیں۔ تیسری تجویز کے اختیار کرنے میں صرف خرو و کے خود دارانہ جذبات سنگ راہ تھے۔ صدھا سال کی ساسانی و بازنطینی رقبات اسے اجازت نہ دی تھی کہ جس سلطنت کو اس کے آباء اجداد کی قوت بازو بارہا نیچا دکھا پچھی تھی اس کو اپنا طبا و ماوا بنا کر بزرگوں کے نام کو بند لگائے۔ لیکن جب مصائب کا سیلا ب آتا ہے تو اس قسم کے آبا پرستانہ جذبات خس و خاشک ہو کر اس میں بہہ جاتے ہیں۔ آخر فیصلہ کن رائے یہی قرار پائی کہ شام پہنچ کر تاج دار قسطنطینیہ سے امداد طلب کرنی چاہئے۔

یہ پریشان روز گار شاہی قافلہ رات کے وقت مدائن سے اس خاموشی کے ساتھ رخصت ہوا کہ کسی کو کافوں کا ان جبر نہ ہوئی۔ دریائے فرات کے کنارے کنارے بادیہ عراق کو منزل بمنزل قطع کرتے ہوئے آخر خرو و اور اس کے ساتھی سریشم کے روئی قلعہ سے دس میل کے فاصلہ پر خیمه زن ہوئے۔ قلعہ دار کو جب خرو و کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ پیشوائی کے لئے آیا اور پورے ادب و احترام کے ساتھ غریب الوطن تاجدار کو قلعہ میں

لے گیا۔ ریشم سے قیصر مارس کے مہمان کی حیثیت میں خسر و خدم و حشم کے ساتھ ہیرا پوس پہنچا جہاں بازنطینی حکومت کی طرف سے اس کی مدارات اور بزرگداشت میں کوئی دیقتہ اٹھانہ رکھا گیا۔

ہیرا پوس سے خسر نے اپنے قاصد کو ایک دستی خط قیصر مارس کے نام دے کر قسطنطینیہ روانہ کیا۔ اس خط میں گردش روزگار کا شکوہ کرتے ہوئے جو بال ہما کو بل میں گس رانی بخش دیتی ہے خسر نے اول تو بہرام چو میں کی محض کشی اور حق ناشای کے تذکرے سے اس کی غاصبانہ سرکشی کو شہنشاہیت کے آسمانی حق میں ایک اہم تصرف کے نام سے تعبیر کیا تھا۔ پھر یہ بتا کر کہ روم و ایران جن سے ربع مسکون کی قوت کا توازن قائم ہے بازنطینی اور ساسانی تاجداروں کے سایہ عاطفت ہی میں کائنات کی رونق و زینت کا باعث ہو سکتے ہیں مارس سے امداد کی التجا کی تھی جس سے بجائے خودرومی مفاد کے تحفظ کا پہلو نکلتا تھا۔ آخر میں یہ امید ظاہر کی گئی تھی کہ قیصر روم نویں نہ مکتب کو قسطنطینیہ پہنچ کر بالشافہ عرض معا کے ساتھ اس یقین کے اظہار کا موقع دے گا کہ بازنطینی حکومت کی طرف سے جو امداد اس نازک ساعت میں ایک مصیبت زدہ ہمسایہ کو ملے گی وہ دونوں دولتوں کے رشتہ الفت و مودت میں ایک مضبوط گردہ لگادے گی۔

خط کے جواب میں مارس نے خسر کے سفر قسطنطینیہ کی خواہش کو اس اخلاق آمیز جملہ سے ٹال دیا کہ اس کے معزز مہمان کو اتنے بڑے طویل سفر سے مفت کی صعوبتوں کا سامنا ہوگا۔ البتہ امداد دینے کے لئے پوری آمادگی ظاہر کی۔ ایک مکمل بجاہر تاج جس سے خسر کے دعاوی کی تصدیق مقصود تھی اور جواہرات اور اشرافیوں کا ایک بڑا انبار نوشیروان کے پوتے کی نذر کیا گیا۔ ایک زبردست رومی فوج شام اور اریسا کی سرحدات پر فراہم کی گئی اور فوج کے کمانڈر کو ایسا کیا گیا کہ دجلہ کے پار جا کر خسر و پر دیز کو اپنے آباو اجداد کے تخت پر بٹھائے بغیر دنم نہ لے۔

خسر و جب اس فوج کے ساتھ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے حدود میں داخل ہوا تو

غلبة ستم

107

ایران میں ایک نئی تبدیلی کے آثار نمایاں ہو چلے تھے جنہوں نے اس کی مہم کو بہت کچھ آسان کر دیا۔ اہل ایران فطرت شاہ پرست واقع ہوئے تھے۔ بادشاہ ان کے نزدیک سایہ یزدان تھا اور اس کے اقتدارات سماوی الاصل تھے جن میں شاہی خاندان کے سوا اور کوئی شخص خواہ وہ کیسا ہی عالی نژاد کیوں نہ ہو تصرف کرنے کا نہ بہا مجاز نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آل ساسان کے چشم و چہار غوکا ایک باغی صوبہ دار کی ہوں جہاں انی پر قربان کرنے کے بعد وہ پیشمان ہونے لگے تھے۔ بہرام نے جب نشری طاقت سے سرشار ہو کرتا ج ایران اپنے سر پر رکھنا چاہا تو علمائے مجوہ نے اس نہ ہی رسم کی بجا آوری سے دلیرانہ انکار کر دیا اور جب اس انکار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے تاچپوشی کی رسم بزور شمشیر انجام دے لی تو محل میں سازشوں کا جال بچھ گیا۔ شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور صوبوں میں قتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ ان فسادوں کو بہرام نے جنگی قوت سے دباتا چاہا اور بہت سے مفسدہ پر داز بڑی بیدردی سے ہلاک کر دیے گئے۔ لیکن ان جابرانہ مذاہیر نے رعایا اور امرا کی بے چینی کو اور بڑھادیا اور جب خرو و اپنے روی حلیفوں کے ساتھ ساسانی جہنڈا اڑاتا ہوا دجلہ کے کنارے پہنچا تو سارا ملک بہرام سے نوٹ کر اس سے آٹلنے کے لئے تیار تھا۔ امرائے سلطنت اور رعایا کے گروہ اپنے پھرڑے ہوئے بادشاہ کا استقبال کرنے کے لئے چاروں طرف سے آنے لگے اور خرو و کی جمعیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ بہرام نے بہت چاہا کہ کسی طرح روی فوج کے شامی اور ارمی جناح آپس میں تحد نہ ہونے پائیں لیکن وہ اس اتحاد کو روک نہ سکا۔ بہرام کی فوجی معیت چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس کے مقابلے میں تحدہ روی اور وفادار ایرانی افواج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ عراق عجم کی سرحد پر حلیفوں میں گھسان کارن پڑا اور دونوں نے دل کھول کر دادشجاعت دی لیکن تقدیر نے جس مقصد کے لئے بہرام چوہیں کو اقبال کی عارضی مند پر بھایا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ خرو و اپنے حلیفوں کی تائید سے غالب آیا اور بہرام کو شکست کھا کر میدان جنگ سے ترکستان کی طرف فرار ہونا پڑا۔ اس خانہ بدوثی کے عالم میں ایک دن اس کا

غلبہ ستم = 108 =

گزر ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں ہوا اور دونوں میں جو باتیں ہوئیں ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عوام کے نزدیک شاہی نسل کے سوا کسی دوسرے شخص کا مدعا حکومت ہونا گناہ کبیرہ سے کم نہ تھا۔ اس مکالمہ کا مستقصا جس سے ایران قدیم کے شاہ پر ستانہ مذہبی جذبہ پر روشنی پڑتی ہے اس مقام پر خالی ازلطف نہ ہوگا۔

”مردان سینا اور یزدان گشائی پر دو جان شارفیوں کے ساتھ بہرام میدان جنگ سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اور جب تک تعاقب کا خطہ فرنگ ہافرنسنگ پیچھے نہ رہ گیا رستے میں کہیں نہ رکا۔ ایک دن را کب و مرکب تھک کر چور چور ہو رہے تھے کہ ایک گاؤں نظر آیا جس میں ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں داخل ہو کر تو شدان سے ناشتہ نکلا۔ ناشتے لئے یہیں اتر پڑے اور بڑھیا کی جھونپڑی کی پیالہ نہ تھا۔ بڑھیا سے جب پیالہ سے فارغ ہو چکے تو شراب کی باری آئی۔ لیکن پاس کوئی پیالہ نہ تھا۔ بڑھیا سے جب پیالہ مانگا تو وہ کدو لے آئی۔ بہرام نے اسی کا پیالہ بنا لیا جو اس کی تقدیر ہو کر دریک گردش میں آتا رہا۔ تو شدان میں کچھ میوه بھی تھا۔ شراب کے بعد جب تفضل کا وقت آیا تو بڑھیا سے میوه رکھنے کے لئے کوئی طشتہ ری مانگی گئی۔ پیالہ کی بجائے وہ کدو لائی تھی۔ طشتہ ری کی جگہ چھاج لیتی آئی اور بہرام کو جس کے دستر خوان پر کل تک سونے چاندی کے باس پنے ہوئے نظر آتے تھے آج تنکہ کے لئے اسی انوکھے ظرف پر قیامت کرنی پڑی۔ بچا ہوا کھانا اور میوه و شراب بڑھیا کو دے کر بہرام نے پوچھا کہ بڑی بی کہو کیا خبریں ہیں؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ آج گھر گھر یہی چرچا ہو رہا ہے کہ کسری نے روی فوجوں کی مدد سے بہرام کو ٹکست دے کر اپنا کھویا ہوا ملک اس سے واپس لے لیا ہے۔ بہرام نے کہا کہ یہ تو ہم نے بھی سا ہے۔ لیکن اس بہرام کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔ بڑھیا چھوٹے ہی بولی کہ اس سے بڑھ کر احمد اور کون ہو سکتا ہے کہ شاہی خاندان میں سے نہیں۔ لیکن سلطنت کا دعویٰ کرتا ہے۔ بہرام یہ سن کر ہنسا اور کہنے لگا کہ چ کہتی ہو۔ اگر احمد نہ ہوتا تو کدو میں ڈال کر شراب نہ پیتا اور چھاج میں رکھ کر میوه نہ کھاتا۔“ (ادنیا وریں)

خرو و پروریز اب اپنے آباد اجداد کی پرشکوہ مند پر بھد کرو فرمتھکن ہوا۔ شیرازہ سلطنت نے بہرام چوبیں کے خروج نے کچھ عرصہ کے لئے بکھر دیا تھا اس کے حسن تدبیر سے ازسر نو بندھ گیا اور ساسانی قوت تھوڑے ہی عرصہ میں بحال ہو گئی۔ مارس نے جو احسان خرو و پر کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ آسانی سے بھلا کیا جاسکے۔ خرو و مارس کو از راہ عنایت و احترام باپ کہہ کر پکارتا تھا اور اس تعظیمی جذبہ میں مارس کی اس احسان فروشی سے بھی کوئی کمی نہ آنے پائی تھی کہ فوجی امداد کے معاوضہ میں اس نے خرو سے مرطرو پلوں اور دارا کے ٹینیں سرحدی قلعوں کے علاوہ ولایت آرمیدیا بھی حاصل کر لی تھی جس کے اضافہ سے دولت مشرقیہ کی حدود رو دارس اور ساحل بحیرہ خزر تک وسیع ہو گئی تھیں۔ مارس کے مرتبے دم تک روم و ایران کے یہ مخلصانہ تعلقات مضبوطی سے قائم رہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان ہمسایہ سلطنتوں کا رشتہ اب مدت ہائے مدیہ تک ٹوٹنے نہ پائے گا لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

خسر و پرویز کا عروج

و املی لہم ان کیدی متین

جن اہم واقعات پر ہم اب قلم اٹھاتے ہیں ان کی ترتیب اسی صورت میں اچھی طرح ذہن نشین ہو سکتی ہے کہ خسر و پرویز کے بست و ہشت سالہ عہد حکومت کو ذیل کے چار ادوار میں تقسیم کر دیا جائے۔

(۱) دور اول (۵۹ء لغایت ۲۰۳ء) جو بہرام چوئیں کی شکست اور خسر و پرویز کے اقتدار کی بھائی سے شروع ہو کر مارس کے قتل اور فو کاس کی تخت نشینی پر منشی ہوتا ہے۔ اس بارہ سال کی مدت میں ایران کی اندر ورنی قوت مارس اور خسر و پرویز کے مخلصانہ تعلقات کی بدولت منہبائے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔

(۲) دور ثانی (۲۰۲ء لغایت ۲۱۶ء) خسر و مارس کے قتل کا انتقام لینے کے لئے اعلان جنگ کرتا ہے اور چند شان دار معروکوں کے دوران میں دولت مشرقی کو زیر وزبر کر دیتا ہے اور اگرچہ اس عرصہ میں فو کاس ہرقل کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچ جاتا ہے جس سے خسر و کوکوئی وجہ پر خاش نہیں لیکن باوجود ہرقل کی منت و سماجت کے جنگ ختم نہیں ہونے پاتی تا آنکہ ۲۱۶ء میں جو سورہ روم کا زمانہ تذیل ہے ساسانی فوجیں ایک طرف تو نیل کو عبور کرتی ہوئی طرابلس پر قابض ہو جاتی ہیں اور دوسری طرف باسفورس کے کنارے ڈیرے ڈال کر خود قسطنطینیہ کا دروازہ جا ٹھکھاتی ہیں۔

(۳) دور ثالث (۲۱۶ء لغایت ۲۲۲ء) ممالک مفتوحہ پر خسر و کی شہنشاہانہ گرفت اور ہرقل کی انتہائی رسوائی کے لحاظ سے جس نے غلامانہ با جگواری کی ذیل ترین شکل

اختیار کی۔ یہ چھ سال کا دور گویا دور ٹانی ہی کا تھا ہے۔

(۳) دور رابع ۲۲۳ء (غایت ۲۲۸ء) و فتح خداۓ بزرگ و برتر کی قدرت کاملہ ظاہر ہوتی ہے جو بات انہوں نظر آتی تھی ہو کر رہتی ہے۔ نو ایں فطرت تک بدلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دولت مشرقیہ کے شہر حیات میں جو شہر کروہ گیا تھا بزر کو پلیں نکل آتی ہیں۔ قرآن کریم کے اصل وعدے کے مطابق ۲۲۳ء میں ہر قل ناتوان اور بے سرو سامان ہونے کے باوجود خسرو کو شکست دیتا ہے اور ان شکستوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے تا آنکہ وہ ناقابل عفو گستاخ جو خسرو نے اسلام سے کی تھی اس کی حیات مستعار کا رشتہ در دن اک عذاب کے ساتھ منقطع کر دیتی ہے۔

دور اول کو جس کی تفصیل ہمارے مقاصد سے خارج ہے قلم انداز کر کے ہم اس فصل میں دوسرا کے دور کے وقائع پر نظر ڈالتے ہیں۔

مدائن قسطنطینیہ کے باہمی تعلقات اس قدیم رسم کی بجا آوری کے مقتضی تھے کہ ہر زیادا تاجر اپنی تخت نشینی کی اطلاع ایک سفارت کے ذریعہ سے ہمسایہ سلطنت کو دیا کرے۔ فوکاس نے اپنی تخت نشینی پر سفارت کا منصب لیاں کو تفویض کیا جس نے مارس اور اس کے بیٹوں کے کئے ہوئے سرفوکاس کے قدموں پر ڈال کرنے قیصر کے دربار میں خاص رسون خاصل کر لیا تھا۔ لیاں نے مدائن پہنچ کر جب اپنے آقا کا پڑیہ سلام کبکلاہ عجم کو پیش کیا اور اس خونپکاں انقلاب کی کیفیت بیان کرنی شروع کی جو قسطنطینیہ میں واقع ہوا تھا تو خسرو نے برہم ہو کر منہ پھیر لیا۔ مارس کے احسانات کی یاد اس کے دل میں تازہ ہو گئی۔ محسن کی سر بریدہ لاش کا مطالبہ اعتقام اس کے کانوں میں گو بخنے لگا۔ فوکاس کے حق مند نشینی کے جواز سے انکار کرتے ہوئے اس نے سر دربار اعلان کر دیا کہ اس قسی القلب غاصب سے اپنے منہ بولے باپ کا بدلا لے کر رہے گا۔ لیاں اپنی قاتلانہ خدمات کی پاداش میں قید کر دیا گیا اور معاهدہ روم و ایران کے پرزاے ہوا میں ازا کر طبل جنگ بجادا یا گیا۔

غلبہ سعیم 112

ہوں جلب منفعت اور خواہش توسع سلطنت کے دو گونہ مطالبات بھی اس موقع پر ان مشتملہ جذبات کے مدد معاون ہو گئے۔ جن کے قاہرانہ مظاہرے پر مردت اور انسانیت کو اصرار تھا۔ اعیان دولت اور پیشوایان نمہب کی ادائش اس بے باکی نے جوابہ گرانہ ستائش کی بہترین قائم مقام ہے خسرہ پرویز کو رومیوں جیسی نابکار قوم کے ساتھ دوستاد مراسم قائم رکھنے پر طامت کرتے ہوئے مطالبه کیا کہ ان شاہ کش موزیوں کے وجود سے صفحہ ہستی کو پاک کر دیا جائے اور خسرہ نے اس خوش آئند سرزنش کے آگے بڑی خوشی سے سرتسلیم خم کر دیا۔

مارس کے زمانہ میں مشرقی افواج کی کمان ایک عجمی امیر نارسویہ کے ہاتھ میں تھی جو بازنطینی سرکار کی سلک ملازمت میں مسلک ہو کر اپنی وفادارانہ خدمات اور نمایاں قابلیت کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوا تھا۔ بہرام چوبیں کے مقابلہ پر خسرہ پرویز کے ہمراہ مارس نے جوفوج بھیجی تھی اس کا سر لشکر بھی نارسویہ تھا۔ اس وقت بھی پہ سالاری مشرق اسی نامور امیر سے متعلق تھی۔ خسرہ کی طرف سے جب جنگ کا اعلان ہوا تو فوکاس نے اس خیال سے کہ کہیں نارسویہ کی وفاداری کا آگبینہ قوی پاسداری کے پھر کی بھیس لگنے سے ثوٹ نہ جائے اس کی بر طرفی کے احکام جاری کر دیے اپنی مدت العر کی جان فروشنہ خدمات کا یہ انوکھا حاصلہ پا کر نارسویہ کے پائے وفا میں سچ سچ لغزش آگئی۔ ہر یا پوس پہنچ کر اس نے علم تمرد بلند کر دیا اور فوکاس کو گھر کے اس بھیدی کی خطرناک شورش سے لینے کے دینے پڑ گئے۔ آخر اس کے عیارانہ مصلحت آمیز فرمان کے اجر سے جونواز شہائے گوتا گوں کی جھوٹی تسلیوں پر مشتمل تھا نارسویہ کی بغاوت کو اطاعت میں تبدیل کر دیا۔ کچھ دن بعد نارسویہ کی سادہ لوچی قضاۓ مبرم بن کر فوکاس کے ایک جدید طائفت آئین فرمان کے امثال میں اسے قطبیہ لے گئی جہاں شارع عام پر وہ ایک دہکتے ہوئے الاؤ میں زندہ جلا دیا گیا۔

نارسویہ کی موت نے خسرہ کی پیش قدمی کا رستہ صاف کر دیا۔ اسی فوج نے جو

نارسویہ کی قیادت میں بارہا فاتحانہ شجاعت کے جو ہر دکھا چکی تھی اب اپنے کار آزمودہ پس سالار کی راہ نمائی سے محروم ہو کر دو مرتبہ اس بری طرح نکست کھائی کے جو دستے ایرانی شہسواروں کی جھپٹ میں آنے سے نج رہے تھے ان کے اکثر حصے ایرانی فوج کے ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلے یا ایرانی قادر اندازوں کے تیروں سے چھمد گئے اور ہزارہا اسی ران جنگ کی گردن میدان کا رزارہی میں خرسو کے حکم سے اس خط پر اڑادی گئی کہ یہ سب کے سب مارس کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔

فوکاس کا عہد مشوم پے در پے شکستوں تو بر تو ذلتون کا ایک نامتناہی سلسلہ ہے جس کا ہر حلقة خرسو پرویز کی تنقیجہاں کشا کی بے تایوں کا گواہ ہے۔ مردین، دارا، امید (دیار بکر) اور اولیا (عرفا) کے محسن سرحدی شہروں کو یکے بعد دیگرے مسخر کر کے خرسو نے ان کی قلعہ بندیاں زمین کے بر ابر کر دی۔ اس تمام علاقہ کو تختیر کے بعد فرات کے پار اتر کر اس نے شام کا رخ کیا۔ ہیراپوس، چالس اور حلب پر قابض ہو جانا اس کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے لئے صرف چند دن کی بات تھی۔ ادھر سے فارغ ہو کر وہ انطا کیہ کے محاصرہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس دولت مند مسخدم شہر کو بھی آخر اپنا پر غور سر اس کے قدموں پر رکھ کر امان طلب کرنی پڑی۔

فوکاس اس وقت قتل ہو چکا تھا اور دولت مشرقیہ کی کانٹوں بھری تیج پہلوے ہرقل کے ترکہ میں آئی تھی۔ قسطنطین کی مند پر بیٹھنے کے بعد ہرقل کو میدان جنگ سے جو پہلی اطلاع موصول ہوئی وہ سقوط انطا کیہ کی وجہت اثر بخرا تھی اور اس قسم کی منحوس خبروں کا سلسلہ ابھی کامل بارہ برس تک جاری رہنے والا تھا۔ قیصر یہ کا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے عراق اور شام کے دوسرے شہروں کا ہوا تھا۔ قلعہ بند مقامات جب ایک ایک کر کے سر ہو گئے تو اندر وون ملک کی بے پناہ آبادیاں خود بخود سرمنی کی حلقة بگوش ہو گئیں۔ کچھ دن غوطہ دمشق کی دلفریب ترہنگاہ میں ستا کر خرسو فدیقیہ کے ساحلی شہر کو حوالہ تنقیج و آتش کرتا ہوا بیت المقدس کی طرف بڑھا جس کی آزادی نے تختیر کا ترکہ نوشیر وال اپنے جانشیوں

کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ مجوہیت کے متعصبانہ بعض کو بھی میسیحیت کی اس مقدس یادگار کے مٹانے پر اصرار تھا۔ مجوہیوں کے علاوہ یہودوں کی اذلی شفاقت بھی اس برگزیدہ انسان کی یاد سے انقام لینے کے لئے بے تاب تھی جس کی تزییل و تعذیب کے انہوں نے اس کی زندگی ہی میں بھی جتن کئے تھے۔ چنانچہ مدن مسیح کے انہدام کی ناپاک خدمت انعام دینے کے لئے باشہ ہزار یہودی رضا کارانہ حیثیت سے خسر و کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ باور یہ شینان عرب بھی جن کے لئے مال غنیمت خوان حیات کا حکم رکھتا ہے قتل و غارت کی توقعات کی بوپا کر ہزاروں کی تعداد میں تاجدار ایران کے جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ اس خاشح کے ساتھ تسلیم عجم کی یہ موج گوناگون فلسطین کی سیاسی و مذہبی عظمت کو بہالے جانے کے لئے آگے بڑھی۔

فلسطین کی قیصری افواج کا دریائے یروdon پر خرسو سے مقابلہ ہوا۔ لیکن چڑھی ہوئی ندی کو چند تنکے کس طرح روک سکتے ہیں۔ سیل ایران کا ایک ہی ریلا رو میوں کو خس و خاشک کی طرح بھا لے گیا۔ اس تمہیدی فتح نے بیت المقدس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ ایک زبردست حملہ کے بعد خسر و کی فوجیں پایہ تخت فلسطین میں داخل ہو گئیں۔ اور داخلہ کی رسم ان تمام وحشیانہ ظلم آرائیوں کی نمائش سے منائی گئی جس کا اہتمام خرسو کی فاتحانہ نخوت، مجوہیت کے قلبی عناد، یہودیوں کی پوشتشی عداوت اور اعراب باوریہ کے غارگزارہ قتل و نہب کی متفقہ طاقتوں نے پہلے سے کر رکھا تھا۔ مرقد مسیح، کلیساۓ ملکہ بلینا، کلیساۓ قسططین اعظم میں آگ لگادی گئی۔ سیمی زائرین کی سہ صد سالہ عقیدت نے زرو جواہر کے جو گرانیا یہ چڑھاوے اے ان مقدس معابد و صوامع میں چڑھائے تھے چند گھنٹوں میں لوٹ لئے گئے۔ وہ صلیب جس پر ازروئے روایت جناب مسیح کے جسد اطہر کو مصلوب کرنے کی کوشش کی گئی تھی انہوں کو مرداں بھیج دی گئی۔ باشندگان شہر کے قتل عام کا حکم دیا گیا جن کے خون سے بیت المقدس کے گلی کوچوں میں سیلا ب آگیا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس موقع پر نوے ہزار سے کم عیسائی ترقی نہ ہوئے ہوں گے۔ کئی ہزار عیسائیوں نے جو

طعنه تبغ، ننان ہونے سے فج رہے تھے بھاگ کر اسکندریہ میں پناہ لی جہاں صدر اسقف یوحننا کی خیرات و مبرات ان گرفتاران بلا کے لئے چند روزہ وجہ کفاف بنی رہی۔ لیکن وہی بھلی جو بیت المقدس پر گری تھی اسکندریہ کو بھی تاک رہی تھی۔ فلسطین کی خاک ازا کر خسر و پرویز ارض فراعنة میں داخل ہوا اور اہرام مصر سے لے کر جبش کی سرحد تک تمام وادی عینیل کو کبہ عجم سے رومندی گئی۔ مفس سے (جہاں اب قاہرہ واقع ہے) خسر و اسکندریہ کی طرف بڑھا۔ ممکن تھا کہ دولت مشرقیہ کا جنگی یہاں اسمندر کی طرف سے مراجم ہو کر اس پر رونق شہر کو مجھی فاتح کی دستبرد سے بچانے کی کوشش کرتا لیکن خسر کے فاتحانہ کارنا میوں کی ایسی دھاک بندھی ہوئی تھی کہ رومیوں کو مدافعت کا خیال تک نہ پیدا ہوا۔ اسقف یوحننا اور حاکم اسکندریہ بدحواسی کے عالم میں جہاز پر سوار ہو کر جزیرہ قبرص کی طرف فرار ہو گئے اور بازنطینی اقتدار کے اس مصری مرکز کو جو باعتبار آبادی و تمول قسطنطینیہ سے صرف دوسرے درجے پر تھا ایرانی فوجوں کی لشکر کے لئے چھوڑتے گئے۔ فتح مصر سے فارغ ہو کر خسر و کی جہاں کشا عزیزیت نے مغربی افریقہ کا رخ کیا۔ برقة کی رومنی نوآبادیاں جلا کر خاک سیاہ کر دی گئیں۔ بازنطینی اقتدار کے تمام آثار ملیا میٹ کر دیے گئے اور طرابلس الغرب کے حوالی دفعش کا ویاپی کے سایہ میں آگئے۔ آخر طرابلس سے جو ساسانیوں کی فاتحانہ پیشکشی کا منتها ہے خسر و نے اپنے پایہ تخت کی طرف مراجعت کی۔ فلسطین و مصر کی مهم پرواہ ہوتے وقت خسر و نے ایک کار آزمودہ کماندار کی قیادت میں ایک فوج جرار ایشیائے کوچک کے شمالی علاقوں کی تحریر کے لئے روانہ کی تھی۔ اس فوج کے پھریوں کو بھی علم پرویزی کی طرح فتح و نصرت بوسہ دیتی رہی۔ فرات کے کنارے سے اس کی فاتحانہ تاخت باسفورس کے کنارے تک پہنچ گئی۔ چالیس دن ایک طویل محاصرہ کے بعد سر ہو گیا اور ایرانی فوج نے قسطنطینیہ کے سامنے پڑا داں دیا جس کی موجودگی بازنطینی پایہ تخت کو دس سال تک انتیاد و انهدام کی دھمکی دیتی رہی۔ بحیرہ مارمورا کا تمام ساحل اسی فوج کی شبانہ روز سرگرمیوں سے ایرانیوں کے جیٹے اقتدار میں آگیا۔ اندر ہوں

ملک میں انگورہ پر عجمی حکومت قائم ہو گئی۔ مغربی ایشیا کے ساحلی علاقوں پر چھا جانے کے ساتھ ہزاریہ روڈس پر بھی خرسوں کے فوجی عمال مسلط ہو گئے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر بڑی طاقت کے ساتھ خرسوں کے پاس بھری طاقت بھی اسی نسبت سے ہوتی تو یورپ بھی اس کی حلقة گوشی سے بچ سکتا۔

ایران قدیم کی عظمت کا جو آفتاب اردشیر بابکان کی تخت نشینی پر طلوع ہوا تھا وہ اس بعد معاونی درخشنانی نقطہ نصف النہار پر چلتا ہوا نظر آیا۔ بابک نے سوا چار سو سال ہوئے جو خواب دیکھا تھا وہ حرف پورا ہو گیا۔ ساسانیوں کی سلطنت خراسان سے لے کر طرابلس اور دوبہ سے لے کر باسفورس تک پھیل گئی اور مادین کا دربار نقارہ انا لا غیری بجا تا ہوا سنا گیا۔

مصر، فلسطین، شام اور ایشیائے کوچک میں جہاں اقتدار حکومت نے آتش پرستانہ بثوت کا پلہ میسیحیت کے مقابلہ میں گراں کر دیا تھا اب ہر جگہ آگ بختے دیکھ کر اٹپنی عقیدہ رکھنے والے عیسائیوں کے جگہ پر چھریاں چل گئیں۔ نسطوری فرقہ کے خارج از لکیسا میسیحیوں اور ستم رسیدہ یہودیوں نے جن کی منتفہ بد دلی دولت مشرقیہ کی متواتر ہزیجھوں کا بہت بڑا عنصر ثابت ہوئی تھی خرسوں پر وزیر کی سرکار سے مورد الاطاف فراواں ہو کر اپنی عجم دوستی سے کھلیسا یوسوی کے اساقف و بطارقہ کی دینی غیرت کو ایک اور جگہ کا لگایا۔ خرسوں خوب جانتا تھا کہ کیتوںک میسیحیوں کا یہ بعض و عناد موقع پا کر ایک فتنہ عظیم کی شکل پکڑ سکتا ہے۔ اسی لئے مفتودہ ممالک میں اس کی حکومت کا اندازخت جابرانہ تھا۔ اور اپنی نئی رعایا کی قوت کو توڑنے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ متول اور خوش حال افراد رعایا سے بڑے بڑے تاوان اور تکلین جرمانے وصول کر کے اور مشرقی گرجاؤں کو توڑ پھوز کر اور ان کی تمام دولت لوٹ کر اس نے اپنی دانست میں میسیحیت کی طاقت کو گویا ہمیشہ کے لئے سلب کر دیا۔ اپنے مقبوضات جدیدہ میں اسے جس قدر سونا چاندی جواہرات سنگ مرمر کے ستون فون لطیفہ کے بوقلمون نواور ہاتھ آئے سب کے سب اپنے پاریہ تخت

مدائن اگرچہ سلطنت کا پایہ تخت تھا لیکن خسر و نے اپنی سکونت کے لئے پایہ تخت
 سے سانحہ میں بجانب شمال ایک عالیشان محل تعمیر کیا تھا جو قصر دستاگرد کے نام سے مشہور
 ہے۔ شاہی پایگاہ ہونے کے باعث دستاگرد اور اس کے مضائقات و حوالی نے بڑھتے
 بڑھتے ایک عظیم الشان شہر کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ دنیا نے تمدن کے نفاس و غراب کا
 خلاصہ ہونے کی حیثیت سے دستاگرد کے عجائبات کی جو دل فریب تفصیل ہم تک پہنچی
 ہے اسے دیکھ کر جنت الفردوس کی تصویر کا دھوکا ہوتا ہے۔ اطراف قصر میں دور تک
 لہلہتے ہوئے مرغزار چلے گئے تھے جن میں چکور، مور، شتر مرغ اور ہرن چرتے چلتے
 نظر آتے تھے۔ نوس سانحہ فیلان کوہ پیکر میں ہزار اشتران سبک گام اور چھ ہزار اسپان
 صبار فوار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب خسر پرویز کی سواری نکلتی ہوگی یادہ کسی مہم پر
 جاتا ہوگا تو اس کے خدم و خشم اور طلنڈ و تجل کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔ قصر شاہی کے دروازہ پر
 دن رات چھ ہزار زریں کمر سر بازوں کا پہرہ رہتا تھا اور قصر کے اندر جس کے زمین دوز
 جھرے نقرہ و زر عمل و گوہر دیقی و دیبا اور مشک و غبر کے ذخائر سے پئے پڑے تھے مختلف
 خدمات کی بجا آوری کے لئے بارہ ہزار غلام اور کنیزیں مامور تھیں۔ قصر کی آسمان بوس
 چھت جس میں ایک ہزار طلائی کرے بروج آسمانی کی حرکت اور سیاروں کی گردش مہند
 سانہ کا سماں دکھانے کے لئے آؤیزاں تھے چالیس ہزار روپیلے ستونوں کے شہارے
 کھڑی تھی۔ اس دربارِ عشرت کدہ کی بھار شیریں کی کافر ماجرا می سے دو بالا ہوئی جاتی
 تھی۔ اگرچہ اس کے انداز تغافل کی علوفی کے لئے تاجدارِ عجم نے تمیں ہزار اچھوٹی
 نازنیوں کو بھی جمع کر کھا تھا جنہیں ایشیا کے دفترِ حسن کا انتخاب کہنا چاہئے۔ شاید اسی
 حقیقت کا انکشاف ہمارے شاعر کی فلسفیانہ نکتہ سنجی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

در عشق و ہونا کی دانی کہ تفاوت چیست

آں تیسٹہ فرہادے ایں جیلہ پرویزے

دہری بشارت

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ الْأَمْبِشَرًا وَنَذِيرًا

ساتویں صدی عیسوی کا سولہواں سال ان ہولناک مصائب کے لحاظ سے جو نوزائدہ اسلام کے سر پر تابر توڑ ٹوٹ رہی تھیں پرستاران دین حنفی کی گوناگوں آزمائشوں کی تاریخ میں ایک امتیاز خاص رکھتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ بار امانت جو کبھی زمین و آسمان سے بھی نہ اٹھ سکا تھا اور جس سے نسل آدم کے کفران نعمت نے سکدوٹی اختیار کر لی تھی ازسرنو انسان کے سر پر رکھا جا رہا تھا اور دنیا جہاں کی وہ تمام تکیفیات جو اس کی ذمہ داریوں سے وابستہ تھیں محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے مٹھی بر جان شاروں کے ابتداء کے لئے وقف ہو چکی تھیں۔

اعلانے کلمۃ الحق کا آوازہ جس سے زیادہ جانخراش صدا کفر کے لئے اور کوئی نہ ہو سکتی تھی بت پرستان مکہ کے حلقوں میں کھلیلی ڈال چکا تھا۔ ابوالہب، ابو جہل اور دوسرے اشقیائے قریش نے اسی دن سے حضور سرور کائنات کی ذات گرامی کو بازیچے استخفاف و استہزا بنا شروع کر دیا تھا جب آپ نے کوہ صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر انسان کی رشتی، اعمال کو عذاب اخروی سے ڈرایا تھا۔ خدائے بزرگ و برتر کی یکتاںی و رب العالمین کی شبانہ روز تلقین اور معبودان باطل کی بے مائیگی و بے چارگی کی مسلسل توضیح سے رسول اللہ ﷺ نے ان کے استہزا کو سب و شتم اور سب و شتم کو وحشیانہ حیر و تقدی سے بدل دیا تھا۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد راضی برضا ہو کر کفار کی طیش آلو دعاوت کا خیازہ صبر و تحمل سے کھینچ رہی تھی اور ایک جماعت نے جس کی مظلومی انہا کو پہنچ گئی تھی رسول اللہ ﷺ کے

حکم سے وطن چھوڑ کر جوش کی مسیحی مملکت میں جا پناہ لی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کی تم رسیدہ امت کے جو افراد مکہ میں مقیم تھے ان کی غیر متزلزل حق پرستی نے دشمنان اسلام کی آتش غیظ و غضب کو اور زیادہ تیز کر دیا تھا یہاں تک کہ ان ناتوانوں کو جن کی حمایت کے لئے قبائلی عصیت یا خاندانی اثر یا ذائقہ وجاہت موجود نہ تھی کبھی دوپہر کی مجلس دینے والی گرمی میں حجاز کی بھتی ہوئی ریت پر گھنٹوں لٹایا جاتا تھا، کبھی سرخ لوہے سے داغا جاتا تھا، کبھی پانی میں ڈکیاں دیتے دیتے ادھ موادر کر دیا جاتا تھا، کبھی برہنہ جسم پر اتنے کوڑے لگائے جاتے تھے کہ کھال ادھر جاتی تھی، کبھی گلے میں رسی باندھ کر اراذل و انفار سے گلی کو چوں میں گھسنوا یا جاتا تھا، کبھی پتے ہوئے بالو پر چت لٹا کر سینے پر بڑے بڑے وزنی پتھر رکھ دیے جاتے تھے، کبھی چنانی میں پیٹ کر ناک میں دھونی دی جاتی تھی کہ وہ گھٹ جائے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ برچھیاں مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اگرچہ خاندان بنو ہاشم کے جسم و چراغ ابو طالب جیسے بااثر رئیس کے بھتیجے اور خدجہ الکبری جیسی ذی وجاہت خاتون کے شوہر تھے اور اسی لئے قریشی کو بنو ہاشم اور ان کے حلیفوں کے قبیلہ پرستانہ انتقام کے خوف سے آپ کی جان لینے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا لیکن تمنائے جان ستائی کی ناکاہی ایذا ارسانی کے اقدام کو مانع نہ آسکتی تھی۔ کبھی آپ کے رستے میں کائنے بچھائے جاتے تھے کہ پائے مبارک زخمی ہو جائیں۔ کبھی نماز پڑھتے وقت گلے میں پھنداؤں کراس زور سے کھینچا جاتا تھا کہ آپ گر پڑتے تھے۔ کبھی اونٹ کی اوچھے لے کر بحالت سجدہ آپ کی پشت اقدس پر رکھ دی جاتی تھی۔ کبھی آپ کے طہر پر خاک ڈال کر آپ کا مضمونہ اڑایا جاتا تھا۔ کبھی آپ کو گالیاں دے کر آپ کے عظیم کام امتحان لیا جاتا تھا۔ اور یہ تو اکثر ہوتا تھا کہ جب آپ وعظ و ارشاد کے لئے باہر نکلتے تھے تو کفار سائے کی طرح آپ کے ساتھ گلے رہتے تھے اور جب آپ کلام مجید کی آئیں پڑھ کر سناتے تھے تو وہ شور مچانے لگتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ”اس کی باتیں نہ سنو۔ یہ غلط کہتا ہے۔“

غلبة سعم 120

سردار ان کفرنے یہ دیکھ کر ان کی جفا کمیں اور ایذا میں ان کے دھن کے پکے حریف پر مطلق کوئی اثر نہیں ڈال سکیں رسول اللہ ﷺ کے پائے ثبات کو متزلزل کرنے کی غرض سے وہ حیلہ بھی اختیار کیا تھا جو دنیا پرست ارباب اقتدار کی ترکش کا شاید سب سے زیادہ دل پسند تیر ہے۔ عتبہ بن ربعہ کی معرفت آپ کے پاس پیغام بھیجا گیا تھا کہ زخارف دینیوی آپ کے قدموں میں ڈالے جاسکتے ہیں۔ عرب کی جمیل ترین عورتیں آپ کے شبستان کا سرمایہ آرائش بنائی جاسکتی ہیں بلکہ خود مکہ کی امارت پیش کی جاسکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اپنی موجودہ روشن سے باز آ جائیں۔ ہمارے ہتوں کی تحقیر نہ کریں۔ ہمارے آباء اجداد کی رسولوں کو برانہ کہیں اور ہماری مخالفت نہ کریں۔ لیکن یہ افسوس تا جدار کوئی پر نہ چل سکتا تھا جن کی عملداری میں اس قسم کے تمام نظر فریب ظلم ایک ایک کر کے ٹوٹ جائے۔ واملے تھے! ابو طالب سے بھی ایک مرتبہ آپ پر زور ڈالوایا گیا تھا کہ حق و صداقت کی آواز بلند کرنا چھوڑ دیں اور انہوں نے کہا تھا کہ جان عم مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اسے اخنانہ سکوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر رقت انگیز لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ اسی کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر یہ لوگ میرے دہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تاہم میں اپنے فرض کی بجا آوری سے باز نہیں آؤں گا۔ خدا یا تو اپنے اس کام کو خود پورا کرے گا اور یا میں اس پر قربان ہو جاؤں گا۔ ان کبھی نہ فراموش ہونے والے الفاظ میں کچھ ایسا بلا کا اثر تھا کہ جناب ابو طالب جنہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بد رجہ غایت محبت تھی بے تاب ہو گئے تھے اور دنیا جہاں کی مخالفت کی طرف سے بے پرواہ کر جواب دیا تھا کہ محمد ﷺ خاطر جمع رکھ۔ جب تک میرے دم میں دم ہے تیر کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اپنی تمام تدبیروں کو اسی طرح اکارت جاتا اور اپنے تمام منصوبوں کو یوں خاک میں ملتا دیکھ کر پرستاران کفرنے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا آخری علاج یہ تجویز کیا تھا کہ بنوہاشم کے تمام خاندان ہی کوفا کر دیا جائے۔ تمام قبائل متفق الاعہد ہو کر اس وقت تک

غلبہ سدم = 121 =

کے لئے آل ہاشم سے کامل عمرانی اور اقتصادی مقاطعہ کئے رہنے پر تل گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بغرض قتل ان کے حوالے نہ کر دیے جائیں۔ آخر ابوطالب کو مجبوراً اپنے تمام خاندان کے ساتھ شعب ابوطالب میں پناہ گزین ہونا پڑا تھا۔

بہر ۲۶ء کا واقعہ ہے جبکہ بعثت نبوی کو چھ سال گزر چکے تھے اور ”واصدع بما تو مسر“ (بـ: جو عکم دیا جاتا ہے اسے ذکر کی چوت لوگوں تک پہنچا دے) کے آسمانی نقارہ میں گرما نہ خرم ہے نبوی کی فضامیں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ آل ہاشم کو اپنے سنگدل ہم وطنوں کے بے رحمانہ فیصلہ کی بنا پر مکہ کی شہریت کے جملہ حقوق سے محروم ہو کر پہاڑ کے ایک نگ درہ میں جہاں اناج کا ایک دانہ بھی اڑ کر ان تک نہ جا سکتا تھا جو جو عقوبات انگیز ختنیاں سنبھی پڑیں ان کی تفصیل انسان کی انتہائی مظلومیت کا ایک پر درد افسانہ ہے۔ اگر چہ خدائے رحمٰن و رحیم کی شان مقلوب القلوبی بے مہر دشمنوں کے پھر دلوں کو زخم کر کے خود انہیں ہاتھوں سے اسلام کی پیڑیاں کٹوادیئے والی تھی جنہوں نے اسے پابند نجیر کیا تھا اور کچھ ہی زمانہ پہلے رسول اللہ ﷺ سے یہ وعدہ بھی ہو چکا تھا۔ کہ ان السدین آمنوا و عملوا الصالحات سی جعل لهم الرحمن وذا۔ (جن لوگوں نے ایمان لا کراچھے عمل کئے ہیں خدائے رحمٰن یقیناً ان کی طرف سے کفار کے دلوں میں عنقریب گرویدگی پیدا کر دے، کا) لیکن اس بشارت کو اپنا جمالی رنگ دکھانے کے لئے ابھی تین سال کے انقضای کی احتیاج تھی۔ اس طویل مدت میں شعب ابوطالب کے محصورین جنگلی بوئیوں کی پیتاں کھا کھا کر زندگی کے دن کاٹتے رہے۔ کسی کو اگر کہیں سے خشک چجزے کا مکروہ ہاتھ آ جا تھا تو وہ اسی کو پانی میں بھگو کر کھالیتا تھا اور اسے بڑی نعمت سمجھتا تھا۔ ماوس کی خشک چھاتیوں میں دودھ نہ پا کر بنپے بھوک سے بلکہ تھے اور ان کے رو نے اور کراہنے کی آواز سن کر کافر جودہ کے باہر کان لگائے کھڑے رہتے تھے خوش ہوتے تھے۔

دشمنان حق و صداقت کی یہ خوشی بے وجہ نہ تھی۔ وہ اسلام کو اپنے سامنے سک سک کر دم توڑتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ ان دیکھا اور ان بوجھا خدا جس

غلبة سلام 122

کا نام لے کر عبدالمطلب کا پوتا انہیں ایک فرضی عذاب سے ڈرایا کرتا تھا اب اسے ان کی گرفت سے نہ چھڑا سکے گا۔ ان کا دل مطمئن تھا کہ (نعوذ بالله) پیشوائے اسلام کے خاتمہ کے ساتھ وہ قوت خود بخود مٹ جائے گی جو ان کے مذہب اور معاشرت کے دریبہ نظام کو تباہ والا کر رہی تھی۔ پھر نہ توحید کی بانگ بے ہنگام ان کے کان میں ناسور ڈالے گی نہ بعث بعد الموت کی تبلیغ کا کابوس ان کے سینے پر سورا ہو گانہ لات و ہل کی پرستش سے انہیں روکنے کی کسی کو جرأت ہو گی نہ من مانے افعال کے ارتکاب سے انہیں جزا اسرار کا کوئی خیالی ضابطہ باز رکھ سکے گا۔

قریش کی ان گونا گوں مسروتوں کا ایک بڑا باعث یہ بھی تھا کہ جس پیکر قدی کی تعذیب کے لئے ان کی تم شعاری نے اس قدر اہتمام کئے تھے اسے میسیحیت کی جمالی تعلیم کے ساتھ ایک خاص لگاؤ تھا۔ اور ایسے شخص کی تکلیفوں سے ان کا کلیج سخندا ہوتا تھا جس نے مسیح علیہ السلام کی یاد کو اک نئے انداز میں تازہ کرتے ہوئے انجلیں کی تصدیق کے ساتھ مسیحیوں کے دل میں گھر کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کی ذات خاص کے ساتھ انہیں کوئی عناد نہ تھا بلکہ بت پرستوں کی اس عام عادت کے مطابق کہ خالص توحید کے سواباتی تمام انسانی معتقدات کے ساتھ رواداری برقرار چاہئے انہوں نے لات و منات کی طرح جناب مسیح کو بھی اپنے معبدوں کے کثیر الانفار حلقہ میں داخل کر لیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے وقت جب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تمام بت کعبہ سے نکالے گئے تو ان میں حضرت مریم کی ایک مورت بھی موجود تھی۔ لیکن میسیحیت کو جو چوتھی صدی سے سیاسی حیثیت اختیار کر کے جو ع لا رض کے مرض میں بتلا ہو گئی تھی وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ کعبہ کے انهدام کی غرض سے ابرہام اللہ شرم کی فوج کشی ان کی رائے میں اس امر کی دلیل تھی کہ میسیحیت عرب کے کان میں اپنی غلامی کا حلقہ ڈالنے پر تسلی ہوتی تھی۔ یمن کو قیصر روم کے حليف کے سمجھی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے ایران سے اگر مداخلت کی استدعا کی گئی تو اس کی تھیں بھی سبی جذبہ چھپا ہوا تھا کہ اگر غیر دوں کا حکومتی

ہو کر رہنا ہے تو مسیحیت سے آتش پرستی بر اتاب افضل ہے۔ قریش کے دل میں اپنے اس وفد کی ناکامی کی یاد بھی کانٹا بن کر کھنک رہی تھی جو مہاجرین اولیٰ کی حوالگی کے مطالبہ کے لئے نجاشی کے دربار میں پہنچا تھا۔ مگر خائب و خاسر ہو کر بے نیل مرام واپس آیا تھا۔ ایک مسیحی دربار کی طرف سے سفراء مکہ کی یہ بے توقیری ایک اور ایسی ذلت تھی جسے قریش کی آبائی عزت بآسانی گوارانہ کر سکتی تھی۔

اسی لئے جب خسرو پرویز کی توبہ تو فتوحات اور قیصر روم کی پے در پے شکستوں کی خبریں مکہ میں پہنچیں اور واقعات کی رفتار نے تمام دنیا کے ساتھ عرب کو بھی یقین دلا دیا کہ آتشکدہ فارس کی روشنی کے سامنے روم کی مسیحی مشعل ہیشہ کے لئے ماند پڑ گئی ہے تو قریش کے گھر میں گھنی کے چراغ جلنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ شعب ابوطالب میں نظر بند تھے۔ مگر زبان حقیقت ترجمان بند نہ تھی اور قلب مبارک کا دروازہ روح الامین کے نزول کے لئے آٹھوں پہر کھلا تھا۔ قیصر روم کی تباہی و بر بادی کے چہے زیادہ ہونے لگے تھے تو جبراہیل امین آسمان سے یہ پیغام لائے۔

آلَمْ ۝ غَلَبَتِ الرُّومُ ۝ فِي أَذْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝
فِي بَعْضِ سَيِّئَنَ «لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلٍ وَمِنْ بَعْدٍ وَيُؤْمِنُ بِهِ مَنْ يَرْجُوا مُؤْمِنَوْنَ ۝
بِنَصْرِ اللَّهِ يُنْصَرُ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَعَدَ اللَّهُ مَا لَا يَخْلُفُ اللَّهُ وَعْدَهُ
وَلِكُنَّ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

الم۔ روم اگرچہ مشرق اونیٰ میں مغلوب ہو چکا ہے لیکن عنقریب چند ہی سال میں پھر غالب آجائے گا۔ فتح و نکست کا اختیار اس سے پہلے بھی خدا کو تھا اور اس کے بعد بھی اسی کو حاصل ہے۔ اور جس دن روم کو پھر غلبہ ہو گا اسی دن مسلمانوں کو بھی خدا کی طرف سے مدد پا کر خوشی حاصل ہوگی۔ خدا جس کو چاہتا ہے نصرت دیتا ہے اس لئے کوہ تو انوار حیم ہے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے اور خدا کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اگرچہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔“

غبلہ سعیم = 124 =

یہ عظیم الشان بشارت جس کی محیر العقول صداقتوں نے ارباب بینش کے لئے عالم غنیب کے حقائق کا ایک دریا بھا دیا ہے دو جدالگانہ تاریخی واقعات کا سرچشمہ ہے۔ اس کا پہلا دعویٰ یہ ہے کہ ہریت خورده روئی چند سال میں دو بارہ فتح یا ب ہوں گے۔ اسی کی ذیل میں دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ رومیوں کی فتح یا بی کے ساتھ ہی مسلمان مظفر و منصور ہوں گے۔ ”بعض سنین“ (چند سال) سے اسلامی مفسرین نے کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس سال کی مدت مرادی ہے اور اس تعبیر کا موبید یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب سورہ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور حضرت صدیق اکبر نے ایک مجعع عام میں ان کی تلاوت فرماتے ہوئے ”بعض سنین“ کا مفہوم تین سال بیان کیا تو کفار نے حسب معمول بڑے شدومد سے اس کی تکذیب کی اور جب آپ کی قوت ایمانی نے آپ سے بے اختیار کہلوایا کہ دعوے کے صحیح نہ نکلنے کی صورت میں آپ دس اونٹ ہارنے کے لئے تیار ہیں تو ابی ابن خلف نے جو ایک کتر کا فر تھا با آمادگی یہ شرط قبول کر لی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ کی لدنی استعداد نے جناب صدیق اکبر کے بیان کی تصدیق اس اضافہ کے ساتھ فرمائی کہ ”بعض سنین“ کی اقل مدت بیشک تین سال ہے لیکن اس کا انتہائی زمانہ دس سال بھی ہے۔ اس ترمیم نے شرط کے اونٹوں کی تعداد دس سے بڑھا کر سو کر دی۔ ابی کو جسے حقائق نفس الامری نے اپنے دوسرے ہمنشینوں کی طرح جلا دیا تھا کہ اب نہ رومیوں کو کبھی فتح ہو سکتی ہے اور نہ مسلمانوں کا ستارہ چمک سکتا ہے یقین ہو گیا کہ اس بازی میں جیت اسی کو ہو گی۔

کفار مکہ کی یہ ذاتی کیفیت جو کفر کی جاؤ دانی خصوصیات میں داخل ہے با آسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ ان کے سامنے چند بدیکی واقعات تھے جن کے کھلے ہوئے نتائج انہیں روز روشن کی طرح نظر آ رہے تھے اور جب انہیں بتایا جاتا تھا کہ ظاہری اسباب کے علاوہ ایک قوت ایسی بھی ہے جس کا مخفی تصرف تغیرات عالم کی مقررہ روشن کو بدل دینے کی قدرت رکھتا ہے تو وہ اس دعوے کو ایک شاعر کا قول ایک مجنون کی خرافات قرار دے کر

تم خراز ادیتے تھے۔ رومیوں کی فتح یا بی اور مسلمانوں کی کامرانی کا دعویٰ موجودہ حالات میں اس درجہ خلاف عقل اور مظنوں اور احتمالات سے اس قدر بعید تھا کہ خسر و پرویز نے بھر، قسطنطینیہ اور چند ایشیائی بندرگاہوں یا دور افتادہ مغربی مقبضات کے ان کا سارا ملک فتح کر لیا تھا اور خود قسطنطینیہ بھی موت و حیات کی کٹکش میں مصروف تھا۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ مسلمانوں کی مصیبت کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے کچھ تو دیار غیر میں پناہ گز نہیں پر مجبور کردیے گئے تھے، کچھ مکہ میں اپنی مظلومی کے دن کاٹ رہے تھے اور کچھ اپنے سردار کے ساتھ پیٹ پر پھر باندھے پہاڑ کے ایک درہ میں قید تھے۔ ان حالات و واقعات کے ہوتے ہوئے قریش کو کس طرح باور آ سکتا تھا کہ دس سال کے اندر اندر رومیوں کا پھر طوطی بولنے لگے گا اور مسلمان بھی ساتھ ہی ساتھ فقارہ فتح و نصرت بجانے کے قابل ہو جائیں گے۔

اسلامی روایات کے ساتھ وقائع نگاران یورپ کا سلوک اگرچہ متعصبان بعض و عناد کا ایک دفتر بے پایاں ہے لیکن اپنے ہم چشموں کی عام روش کے برخلاف سیکھی مورخین کا ایک آزادہ رو اور صاف گو طبقہ ایسا بھی ہے جسے سورہ روم کی تمہیدی آیات حیرت میں ڈالے بغیر نہیں رہ سکیں۔ سکنن نے تو اتنا ہی لکھا ہے کہ ”جب یہ پیشین گوئی کی گئی تھی تو اس سے زیادہ دور از کار اور بعيد از وقوع تصور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔“ مسٹر پامر نے بھی جن کی سلیم اطیبعی سیل، راذول اور ولیم میور جیسے غالی تیثیٹ پرستوں کے تعصب کی پرده دری کر رہی ہے یہ طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ”رومیوں کی حالت اس وقت ایسی پتی ہو رہی تھی کہ ان کے سنبھل جانے کا بہت کم امکان نظر آتا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے فرانسیسی سیرت نگار کا وہ نت ڈی بولان ولیس کی حق پڑو ہمان دیانت کو صاف صاف اعتراف کرنا پڑا ہے کہ ”قرآن مجید میں رومیوں کے خارج از قیاس غلبہ کی پیش از وقت تعینیں ایک کھلی ہوئی ملہمانہ بھارت ہے جس کی صداقت کو اگر سیکھی تسلیم نہ کریں تو بجز ندامت و خران کے ان کے حصے میں اور کچھ نہیں آ سکتا۔“ منکرین کے حق میں اس

= غلبہ سعیم = 126 =

نداشت و خسرو پرویز کی مزید شش سالہ چیرہ دستیاں ہر قل کی رہی۔ ہبی قوت کے گھٹادینے سے اور بھی بڑھادیتی ہیں۔ اس لئے کہ جو باش ۲۱۶ء میں خارج از امکان نظر آتی تھی و ۲۲۵ء میں اور بھی زیادہ خارج از امکان ہو گئی تھی اور ایسے خارج از امکان واقعہ کے قطعی الواقع ہونے کے متعلق سات سال پہلے قطعی حکم لگا دینا صرف ایک اولو العزم نبی کی مرسل من الہی کے لئے ممکن ہے۔

خدائے بزرگ دبرتر کا وعدہ برحق جس طرح پورا ہوا دنیا جسے ایک امر حال سمجھ رہی تھی اس نے جس طرح یہ بیک ایک حقیقت نفس الامری کی شکل اختیار کر لی، پر دہ شب کی گھٹائوپ ظلمتوں سے آفتاب سیغلبوں کی پہلی کرن نے ۲۲۳ء میں پھوٹ کر جس طرح ہر قل کو فتح و نصرت کا رستہ دکھایا اور پھر اسی کرن کی تجلیوں نے جس طرح بدر کے میدان کو مطلع الانور بنایا، یہ کوئی جن و پری کا افسانہ نہیں، رسم و اکوان کا قصہ نہیں، فرکیانی کی سیاسی نمودنیں ہے ”اساطیر الاولین“ کہہ کر مذاق میں اڑایا جا سکے بلکہ جیتے جائے بولتے چلتے تاریخی واقعات ہیں جن پر اگر نگاہ امعان ڈالی جائے تو پودہ طبق روشن ہو سکتے ہیں۔

ہر قل کی ناکامیاں

خسرو کا مقصد اگر حقیقت میں مارس کے قتل کے انتقام تک ہی محدود ہوتا تو فوکاس کے قتل ہوتے ہی یہ غرض پوری ہو چکی تھی۔ مارس کے قاتل کی جگہ قسطنطینیہ میں اب ایک ایسا شخص مند نشین تھا جس کے ساتھ اسے کوئی وجہ پر خاش نہ تھی۔ ایسی حالت میں مارس کے احسانات کی یاد اور بمسایع کے حقوق کا پاس متناقضی تھا کہ وہ اپنی فوجیں ہٹالے اور دولت مشرقیہ کے ساتھ مصالحانہ تعلقات قائم کر لے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں محسن کے انتقام کا فطری جذبہ ان بمسایع انکن روایات کے لئے جو خسرو کو اپنے خاندان سے میراث میں ملی تھیں محسن ایک ہلکے سے پردے کا حکم رکھتا تھا۔ فوکاس کی موت کے ساتھ ہی یہ پردہ بھی اٹھ گیا اور بڑھتی ہوئی فتوحات نے خسرو کی نیت کا راز طشت از بام کر دیا۔ ہر قل کے دربار سے پے در پے سفارتیں آتی تھیں اور غایت لجاجت و اغصار سے انتباہ کرتی تھیں کہ بے گناہ اور خانمان بر باد مخلوق کی جاں بخشی کی جائے دولت مشرقیہ کے حال زار پر رحم کر کے اس کی باہمگوارانہ اطاعت قول کر لی جائے لیکن خسرو کا تکبر ان عاجزانہ استدعاوں کو کبھی حرارت سے روک دیتا تھا اور کبھی دھمکی سے مُحرکا دیتا تھا۔

ہر قل کی حالت حقیقت میں قابل رحم تھی۔ ایشیائی صوبے بھی فوجوں کی گرفت میں تھے۔ افریقیہ میں بھی مصر اور طرابلس پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا۔ یورپیں مقبوضات کی یہ کیفیت تھی کہ اوار جنہوں نے اٹلی پر حملہ کر کے قسطنطینیہ کے بحال شدہ مغربی افتدار کو حوالہ خاک و خون کر دیا تھا تھریں تک پھیلے ہوئے تھے اور دولت مشرقیہ کی موجودہ کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر پرانے کینے نکالنے کی تدبیروں میں مصروف تھے۔ چنانچہ

خرود کے ساتھ چاغان کا ایک خفیہ معاہدہ بھی ہو چکا تھا کہ ایشیا اور یورپ کی طرف سے دونوں کا متفقہ حملہ قسطنطینیہ کو چکل ڈالے جس کا تعلق بحری طاقت ہونے کے باعث گئی گزری حالت میں بھی تری کی راہ سے یوتان اور اٹلی کے جنوبی علاقوں افریقی ولایت قرطجہ اور صور سے لے کر طرابزوس تک چند ایشیائی بندرگاہوں کے ساتھ قائم تھا۔

مصر آج کل کی طرح رومیوں کے مغربی عہدوں میں بھی مغربی شہنشاہیت کے چوگان اقتصاد کی گیند بنا ہوا تھا۔ پہلے اس کی دولت روما کے کام آتی تھی۔ جب سلطنت تقسیم ہوئی اور مصر دولت مشرقیہ کے حصے میں آیا تو اس کی پیداوار قسطنطینیہ کی شکم پرست آبادی کے معدہ و احشائے لئے وقف ہو گئی۔ ۱۱۵ء میں خروہ کی تلوار نے دولت مشرقیہ کے دامن سے وادی نیل کا پیوند قطع کر دیا۔ ایشیا کو چک کے زرخیز و شاداب خط پہلے ہی اس کے قبضے میں آچکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قسطنطینیہ میں اناج کے ذخیرے تخلص گئے اور شہر پر قحط و وبا کی دو گونہ بلا میں مسلط ہو گئیں۔ ہر قل کی پریشانیوں کی اب کوئی حد نہ رہی۔ اندر رونی بلااؤں اور بیرونی مصیبتوں کی متفقہ یورش سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر اور چاروں طرف سے نامید ہو کر اسے بادل ناخواستہ یہ مضطربانہ فیصلہ کرنا پڑا کہ قسطنطینیہ چھوڑ کر قرطجہ چلا جائے اور حکومت کو بھی اسی افریقی ولایت میں جو دشمنوں کی رسائی سے دور تھی منتقل کر دے۔

اس وقت نہ ہب کی زبردست طاقت آڑے آئی۔ تدبیر نے جو کام بگاڑ دیا تھا تقدیر اسے بنانا چاہتی تھی۔ سفر کی ساری تیاریاں ہو چکی تھیں۔ جہازوں پر شاہی خزانہ اور تمام قیمتی مال و متاع جو لے جانے کے قابل تھا بار کیا جا چکا تھا اور ہر قل ہزاروں حرثیں دل میں لئے ہوئے پاکشی تھا کہ بطریق قسطنطینیہ نے آ کر اسے اس مہلک عزم سے روک دیا اور ایسا صوفیہ کے معبد میں لے جا کر اس سے قوم اور ملک اور نہ ہب کی خدمت میں جان تک قربان کر دینے کا حلف لیا۔

اواروں کی فوجیں تھریں کے میدانوں میں ڈیرے ڈالے پڑی تھیں اور چاغان

کے غار تکرانہ منصوبوں کی مزاحم صرف قسطنطینیہ کی سگین فضیل تھی۔ اپنے ان منصوبوں کو مصالحانہ گفت و شنید کی تمنا میں چھپا کر اس نے ہرقل سے پایہ تخت کے باہر ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ہرقل نے جسے عجمیوں اور اواروں کی مخفی قرارداد کا علم نہ تھا کم از کم ایک زبردست دشمن کے ساتھ مصالحت کے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بآمادگی تمام چاغان کی دعوت قبول کر لی اور بڑے ترک و احتشام سے حریف کی خیبر گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ چاغان و قیصر کی صلح کی اس سرت اندوز ترقیب پر ایک پر تکلف جشن ترتیب دیا گیا اور طرح طرح کے دلپسند کھیل تماشوں سے تماشا یوں کی تفریح طبع کا سامان کیا گیا۔ لیکن اواروں کی بعد عہدی ایک اور ہی تماشا دکھانے والی تھی۔ ایک اوار رسالہ نے جوشاب یلغار کرتا ہوا آس پاس کی گھائیوں میں آچھا تھا اپنی کمین گاہ سے نکل کر دفعتاً تماشا گاہ کا حاصلہ کر لیا اور چاغان کے کوٹے کا زبردست تراقا سنتے ہی تماشا یوں پر جملہ کر دیا۔ روی بدحواس ہو کر پایہ تخت کی طرف بھاگے ہرقل تاج ہاتھ میں لئے گھوڑے کو ایرہ بتاتا ہوا بگشت جا رہا تھا اور محض اس رفیق تیز گام کی صبار فواری کے صدقہ میں گرفتار ہونے سے بال بال بچا۔ اوار رو میوں کا تعاقب کرتے ہوئے شہر پناہ تک پہنچ گئے اور اگرچہ چھانک کے بند ہو جانے پر وہ شہر میں تو داخل نہ ہو سکے لیکن اس کی کو مضافات شہر کے لوٹنے اور پونے تین لاکھ رو میوں کو لوٹنے کی غلام بنا کر کپڑے لے جانے سے پورا کرتے گئے۔

پریشان روزگار ہرقل کی انتہائی بے چارگی اب اسے عجمی سپہ سالار بینا کے پاس لے گئی جو باسفورس کے ایشیائی ساحل پر خیمه زن تھا کہ شاید اسی کو حرم آجائے۔ بینا کو مبدء فیاض کی طرف سے ایک درد بھرا دل عطا ہوا تھا۔ قیصر روم کو اس کس پرسی کی حالت میں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں دنیا کے انقلابات کی تصور یہ پھر گئی۔ ہرقل کے استقبال میں اس نے شریفانہ ادب و احترام کا کوئی دیقتہ اٹھانہ رکھا اور اپنے مصیبت زدہ مہمان کی دلچسپی کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ بازنطینی سفارت کو شہنشاہ عجم کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں گی۔

شریف النفس پر سالار کے فیاضانہ سلوک سے فائدہ اٹھا کر ہرقل نے کلیسا اور حکومت کے جلیل القدر اعیان کا ایک وفد تیار کیا جس نے خرسو کے دربار میں پہنچ کر بازنطینی حکومت کی طرف سے نہایت عاجزانہ الفاظ میں عذر تقدیم کرتے ہوئے صلح کی درخواست پیش کی اور عرض کیا کہ قیام امن و امان و تجدید تعلقات دیرینہ کی غرض سے جن شرائط کا مطالبہ دربار میں کرے گا ان کے تسلیم کر لینے میں دربار قسطنطینیہ کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ بے چارے سینا کا خیال تھا کہ اس قسم کی انسار آمیز عرض داشت اس کے ذی جبروت آقا کی خوشنودی عزراج کا موجب ہوگی۔ لیکن خرسو کی افتاد طبیعت کا اس نے سخت ہی غلط اندازہ لگایا تھا۔ بجائے اس کے کہ خرسو بازنطینی سفر کے غلامانہ عجز کو اپنے مغربی سر لشکر کے پہ گرانہ تدبر کا نتیجہ سمجھ کر خوش ہوتا اور اس کی عزت افزائی کرتا وہ الناخفا ہو گیا اور طیش میں آ کر پکارا کہ مجھے اس وفد کی حاجت نہ تھی۔ نابکار سینا کا فرض تھا کہ ہرقل کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے قدموں میں لاڈتا۔ میں اس وقت تک قیصر روم پر حرم کرنے کو تیار نہیں ہوں جب تک کہ وہ اپنے مصلوب خدا کی پرستش چھوڑ کر آفتاب کو بجہہ نہ کرنے لگے۔ سینا کو اس کی شریفانہ مداخلت کا صلہ یہ دیا گیا کہ اس کی کھال کھنچوائی گئی۔ ہرقل کے سفیروں کی عاجزانہ التجاویں کا حشریہ ہوا کہ وہ سب کے سب قید کر دیے گئے اور قسطنطینیہ کی تنجیر کے لئے خرسو کی جنگی کارروائیوں کا سلسہ سرگرمی کے ساتھ شروع ہو گیا۔ لیکن بحیرہ اسود اور بحیرہ روم کی آئی کلید اور ایک منجھی ہوئی۔ بحری قوت کے زبردست مرکز ہونے کی حیثیت سے قسطنطینیہ کو نہ ٹھیک قوموں کا ڈر تھا اور نہ اواروں کے مڈی دل کا کھٹکا۔ سالہا سال کی بے سود مرکز کے آرائی نے جب خرسو کو یقین دلا دیا کہ ایک کار آزمودہ جنگی بیڑے کے بغیر جو اس کی دسترس سے باہر تھا قسطنطینیہ سر کرتا ہے تو وہ ججو اس کی تنجیر سے دست کش ہو گیا اور دست کشی کا تاؤان یہ طلب کیا کہ قیصر روم اسے ہر سال ایک ہزار ٹینٹ چاندی ایک ہزار ریشمی طے ایک ہزار نادر گھوڑے اور ہزار دو شیزہ لڑکیاں بطور خراج ادا کیا کرے۔ ہرقل نے یہ تمام شرطیں تسلیم کر لیں اور اپنے غلامانہ انتظام پر انتہائی ذات و رسوائی کی مہر اپنے ہاتھوں لگاوی۔

ہر قل کی سیرت پر ایک نظر

ان فی ذلک لایاتِ لقومِ یَغْرُونَ

معارف لدنیہ کے شارح اعظم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے حقائق مستورہ کی جو تصویر پر دہ الہام پر کھنچی تھی اس کے بے نقاب ہونے کا وقت اب آگیا تھا اور ارباب نظر اس ازلی صداقت کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہو جانے والے تھے کہ اذا قضى امر افانما يقول له كن فيكون یعنی جب باری تعالیٰ کوئی بات جی میں مخان لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے لیکن نظرت ایزدی کی یہ بھی ایک قدیم خصوصیت ہے کہ مقدرات کے ظہور کے لئے اسباب فراہم کر دیے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بعض دفعہ ان اسباب سے ظاہر بینوں کی تشغیل نہیں ہوتی۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب اسحاق کی خوشخبری دی گئی تو وہ پیر فانی ہو چکے تھے اور سارہ کا بھی بڑھا پاتھا جس پر میاں بی بی کو بتقااضائے بشریت متوجہ ہونا پڑا تھا کہ ان حالات میں اولاد کیوں کر ہو سکتی ہے۔ زکریا کے قوا بھی جب انہیں بشارت ملی ہے پیرانہ سری کے باعث فرسودہ ہو چکے تھے اور ان کی الہیہ الزبحہ نہ صرف بوڑھی بلکہ بانجھ بھی تھیں اور وہ بھی اپنے جد امجد کی طرح بے اختیار پکارا ٹھے تھے کہ ”رب انی یکون لی غلام و کانت امراتی عاقر او قد بلفت من الكبر غتیا۔“ (اللّٰہ میرے ہاں بینا کس طرح ہو سکتا ہے کہ میری بی بی تو عقیلہ ہے اور میں کبیر سنی کے انتہائی عالم میں ہوں) لیکن ایسے ہی ناقص اسباب سے کامل نتائج

غلبہ سوم = 132 =

پیدا ہوتے دیکھ کر اہل بینش کو یقین ہو جاتا ہے کہ خدا نے تو ان کی قدرت دانہ کو خمسن رائی کو پر بہت اور قطرہ کو قلزم بنا سکتی ہے۔ تباہ حال رو میوں کو نہ صرف عجیبوں کی قہر مانی گرفت سے چھڑانے بلکہ عجم کو روم کے قدموں پر ڈالنے کے لئے خداوند عالم کی پوشیدہ مصلحتوں نے جس شخص کا انتخاب کیا اس کے حالات زندگی کا مطالعہ ان تمام صداقتوں کو روز روشن کی طرح آشکار کر دیتا ہے۔

ہرقل کی جامع الا ضد ا خصوصیات

گہن کا قول ہے کہ تاریخ عالم میں جس قدر قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں ان سب میں ہرقل کی سیرت اپنی جامع الا ضد ا خصوصیات کے لحاظ سے نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ اپنے طویل عہد کے اوائل و آخر میں وہ غفلت و تعیش اور تن پروری و اواہام پرست کا غلام نظر آتا ہے۔ سلطنت کی تباہی کو بے نیاز انہ درماندگی سے دیکھتا ہے اور رعایا کی صیبوں پر ٹیکے سے مس نہیں ہوتا۔ لیکن اپنے دور حکومت کے درمیانی حصے میں اس کی نظرت یکخت بدلت جاتی ہے پہلے پھر کی گھٹاؤں اور چھپلے پھر کے بادلوں کے درمیان اس کے اقبال کا آفتاب نقطہ نصف النہار پر اپنی تجیاں بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہی تاجدار جس کی عشرت پرستیوں اور ہونتا کیوں نے محل کو چار دیواری کے اندر آرکیدس کی یاد تازہ کر دی تھی میدان جنگ میں آکر سیزربن جاتا ہے اور جھچ جانبازانہ معروکوں میں دادشجاعت دے کر اور سپہ گری کے جو ہر دکھا کر اپنا اور دولت روما کا کھویا ہوا وقار از سرنو حاصل کر لیتا ہے۔

مہ جمال مارٹینا کا عشوہ سحر طراز

ہر قل کے دل و دماغ کی ان حیرت خیز تبدیلیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے گہن لکھتا ہے کہ بازنطینی مورخین نے ان تغیرات کے اسباب قلمبند نہیں کئے حالانکہ یہ بتانا ان کا فرض تھا کہ ہر قل کیوں اپنے عہد کے ابتدائی اور آخری حصوں میں سویا رہا اور نیچ میں بیدار ہوا۔ کسی ایسی صراحة کے نہ موجود ہوتے ہوئے ہم صرف یہی قیاس کر سکتے ہیں کہ اگرچہ ذاتی شجاعت اس کا ایک نمایاں وصف تھا لیکن مدبرانہ عزمیت سے اسے بہرہ دافنی نہ پیسر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی مہ جمال بھیجی مارٹینا نے جسے بوڈوشا کے انتقال پر پر شریعت عیسوی کے احکام کے برخلاف وہ اپنے حوالہ عقد میں لے آیا تھا اس پر کچھ ایسے جادو کے ڈورے ڈال رکھے تھے کہ امور سلطنت کے ساتھ اسے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی تھی اور اس کے درباریوں نے بھی جن کا کام ہی خوشامد کرنا تھا اسے یہ پیٹھا رکھی تھی کہ قیصر روم کی مقدس زندگی میدان جنگ کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے نہیں بنائی گئی۔ اب خواب غفلت سے آخر جب وہ بیدار ہوا تو شاید اس کی وجہ یہ ہو گی کہ خسرو پرویز کے آخری باج گیرانہ مطالبات کو اس کی غیرت برداشت نہ کر سکی۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ جس وقت ہر قل کا بھلی اور تن آسانی کا چولا اتار کر میدان جنگ میں ایک بطل اعظم کی حیثیت سے نمودار ہوا ہے تو رومیوں کو صرف اس امید کا سہارا باقی رہ گیا تھا کہ شاید واقعات پٹا کھائیں، خسرو کا ستارہ گردش میں آجائے اور ان کا سویا ہوانصیب جاگ اٹھے۔

گہن کی منطق

فلسفہ تاریخ میں اگرچہ گہن کو یہ طولی حاصل ہے اور واقعات کے اسباب کی تلاش میں اس کی حکیمانہ موٹھگا فیاض اس کی سورخانہ کئی کادیوں کی ہم رویہ نظر آتی ہیں لیکن اپنی عام روشن کے خلاف جن دلائل سے اس نے ہرقل کی موقع الظہور سرگرمیوں کی برتر از فہم خصوصیات ہمیں سمجھانی چاہی چیز ان کی طفلانہ خامیوں پر ہم متباہم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ”تاریخ زوال و ہبوب روما“ کے مصنف کو تجہب ہے کہ کیوں ہرقل نے بارہ سال تک جو اس کے عہد حکومت کا دور اول ہے سوتے سے کروٹ نہ لی اور پھر جب یہک بیک بیدار ہو کر دنیا کے سامنے اپنے آپ کو ایک فاتح اعظم کی حیثیت میں پیش کیا جس کی توقع کسی کو اس کی ذات سے نہ ہو سکتی تھی تو اس شان امتیازی کو اس نے برقرار کیوں نہ رکھا بلکہ آخر سال کا درمیانی زمان بیداری میں گزار کر پھر آنکھیں بند کر لیں اور بارہ سال کے لئے جو اس کے عہد طویل کا آخری دور ہے ایسا ہی غافل عیش پرست اور پست ہمت ہو گیا جیسا پہلے تھا۔ اپنے اس تجہب کو گہن نے یہ کہہ کر رفع کرنا چاہا ہے کہ

(۱) ہرقل مدبرانہ عزیمت سے بہرہ وافی نہ رکھتا تھا۔

(۲) مارینتا کی زلف مشکلар نے اس کی مشکلیں کس رکھی تھیں۔

(۳) ناٹ ندیم اسے یہ مشورہ دیتے رہتے تھے کہ میدان جنگ میں جا کر اپنی جان خطرے میں نہ ڈالے اور اس شراب سہ آتوہ کا نشہ اٹارنے کے لئے ترشی یہ تجویز کی ہے کہ

(۴) کسری کے آخری مطالبہ کی ذلت کو ہرقل کی غیرت گوارانہ کر سکی۔

اس منطق کا تحفظیہ

ان میں سے ایک دلیل بھی ایسی نہیں جس سے ہماری تشفی ہو سکے۔ مدبرانہ عزیمت سے مراد اگر دلیر انہ مدافعت کے ارادہ کی با موقع قسمیم ہوتا کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہر قل کی طینت میں یہ جو ہر دیعت نہ کیا گیا تھا۔ خود اس کی شاندار کامیابیوں میں اس کی چمکتی ہوئی شہادت موجود ہے۔ مارٹینا کی زلفوں سے گہن کا شکوہ عبث ہے۔ اگر ہر قل کی دوادہ سالہ درماندگی کیا یہ وجہ صحیح ہو کہ اس کا دل اپنی محبوبہ کے گیسوؤں میں الجھا ہوا تھا تو پھر پرویز کی نسبت کیا کہا جائے گا۔ جس کی ہزار جانیں شیرین کے کاکل مشک افشاں کے ہر تار میں بندھی ہوئی تھیں۔ اسی طرح نااہل ندیموں کی خوشامد کو بھی ہر قل کے سکون وجود کا باعث قرار دینا لا حاصل ہے جبکہ آخر کار باوجود ان کی لابے گرانہ لفاظیوں کے ہم اسے عرصہ کا رزار میں سیزر کی طرح شمشیر بکف دیکھتے ہیں۔ یہ استدلال بھی کچھ بہت زیادہ وزن نہیں رکھتا کہ خرس و کا باج گیرانہ مطالبہ ہی وہ آخری تازیانہ تھا۔ جس نے ہر قل کی شاہانہ غیرت کو تڑپا دیا۔ اس لئے کہ ایسی ایسی کئی ذلتیں اس سے پہلے بھی اس کے حصہ میں آچکی تھیں اور اس کی خودواری کے ماتحت پر مل تک نہ پڑا تھا۔ چاغاں کے کوڑے کے تڑائے پر اس کا تمثاشا گاہ سے ننگے سر بے تھاشا بھاگنا اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے قسطنطینیہ کے حوالی کا اواروں کے ہاتھوں لوٹا جانا اور پونے تین لاکھ روپیوں کا لوٹڈی غلام بنالیا جانا۔ خرسو کی خراج طلبی سے کچھ کم موجب رسوانی نہ تھا۔

دور اول اور دور آخر کی مشاہدہ

لیکن صحیح نہ ہونے کی صورت میں بھی ان دلائل کی حد اطلاق ہر قل کی حکومت کے دور اول سے آگے بڑھنے نہیں پاتی۔ اور کبھی نے اس دور اور آخری دور کی مشاہدہ تامہ کے اسباب پر کوئی مزید روشنی نہیں ڈالی۔ کیا ہم سمجھ لیں کہ پہلے بارہ سال کی طرح پچھلے بارہ سال میں بھی ہر قل مدبرانہ عزیمت کے فقدان کے دورہ میں ہتلا ہو گیا تھا یا آٹھ سال تک مارینٹا کی زلف گرہ گیر کی گرفت سے آزاد رہ کر آخری عمر میں پھر اسی کند جادو اون میں اسیر ہو گیا تھا یا ندیمان سلطنت کے چلتے ہوئے خوشامد آمیز فقروں نے میدان جنگ کے خطرات اس کے دل میں پہلے کی طرح اب بھی پیدا کر دیے تھے؟

عصبیت اور مذہب کی قوت

حقیقت یہ ہے کہ اعمال انسانی کے ان حرکات کو جن کی نہ میں فطرت کا سب سے زیادہ مقدس اور زبردست جذبہ یعنی مذہب چھپا ہوا ہوتا ہے مورخین یورپ عام طور پر نظر انداز کر دینے کے خواہ ہیں۔ اور گہن بھی اس کلیہ سے مستثنی نہیں۔ علامہ ابن خلدون نے کیا خوب لکھا ہے کہ انسانی جماعتوں کی طرح سلطنتیں بھی دست بر روزگار کا مقابلہ اس قوت عاقده سے کیا کرتی ہیں جس کا دوسرا نام عصبیت ہے۔ اور اگر عصبیت موجود نہ ہو تو پھر اس کی بہترین قائم مقام مذہب کی زبردست طاقت ہے جو محل کو ممکن کر دکھاتی ہے۔ سہمن جسے ابن خلدون کی عقلی یادگار تسلیم کرنے میں مغربیوں کی اتنا نیت کو عار نہیں اگر اس حکیمانہ اصول سے بے اعتنائی نہ کرتا تو اس استدلائی ضغط میں پڑنے سے بچ رہتا جس میں ہر قل کی سیرت کی انوکھی خصوصیات نے ڈال رکھا ہے۔

ہر قل کا جوش نہ ہی

اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو صاف نظر آجائے گا کہ خسرو پرویز کے غلبہ نے دولتِ مشرقی کے مفتوحہ علاقوں میں بھوسیت کا اقتدار بڑھا کر میہمت کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس خطرے کے احساس نے پیشوایانِ کلیسا میں جن کا عوامِ الناس پر بہت بڑا اثر تھا ایک نئی روح پھونک دی تھی اور ان کے تمام اختلافات مٹا کر آتش پرستی کے مقابلہ میں مسیحیوں کی تمام بکھری ہوئی توتوں کو سمیت کر ایک نقطہ پر جمع کر دیا تھا۔ یہی احساسِ ہر قل کی بیداری کا باعث ہوا اور جب تیش و غفلت کی کینچلی اتار کر اس نے ایک مٹھی بھر فوج کی کمان ہاتھ میں لی جس کی خسرو کے ان گنت لشکر کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہ تھی تو اس کے نہ ہی جوش کے کرشمتوں نے ایک دنیا کو محو حیرت کر دیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ملائکہ مقربین اس کی تائید کے لئے میدانِ جنگ میں موجود ہیں اور اس کی زبان پر الفاظ بھی ایسے جاری ہو جاتے تھے جو کہ خاصانِ خدا ہی کے منہ کو زیب دیتے ہیں۔ دشمن کی بے شمار تعداد دیکھ کر جب اس کی جماعت قلیل ڈانواؤں کی ہونے لگتی ہے تو وہ یہ کہہ کر ان میں ایثار و فدیت کا ایک فوق العادت جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ ”دشمنوں کی کثرت سے ہر انسان نہ ہو۔ خدا کی تائید اگر شامل ہو تو ایک روی ہزار عجیبوں پر غالب آ سکتا ہے لیکن اگر ہمارے بھائیوں کی نجات کا کفارہ ہماری قربانی ہی سے دیا جا سکتا ہے تو پھر شہادت کا چمکتا ہوا تاج ہمارے سر پر ہو گا اور خدائے پاک اور آنے والی نسلیں ہمیں وہ اجر دیں گی جسے زوال نہیں۔“

اسلام کے ساتھ تصادم

ہر قل کے اسی پاک اور زبردست جذبے نے متعدد معرکوں میں خروپرویز کو نیچا دکھایا۔ لیکن جب اس کا کھویا ہوا اقتدار بحال ہو چکا تو اس کا مقابلہ اسلام کی اٹھتی ہوئی طاقت سے ہوا۔ مذہبی جوش کی اس میں اب بھی کمی نہ تھی لیکن دوسری طرف دینی حرارت کا ایک آفتاب عالم سوچتا جس کے آگے اس جوش کی حقیقت ایک ٹھنڈاتے ہوئے دیے سے بڑھ کر نہ تھی۔ مگر جس چیز کو ہر قل کے اوآخر عہد میں اس کی ”اوہام پرستی“ سے تبیر کرتا ہے وہ اصل میں اس کا یہ اعتقاد تھا کہ اسلام ایک طاقت ہے جس پر زمین کی کوئی طاقت غالب نہیں آسکتی۔ اسی خیال کا اظہار رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک وصول ہونے پر ہر قل نے ابوسفیان کے سامنے کر بھی دیا تھا اور اگر کلیسیا کے ارباب حل و عقد کی مخالفت سنگ راہ نہ ہوتی تو وہ غالباً دولت اسلام سے مشرف ہو گیا ہوتا لیکن یہ سعادت اس کی قسمت میں نہ تھی۔ اس کے پہلو میں اب صرف ایک ایسا دل رہ گیا جو پیغمبر آخر الزمان کی مامور منہی کے یقین کو بطارقہ کی ناراضگی کے خوف اور تاج و تخت کی باہمی کشکش میں زبان پر نہ لاسکتا تھا۔ اس دماغی حالت کے ساتھ اگر وہ اس بلندی سے جس پر اسے میسیحیت کی خدمت نے پہنچایا تھا اگر کرو، ہی ہو گیا جو پہلے تھا تو اس میں تعبہ ہی کیا ہے۔

صداقت اسلام کی دلیل روشن

مذہبی پیرا یہ میں یہی حقائق اس طرح ادا کئے جائیں گے کہ وہ حاصل آفرینش، وہ خلاصہ موجودات، وہ جمعت حق کی شان نہائی، وہ خداۓ قدر کی رحمتوں کا مظہر اتم جس نے خلیل آذر کی دعاؤں کی آغوش موسیٰ عمران کی شہادتوں کی گودا اور عیسیٰ مریم کی بشارتوں کے گھوارہ میں پروش پائی تھی، بنی آدم کو درس حقیقت دینے کے لئے اس دنیا میں بحمد غصری موجود تھا۔ اس کی زبان غیب ترجمان سے اس واقعہ آئندہ کا تحدی کے ساتھ اعلان ہو چکا تھا کہ دس سال کے اندر اندر ہزیست خورده روم پھر غالب آجائے گا۔ خدا کا یہ وعدہ مل نہ سکتا تھا۔ اور ضرور تھا کہ وقت مقررہ پر اس کا ایفا ہو۔ جب وقت آیا تو مغلوب روم کے غلبہ کے سامان بھی غیب سے خود بخود پیدا ہو گئے۔ ہرقل کی فطرت یک بیک بدلوی گئی۔ وہ پست ہمت تھا۔ بلند ہمت کر دیا گیا۔ ست تھا چست بنا دیا گیا۔ عیش پسند تھا جفاکش ہو گیا۔ تن آسانی کا آرزو مند تھا۔ شہادت کی تمنا کرنے لگا۔ ان مجرمانہ قوتوں کے ہوتے ہوئے ممکن نہ تھا کہ اسے فتح نہ ہو۔ خدا نے اپنے وعدے کے مطابق اسے فتح یا ب کیا اور مزید سعادت کے حصول کا یہ موقع بھی بخشنا کہ سرور کوئین کا نامہ بر اس کے دربار میں دعوت اسلام لے کر آیا۔ لیکن یہ گھر آئی ہوئی دولت اس نے قبول نہ کی اور اس کفران نعمت کی پاداش میں وہ پھر اسی پیشی دزبون حالی کے قدر میں دھکیل دیا گیا جس سے خدا کے فضل نے اسے نکالا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہرقل کے سیرت میں اولوالا باب کے لئے صداقت اسلام کی روشن نشانیاں اسی طرح بکھری ہوئی ہیں جس طرح اندر ہیری رات میں چمکتے ہوئے ستارے۔

ایفائے وعدہ رب ابی

وَعْدُ اللَّهِ لَا يَخْلُفُ اللَّهُ وَعْدَهُ

صلح کی خدا داد مہلت کو غنیمت سمجھ کر ہر قل نے ایک آخری جان گسل حملے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن عجم کے مقابلہ کا اہتمام دولت مشرقی کے لئے موجودہ حالات میں کچھ آسان نہ تھا۔ گزشتہ بیس سال کے مسلسل معروکوں میں کار آزمودہ فوجیں کث پچی تھیں۔ خزانہ بھی خالی ہو چکا تھا اور سلطنت کے بدر جہا گئے ہوئے محاصل میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ خرسو کو سالانہ خراج کی مقررہ رقم بھی ادا کی جائے اور مجوزہ جنگ کے بیش قرار مصارف کے لئے بھی ضروری رقم پس انداز کی جاسکے۔ یہ مشکل ان دینیوں نے رفع کر دی جو خرسو کے غارنگر ہاتھ کے تصرف سے فتح رہے تھے۔ پادریوں سے ہر قل کا یہ وعدہ تھا کہ جس قدر رقم سلطنت اور مذہب کی اغراض کے تحفظ کے لئے کلیسا اس وقت دے گا وہ بطور ایک مقدس قرضہ کے سمجھی جائے گی جس کا وہله اول میں ادا کرنا حکومت کا فرض ہوگا۔ کلیسا کا اپنے ماں وقف سے دست بردار ہونے پر آمادگی ظاہر کرنا گویہ دست برداری عارضی ہی کیوں نہ ہواں کی عام روایات کی موجودگی میں گویا گوشت کا ناخن سے جدا ہوتا تھا۔ دنیوی اقدارات میں حصہ لینے کے بعد سے کلیسا عیسوی کے اساقفوں اور بطریقوں کی زر پرستی نے بہت کم گوارا کیا ہے کہ ان کی سینت سینت کر رکھی ہوئی دولت بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی قوم کے کام آئے۔ یورپ کی مادہ پرستی کا سب سے بڑا محسن چارلس مارٹل ہے جس کی قوت بازو نے فتوحات عرب کے سیلاں کو فرانس کی

غلبہ سعیم 143

وادیوں میں ہمیشہ کے لئے آگے بڑھنے سے روک دیا ورنہ آج شاید لندن اور پیرس کے میناروں سے بھی نفرہ توحید بلند ہوتا ہوا سنا جاتا لیکن جناب پاپائے روم کی بارگاہ سے چارلس مارٹل کے حق میں جہنم کے عذاب مخلد کے ساتھ کلیسیائے عیسوی کی ابدی لعنیتیں محض اس خط پر تجویز ہو چکی ہیں کہ مسلمانان اندرس کا مقابلہ کرتے وقت اس نے جنگی مصارف کے لئے کلیسیائے فرانس کی دولت پر دست تصرف دراز کرنے کی جوأت کی تھی۔ اپنی اس عام روشن کے خلاف پادریوں کا کلیسیا کی دولت بطیب خاطر ہر قل کے حوالہ کر دینا ظاہر کرتا ہے کہ حالات کی زیارت کے احساس سے قلوب میں اضطراری کیفیات کس حد تک متلاطم ہو رہی تھیں۔

مالی پریشانیوں سے نجات پانے کے بعد ہر قل نے ایشیائی اور یورپین رنگروٹوں کی بھرتی سے ایک نئی فوجی جمیعت مرتب کرنی شروع کی جو چند میہنے کی قواعد آموزی کے بعد اگرچہ صفت آرائی کے قابل تو ہو گئی لیکن ان قدیم تربیت یافتہ اور جنگ آزمودہ افواج سے کسی طرح لگانے کا سختی تھی جو کبھی ایرانی فوجوں کے مقابلہ میں دادشجاعت و پامردی دیا کرتی تھیں۔

عجمیوں کے مقابلہ پر روانہ ہونے سے پہلے اواروں کا ہموار کر لیتا لازی تھا جوابی تک قتلیں کی طرف سے قسطنطینیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ پرانی ڈلوں اور رزوایوں کی طرف سے خالی الذہن ہو کر ہر قل نے نئی منتوں اور بجا جتوں کے ساتھ چاغاں کو اپنی سر پرستی پر مائل کرنا چاہا۔ ان چکنی چپڑی باتوں کا تو اس حصی پر کیا اثر ہو سکتا۔ البتہ دولاکھ اشرنبوں کی سفارش کام کر گئی اور اواروں کی مخالفانہ سرگرمیاں کچھ دیر کے لئے رک گئیں۔

۲۲۳ء کے موسم بہار میں ایسٹر کا ہوا رہنا کے بعد ہر قل نے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ قسطنطینیہ کی تمام آبادی اس وقت دینی حرارت اور وطنی حمیت کے جذبات سے سرشار تھی۔ قیصر نے جب قبائے ارغوانی کی جگہ ایک معمولی صلبی مجاہد کا سادہ لباس پہن کر بھرائی ہوئی آواز میں اپنے اہل و عیال کے ناموں کی امانت قوم کے پر دکی تو کوئی آنکھ نہ

غلبہ ستم = 144 =

تھی جس میں یہ نظارہ دیکھ کر آنسو نہ ڈبڈبا آئے ہوں اور کوئی دل نہ تھا جس میں جاں فروشانہ عقیدت کی لہر نہ دوڑ گئی ہو۔ حکومت کا انتظام ہر قل نے ان ارکان دولت کو تفویض کیا جن کی قابلیت اور دیانت پر اسے پورا بھروسہ تھا اور قسطنطینیہ کے بطریق اعظم اور مجلس عالیہ طیہ کو اختیار دے دیا کہ اگر اس کی غیبت میں دشمن کی قوت قاہرہ سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی سبیل باقی نہ رہی تو بدرجہ مجبوری پا یہ تخت کی حوالگی میں بھی مضافہ تھے کیا جائے۔

ہر قل کی جانبازی کو حالات کی نزاکت نے احتیاط کا سبق سکھا دیا تھا۔ ایرانی افواج پر جن کی چھاؤنیاں ایشیائے کوچک میں جا بجا قائم تھیں اگر وہ بے تحاشا آگے بڑھ کر قسطنطینیہ کے قریب ہی حملہ کر دیتا تو ایک ہی لکست دولت مشرقی کا نام و نشان صفحہ، ستی سے منادیئے کے لئے کافی تھی۔ اسی لئے اس نے مقابلہ کے لئے کوئی ایسا میدان تجویز کرنا مناسب سمجھا جو پا یہ تخت سے دور ہونے کے ساتھ جنگی نقطہ نظر سے بھی اس کے مفید مطلب ہو۔ اس وقت بھری قوت نے بڑا کام دیا۔ خشکی کی راہ سے غنیم کی طرف پیشہ دی کرنے کی بجائے روی فوج جہازوں پر سوار ہو کر قسطنطینیہ سے دردناکی کی طرف روانہ ہو گئی۔ اور ایک کامیاب بھری سفر کے بعد روی بیڑا خلیع اسکندر رونہ میں اس مقام پر لنگر انداز ہوا جہاں صوبہ سلیھیا کی سرحد ارض شام سے ملتی ہے۔ اس موقع کا انتخاب ہر قل کی پہ گرانہ بصیرت کی ایک روشن دلیل ہے۔ تمام ان بھری مقامات کی تلعہ بند فوجیں جو خرسو کے جیٹے اڑا میں نہ آسکتے تھے ہر قل کی سکن کے لئے اس مرکزی مقام پر آسانی پہنچ سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ سلیھیا کے پہاڑی علاقہ کی طبعی بیست بھی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر پہاڑ ایک قدرتی قلعہ ہے اور ہر وادی ایک حصہ راعیت ہے۔ اس جگہ جہاں ہر قل نے اپنا فوجی پڑاوا ڈالا وہی تاریخی مقام تھا جہاں اسکندر نے دارا کی فوجوں کو ساز ہے نوس سال قبل لکست دی تھی اور ہر قل کو موقع حاصل تھا کہ یہاں سے ایشیائی یا ارمنی یا شامی ولایت میں سے جس ولایت پر چاہتا حملہ آور ہوتا اور اپنے اصلی عندیہ کو چھپانے کے لئے حملہ کا رخ دفتہ بدلت دینے سے دشمن کی جنگی تدبیروں کا پاسہ

اپنی مرضی کے مطابق پلٹ دیتا۔

آنے والے معزک کے لئے روی فوجی کی تربیت میں ہر قل کی طرف سے جن گوتا گوں کمالات کا اٹھا رہا انہوں نے نہ صرف فن حرب میں اس کی بصرانہ مہارت کا ثبوت دیا بلکہ اس کی مدبرانہ عظمت پر بھی مہر تو شق ثبت کر دی۔ اس کی چھاؤنی فوجی نقل و حرکت اور مصنوعی حرب و ضرب کا ایک وسیع میدان عمل بن گئی جس میں سپاہیوں کو جارحانہ اور مدافعانہ جنگ کے تمام طرق و اسالیب کی عملی تعلیم ہر روز دی جاتی تھی۔ ہر قل اپنے سپاہیوں کا معلم آپ تھا اور تمام وہ محنت شاقہ اور پابندی قواعد جو حیات عسکری کا لازمہ ہے اس نے اپنے اوپر نہایت سختی سے لازم کر لی تھی۔ کوئی قاعدہ ایسا نہ تھا جو فوجی ضابطہ کے رو سے سپاہیوں پر عائد ہوتا ہو اور ہر قل نے ذاتی امتیاز کی بنا پر اپنے آپ کو اس سے مستثنی قرار دیا ہو۔ وہ خود بھی وہی خوراک کھاتا تھا جو ایک معنوی سپاہی کو ملتی تھی۔ اس کے سونے اور جان گئے کام کرنے اور ستانے کے اوقات بھی وہی تھے جو سپاہیوں کے تھے۔ یہ مساوات جو فلسطین اعظم کے جانشین کو ایک ادنیٰ لشکری کی سطح پر لا کر روی فوج کے دل میں اپنے سپہ سالار کی طرف سے سرو فروشانہ عقیدت کا ایک انہت جذبہ پیدا کر رہی تھی صرف جسمانیات تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ اس سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ ہر قل اہل فوج سے جب خطاب کرتا تھا تو انہیں اپنے بھائی اور بیٹے کہہ کر بات بات میں ان کا دل چھین لیتا تھا۔ ایک موقعہ پر اس نے تک علیہ السلام کا ایک مجسمہ بے نقاب کرتے ہوئے حق خطابت اس طرح ادا کیا کہ عزیزان من! کیا تمہاری مذہبی غیرت اور دینی حیثیت مسیحیت کی اس مقدس علامت کی توہین گوارا کر سکتی ہے؟ کیا تم اپنی خانقاہوں اور عبادت گاہوں کو لٹھنے اور بر باد ہوتے دیکھ کر صبر کر سکتے ہو؟ کیا تم نے آگ کے پچاریوں کے نجس قدموں سے اپنے گرجاؤں کے پاک فرش کی آلووگی کا جاں خراش نظارہ نہیں کیا؟ کیا تم نے ان آتش پرستوں کے ناپاک ہاتھوں سے اپنے وطن مقدس کے ناموس کو بر باد ہوتے نہیں دیکھا؟ پھر کیا تم ان تمام وحشیانہ سفا کیوں ان تمام غار تگرانہ دراز دستیوں کا

غلبة ستم = 146

انتقام لے کر اس دھبے کو اپنے دامن سے نہ چھڑاؤ گے جو تمہارے شرف و مجد کی اجمل روایات کے لئے سرمایہ صد ہزار تیرگی و ظلمت ہے؟ یاد رکھو کہ تم آزاد ہو اور ایک حشی قوم تمہارے کان میں حلقة غلامی ڈالنا چاہتی ہے۔ پس تمہارا فرض ہے کہ علم حریت بلند کئے ہوئے آگے بڑھو اور حصول آزادی میں جانیں لڑادوا!

ہر قل کی ان تھک سرگرمیوں نے ایک مدت قبیل میں جوخت کوش پر جوش اور سر فروش جمعیت اس طور پر تیار کر لی اس کے تیور کہے دیتے تھے کہ خسرو پرویز کے کار آزمودہ لشکر کا مقابلہ اب کی مرتبہ اپنی لٹکر کے حریف سے ہو گا۔

زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ ایک زبردست ایرانی فوج سلیھیا کی سرحد پر نمودار ہو کر دولت مشرقیہ کی قست آزمائی کی ساعت قریب سے آئی۔ رومیوں کی غیر معمولی تیاریوں نے ایرانیوں کو بھی چوکنا کر دیا تھا اور ان کا پہ سالار خوب جانتا تھا کہ کوہستان طارس میں حریف ایک ایسے دشوار گزار موقع پر قابض ہے جہاں اسے ہر طرح کی فوکیت حاصل ہے۔ اسی لئے ایرانی فوج کے رسالوں کو آگے بڑھنے میں پس و پیش تھا۔ حریف کے اس تامل و تذبذب سے فائدہ اٹھا کر ہر قل ایک نئی چال چلا۔ اپنی صفت سنتہ فوج کے جگلی محاذ کو بدستور قائم رکھتے ہوئے اس نے فوج کا ایک دستے جرار پچکے سے ایرانی فوج کے عقب میں پہنچا دیا۔ پھر معا اپنا محاذ بدل کر آرمیہ کی سمت میں بڑھنا شروع کر دیا۔ نقل و حرکت کی اس رنگارنگی سے رومی فوج میں بظاہر ایک بے ترتیبی ہی پیدا ہو گئی جس کی معنوی نوعیت کو ایرانی پہ سالار کی فریب خوردگی نے حقیقت پر محمول کیا۔ اور اسی دھوکے میں آ کر اس نے اپنی فوج کو جملہ کا حکم دے دیا۔ ہر قل کی عاقبت شناسی اسی نتیجہ کی منتظر تھی۔ اب جو ایرانی فوج آگے بڑھی تو زمین سنگلاخ اور ناہموار تھی۔ سورج سیدھا آنکھوں کے سامنے تھا اور کامیابی کی امید پشت پڑھی۔

دونوں حریف آپس میں گھٹ گئے۔ گھسان کارن پڑا۔ سلیھیا کی زمین جو قدیم یام سے سلطنتوں کے خون کی پیاسی چلی آئی ہے اس دن خوب سیراب ہوئی۔

غلبة ستم 147

ایرانیوں نے دل کھول کر داد شجاعت دی لیکن تقدیر سے لٹنے کا بوتا کس میں ہو سکتا ہے۔ کار فرمائے قضا و قدر کی تائید روم کے حق میں تھی اور خدا کا اعلیٰ وعدہ پہلے سے ہو چکا تھا کہ اس دن رومیوں کو غلبہ دیا جائے گا۔ ایرانی فوج نے شکست فاش کھائی اور ہر قل مظفر و منصور ہوا۔

(۲) بدر

مشیت ایزدی جس طرح سلیمانیا میں کر شدہ تھے ہوئی اسی طرح حجاز میں بھی برداشت کار آئی۔ اس کی داستان بدر میں دہرائی جا رہی تھی اور خدا کا یہ قول پورا ہوا تھا کہ جس دن رو میوں کو غلبہ عطا کیا جائے گا اسی دن مسلمانوں کو بھی فتح نصیب ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کے شعب ابوطالب میں محصور ہونے کے وقت سے لے کر اب تک سال کا زمانہ منقضی ہو چکا تھا اور اس عرصہ میں بے بصروں کو بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ اگرچہ سفر مشکل ہے نشیب کا تسلسل سنگ راہ ہے رستہ طرح طرح کے خطروں سے گمراہ ہوا ہے لیکن قافلہ سالار اسلام کا ہر جادہ شناس قدم اس منزل میں آگے ہی کی طرف پڑتا ہے جسے اس کی رسائی سے دنیا جہاں کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

بنو هاشم کو مصیبیں اٹھاتے اور کڑیاں جھیلتے ہوئے تین سال گزر چکے ہیں اور ان مصائب کا نظارہ ایسا جاں خراش ہے کہ خود قریش بھی اس کی تاب نہیں لاسکتے۔ وہ ہاشمیوں کے مقاطعہ سے خود ہی دست کش ہو جاتے ہیں اور آخر ان زندانیان حق کو دنیا کی کھلی ہوانصیب ہوتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی آزمائش کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ شعب ابوطالب کی قید و بند سے نجات ملتی ہے تو ابوطالب دامنی مفارقت کا داغ دے جاتے ہیں اور یہ داغ ابھی تازہ ہی ہے کہ خدجہ الکبریٰ بھی آپ سے ہمیشہ کے لئے پھر جاتی ہیں۔ قریش کی جفاوں اور ایذاوں کا حملہ جو چند دن کے لئے رک گیا تھا تی آمادگی کے ساتھ از سرنو شروع ہو جاتا ہے جس کے دفاع کے لئے اب نہ ابوطالب کی ففیقانہ جان ثاریاں موجود ہیں نہ خدجہ الکبریٰ کی دل نواز اند نغمگساریاں۔ کفر کی سطوت نے آپ کو مکہ میں

دعوت و ارشاد کے فرض کی انجام دہی سے جرأۃ وک رکھا ہے۔ مگر نبی اپنے فرض کی بجا آوری سے باز نہیں آسکتا۔ آپ تن تقدیر گھر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور طائف تشریف لے جاتے ہیں کہ شاید اسی کو آوازہ ایمان کی شناوائی کی توفیق دی گئی ہو۔ یہاں آپ کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو آپ سے پہلے اور انبیا کے ساتھ اپنے اپنے زمانہ میں ہوتا رہا ہے۔ آپ جھٹلائے جاتے ہیں، آپ کا مصنوعہ اڑایا جاتا ہے، آپ پر رستے کے دونوں طرف سے خاک ڈالی جاتی ہے، آپ پر پھر بر سائے جاتے ہیں یہاں تک کہ آپ کی پنڈلیاں اور ایڑیاں الہولہاں ہو جاتی ہیں۔

کائنات اپنے آفرید گار کے ناموس کی اس توہین سے کانپ اٹھتی ہے۔ فرشتے بے تاب ہیں کہ رب العزت کی غیرت انہیں اشقیائے طائف کا تختہ اللہ دینے کا اشارہ کرے۔ آسمان بے قرار ہے کہ اپنے نیلگوں جو سے صاعقةٰ تہرذوالجلال کی ایک کڑک بھیج کر کفار مکہ کا نام و نشان صفوہ ہستی سے منادے۔ زمین مغضرب ہے کہ سارے عرب میں زلزلہ ڈال کر کفر کی ان بے محابا شوخیوں کے ضم کدے کو پیوند زمین کر دے۔ ایک بد دعا یہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ ایک آہ سے عالم تہ وبالا ہو سکتا ہے لیکن وہ جو دونوں جہاں کے لئے رحمت بن کر آیا ہے اپنے دشمنوں کو نہ کوستا ہے نہ سراپا ہے بلکہ اللہ ان کے حق میں دعا کرتا ہے کہ خدائے رحمٰن و رحیم انہیں تمیز حق و باطل کی توفیق بخشدے۔

اپنی دعا کی استجابت پر اسے یہاں تک بھروسہ ہے، خدائے بزرگ و برتر کی تائید غیری کا اس حد تک یقین ہے اور اسلام کے غلبہ کی موعدہ ساعت پر ایسا ایمان ہے کہ جب ایک تم رسیدہ صحابی کی طرف سے قریش کے حق میں بد دعا کی درخواست پیش ہوتی ہے تو وہ جیسی بھیں ہو کر کہتا ہے۔ ”اگلے وقت میں ایسے لوگ بھی ہو گزرے ہیں جن کے سر پر کلمۃ الحق کے اعلاء کی پاداش میں آرے چلائے گئے مگر انہوں نے اف تک نہ کی اور آخر وقت تک اپنا فرض انجام دیتے رہے۔ تم سے یہ معمولی سختیاں بھی نہیں سمجھی جاتیں۔ خوب جان لو کہ خدائے اپنے اس کام کو پورا کر کے رہے گا تاکہ آنکہ شتر سوار حیرہ سے حضر

موت تک کا سفر کرے گا اور رستہ میں بھر خدا کے اسے اور کسی کا ذرہ نہ ہوگا، "غلبہ اسلام کی یہ صبح اولین جس کی روشنی پر دہ غیب سے چھن چھن کر اس کی چشم جہاں میں میں پڑ رہی ہے اس کے رفیقوں کو بھی اپنی بھار دکھانے والی ہے اس لئے کہ عرش سے لے کر فرش تک شور چاہوا ہے کہ الا ان نصر اللہ قریب۔

یہ نصرت پیرب کی ایک سلیم القلب جماعت کی شکل میں نمودار ہوتی ہے جولات و منات کے دوسرا پرستاروں کی طرح طواف کعبہ کے دن کے لئے آئی ہے لیکن اسلام کے جمال جہاں آ را کے ایک ہی نظارہ سے بے خود ہو کر پکارا گھٹی ہے۔ ربنا اتنا سمعنا منا دیا یہ نادی للا یمان ان امنو بربکم فاما نا۔ یہ لوگ بیگانے ہو کر آئے تھے مگر لیگانے بن کر جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس گھڑی کے انتظار میں چشم براہ ہیں جب ام لقریٰ کے حوالی کی ازی بُرکت سرور کون و مکان کے قدموں سے لگی ہوئی ان کی بیستی میں آنے والی تھی اور ناموس رسالت کی حفاظت میں وہ جان و مال زن و فرزند عیال و خانماں سب کچھ قربان کر دینے کے لئے آمادہ ہو جانے والے تھے۔

فرزندان اسلام جن کی بیکسی کبھی جہش کی میکھی سرز میں میں سرچھپانے پر بجور ہوئی تھی اب کفر کی آنکھ بچا کر دارالاسلام مدینہ کا عزم کرتے ہیں اور آخر میں ان کا سردار ملائکہ و مقریبین کی مدد سے دشمنان دین کے قاتلانہ منصوبوں کو زک دے کر رات کی تاریکی میں اپنے نئے وطن کی طرف ہجرت کر جاتا ہے۔ اس سفر میں اس کے صرف دور فیق ہیں ایک صدیق اکبر ~~و سردار ارب اکبر~~۔

مدینہ اپنی خوبی تقدیر پر نازان ہے کہ وہ انعام عظیم جو جگر گوشہ خلیل اللہی کے لئے تجویز ہوا تھا چار ہزار سال کے انتظار کے بعد آخر سے نصیب ہوا۔ مدینہ یہ دیکھ دیکھ کر جامہ میں پھولانہیں سماتا کر نبوت نبی اسرائیل کے خاندان سے رخصت ہو کر بنا سماعیل کے گھر حلی آئی ہے اور اس گھر کے لئے ایشیں خاک پیرب سے تیار کی جا رہی ہیں۔ مدینہ جوش سرست سے بے خود ہے کہ پیغمبر آخر الزمان اک ایسی عظیم الشان دینی دنیوی

سلطنت کی بنیاد رکھنے آئے ہیں جو کسی قوم کو اس سے پہلے نہ تھی اور نہ آئندہ ملے گی۔ لیکن ابھی تک ظاہر بین نظر سے اس عدیم المثال سلطنت کے آثار غائب ہیں نہ تو کوئی تربیت یا فتوح دکھائی دیتی ہے جس کی تفعیل آزمائی کشور کشانی کی تمہید قرار دی جاسکے نہ زخارف دنیوی ہی موجود ہیں جن کا لامع دے کر کوئی ایسی شمشیر زدن جماعت تیار کی جاسکے۔ صرف چند فاقہ مست لفوس نظر آتے ہیں جنہیں بھوک ستائی ہے تو پھیٹ پر پھر باندھ لیتے ہیں۔ تن ڈھکنا ہوتا ہے تو چیھڑے لگا لیتے ہیں۔ البتہ جب کفر ان کی بے سروسامانی پر ہستا ہوا ان کا نام و نشان پوچھتا ہے تو بڑے فخر سے یہ آسمانی الفاظ دہراتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔

محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار حماه بينهم تراهم
ركعا سجدا يتبعون فضلا من الله و رضوانا سيما هم في وجوههم من اثر
السجود ذلك مثلهم في التورات ومثلهم في الانجيل كزرع اخراج
شطاءه فازره فاستفلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغفظ بهم
الكافر وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجر اعظميما.
”تم جاننا چاہتے ہو کہ خدا کے رسول محمد اور ان کے رفیقوں کے اوصاف کیا ہیں۔
لوگنے جاؤ۔ ان کی نشانیاں یہ ہیں کہ جب پرستاران کفر کے مقابلہ کا وقت آتا ہے تو وہ
ان دشمنان خدا پر بختی سے ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے سے سلوک
کرتے وقت سراپا رحم و لطف بن جاتے ہیں۔ وہ خدا کے آگے جھکتے ہیں اور اسی کے
حضور میں سجدہ کرتے ہیں۔ وہ خدا سے فضل و کرم کا انعام مانتے ہیں اور خدا ہی کی رضا
جوئی میں مشغول رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے پروردگار کو اتنے سجدے کئے ہیں کہ ان کی
پیشانیوں پر گھٹے پڑپڑ گئے ہیں۔ تورات اور انجیل کی ورق گروانی کرو گئے تو ان کے بھی
اوصاف تمہیں صاف نظر آئیں گے۔ ان کی مثال اس سمجھتی کیسی ہے جو اول اول زمین
سے ایک نسبتی سوئی کی شکل میں نکلے پھر بڑتی اور پیچتی ہوئی اپنے سہارے کھڑی ہو

غلبة سعدم 152

جائے اور اس کی بہار دیکھ کر کاشنگا رتو باغ باغ ہو جائے لیکن کفار حسد کی آگ سے جل کر کوٹلہ ہو جائیں۔ اسی جماعت کے ان لوگوں کے ساتھ جن میں ایمان بالغیب اور اعمال صالح کی خصوصیات موجود ہیں خدا نے ایک عظیم الشان دینی اور دنیوی سلطنت کا وعدہ کیا ہے۔“

کفار مکہ کی غیظ آسود عداوت غریب الوطن مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چھین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ یہ خیال کہ محمد ان کی بے نیام تکواروں کے حلقة میں سے ان کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے نوہ نجع نکلے قریش کے سینے پر سانپ بن کر لوٹ رہا ہے۔ وہ پہلے انصار سے اپنے دشمن کی حوالگی کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب اس طرح کام نہیں نکلتا تو ایک لشکر جرار لئے ہوئے مدینہ پر چڑھ دوڑتے ہیں کہ اس چراغ ایزد افراد کو جسے ان کی سیزوہ سالہ پف زنی گل نہ کر سکی تھی اس جھکڑ کے ایک ہی تپھیرے سے بچا دیں۔

قریش کو اپنی مہم کی کامیابی کا پورا یقین ہے اور دنیاۓ عرب بھی اس یقین میں ان کی شریک ہے۔ اس لئے کہ دنیوی طاقت میں حریف ان کا پاسگ بھی نہیں۔ مکہ کی ساری تجارتی دولت ان کی مٹھی میں ہے۔ ان کی فوج جرار کا ایک ایک پہلوان ہزار سوار پر بھاری سمجھا جاتا ہے۔ عرب کے تمام جنگ جو قائل ان کے حليف یا ہم درد ہیں۔ رہی کہی کی مدینہ کے طاقتوں یہودیوں اور بااثر منافقوں کے غدارانہ طرز عمل نے پوری کردی ہے جن کی علاویہ مختلف اور خفیہ ریشه دو ایساں مسلمانوں کا زور گھٹا کر کفار مکہ کے لئے مزید تقویت کا موجب بن گئی ہیں۔

غنیم کی ایک ہزار غرق آہن سپاہ کے مقابلہ پر جس میں سو سواروں کا ایک رسالہ بھی شامل ہے پہ سالار اسلام صرف تین سو تیرہ جان شمار لے کر میدان بدر میں پہنچتا ہے۔ ان کے ساز و سامان کی یہ کیفیت ہے کہ اتنے بڑے معزک کے لئے فقط دو گھوڑے بہم پہنچا سکتے ہیں۔ اکثر کے پاس پورے ہتھیار بھی نہیں۔ نیزہ ہے تو تکوار نہیں۔ تکوار ہے تو ڈھال نہیں۔ ان تین سو تیرہ میں بھی جو کفر کو تین تیرہ کرنے کے لئے گھر سے نکلے

ہیں مہاجرین صرف سائھ ہیں اور قریش کی خود پرستی اپنا حقیقی مقابل انہیں کو سمجھتی ہے۔ انصار ان کے نزدیک کسی شمار و قطار ہی میں نہیں کہ کھیتی باڑی کرنے والوں کو میدان جنگ سے کیا سروکار!

دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی ہیں۔ رات کا سیاہ پردہ نجع میں لٹکا ہوا ہے کہ یہ اٹھے تو ہنگامہ کارزار گرم ہو۔ ساری تھکی ماندی مخلوقات سوئی ہوئی ہے۔ صرف ستارے جاگ رہے ہیں یا اسلام کا شب زندہ دار پاسبان بستر پر پڑا کروٹیں بدل رہا ہے۔ آج رات اسے نیندا آبھی کس طرح سکتی ہے۔ کل صحیح فرزندان تو حید کی موت و حیات کا فیصلہ ہونے والا ہے اور فیصلہ کے انتظار کا ایک ایک لمحہ جاں فرسا ہے۔

طلوع صحیح کے ساتھ اس فیصلہ کی ساعت سر پر آپنچی ہے۔ حضور سرور کائنات اپنی فوج کی صفائی خود آراستہ فرماتے ہیں۔ صحابہ سے ارشاد ہوتا ہے کہ نعمیم کے جارحانہ اقدام کا جواب مدافعانہ خدگ افگنی سے دیا جائے۔ قریش جوش آفریں رجز پڑھتے ہوئے بے تحاشا آگے بڑھتے ہیں اور انفرادی شجاعت کی اس مبارز طلبانہ نمائش کے بعد جو ایام قدیم میں تمہید جنگ کا کام دیا کرتی تھی مسلمانوں پر ایک ساتھ اس بے جگہی سے گرتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے ان کی کثرت ہی میدان مار کر بازی لے جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نخت مضطرب ہیں۔ برسوں پہلے سے وعدہ ہو چکا ہے کہ اس دن مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوگا لیکن بشریت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ محیت کا عالم طاری ہے۔ بحدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ ساری رات یا حسی یا قوم پکارتے گزاری تھی۔ اب بغاۃ خضوع و خشوع فریاد کر رہے ہیں۔ الہی جو وعدہ تو مجھ سے کر چکا ہے آج پورا کر۔ الہی تیرے یہ مٹھی بھرنا ملیو اگر آج فنا ہو گئے تو پھر قیامت تک دنیا میں تیری پرستش نہ ہوگی۔ صحابہ کرام ﷺ سے جو پاس کھڑے ہیں خوجہ دو جہاں کی یہ بے تابیاں نہیں دیکھی جاتیں۔ ابو بکر صدیق ﷺ بے قرار ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ خدا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ جبریل امین ”افق الاعلَى“

سے اتر کر ”قاب قوین“ پر یا اس سے بھی قریب تر پاس ہی موجود ہیں اور عرش بریس کے پیغام کا جو مکہ میں لائے تھے کمر را عادہ کرتے ہیں۔ اب جو رحمۃ اللعائیں سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں تو چہرہ مارے خوشی کے چک رہا ہے اور زبان پر یہ الفاظ ربانی جاری ہیں۔

سیہزم الجمع ویولون الدبر.

رسول اللہ ﷺ خاک کی ایک مشینی اٹھا کر دشمنان اسلام کی طرف پھینکتے ہیں۔ بادلوں سے لدی ہوئی ہوا کا ایک تند جھونکا سے ازا کر قریش کی آنکھوں کی طرف لے جاتا ہے۔ ساتھ ہی ملائکہ کے جنود مجده بھی اسلام کی مک کے لئے آپنچھتے ہیں اور اگر چہ وہ نظر سے او جھل ہیں لیکن ان کا نورانی تصرف مسلمانوں کے تنخ آزمابازوؤں کو بھلی کی روکی طرح دوڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ آج سواتیرہ سوال کے گزرنے پر بھی چشم بصیرت صاف دیکھ رہی ہے کہ وہ کون سی قوت تھی جو اس دن بدر میں اپنے کر شے دکھا رہی تھی۔ معاذ ابن عضر النصاری جنہوں نے اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل کے قتل کا عہد کر رکھا ہے عبدالرحمٰن بن عوف سے اس کا پتہ پوچھتے ہیں۔ وہ اشارے سے بتاتے ہیں تو جھیٹتے ہیں اور ایسا ملا ہوا تھا لگاتے ہیں کہ ابو جہل خاک و خون میں لوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ ابو جہل کا پیٹا عکردہ پیچھے سے آ کر ان کے باہمیں شانے پر توار مارتا ہے بازو کٹ جاتا مگر تمہہ لگا رہنے سے لکھتا رہتا ہے معاذ اسی حالت میں لڑ رہے ہیں اور زخم کی وجہ سے جو درد ہو رہا ہے اسے مطلق خاطر میں نہیں لاتے۔ البتہ کچھ دیر کے بعد سوچتے ہیں کہ بایاں بازو غزال کے فرض کی بجا آوری میں ہرام ہو رہا ہے۔ جھک کر بایاں ہاتھ پاؤں کے نیچے رکھ دیتے ہیں۔ ایک جھلکے میں تمہہ بھی جدا ہو جاتا ہے اور آپ پورے اٹھینا سے پھر لٹنے لگ جاتے ہیں۔ کیا شجاعت کی تاریخ فنا فی اللہانہ استقامت کی ایسی مثالیں اسلام کے سوا کسی اور قوم میں پیش کر سکتی ہے۔ کیا وہ فوج جس میں یہ روح موجود ہو کبھی ہلکست کھا سکتی ہے۔

شیر اسلام حمزہ ابن عبدالمطلب کی تکوار قریش کے سر عسکر قتبہ کا خون شروع ہی میں

پی چکی ہے۔ شیر خدا علی مرتضیٰ جو بجائے خود ایک فون گراں ہیں عتبہ کے بھائی شیبہ کا سر اڑا پکے ہیں۔ جناب زیر کا تاریخی نیزہ رئیس المشرکین عبیدہ کے مغفرہ کو چھیدتا ہوا اس کی آنکھ میں ترازو ہو چکا ہے۔ مہاجرین و انصار کی میزانہ شجاعت متعدد سر برآورده کفار کو خاک و خون میں تڑپا چکی ہے۔ اب جو کفر کا آخری سہارا ابو جہل وار البوار کو سدھارتا ہے تو دشمن کی کمرہست بالکل ہی ثوث جاتی ہے۔ ستر مقتولین کی لاشیں میدان میں چھوڑ کر اور اتنے ہی قیدیوں کی گردنوں کا رشتہ کمند اسلام سے جوڑ کر قریشی راہ فرار اختیار کرتے ہیں اور اس طور پر وہ یادگار زمانہ عہد پورا ہو جاتا ہے جو خدا نے اپنے نبی سے باندھا تھا۔

ہرقل کا عروج

وكان وعداً مفعولاً

جس طرح فتح بدر اس فتح الفتوح کی تمہید تھی جو با محرم پر لوائے تو حیداً اکرساری دنیا کا سر اسلام کے آگے جھکا دینے والی تھی اسی طرح معز کراں جنگ نیوہ کا دیباچہ تھا۔ جس میں ہرقل دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور سلطنت کا غور رخاک میں مل کر ایک دن خود اسی طرح نیچا دیکھتے ہوئے اسلام کی فتحانہ عظمت میں چار چاند لگا دینے والا تھا۔ ایرانی فوج نے اگرچہ نکلت کھائی تھی لیکن یہ نکلت فیصلہ کرنے نہ تھی اور ہرقل خوب جانتا تھا کہ ساحل مراد تک پہنچنے سے پہلے اسے خون کے کٹنی دریا تیرنے پڑیں گے۔ سلیمانی میں جس عجیب لشکر کو عزیمت ملی تھی وہ خسرو کی ترکش کا صرف ایک تیر تھا۔ اور ایسے ایسے کٹنی تیرا بھی اس ترکش میں موجود تھے۔ جبل طارس کی بر فیلی چونوں پر سے گزر کر ہرقل نے قحطانیہ کا رخ کیا جہاں پہنچ کر اس نے ایک نئی مہم کی تیاریاں شروع کیں جس کے اقدام کی حیرت خیز جسارت سے انہی بعل اور سپیو کے قدیم کارنا موں کی یاد تازہ ہو گئی۔

کارخ تھج کا مشہور سپہ سالار ہنی بعل اپیں فتح کرنے کے بعد ۲۱۸ قبل مسیح میں خشکی کی راہ سے اٹلی پر حملہ آور ہوا تھا۔ اور رومتہ الکبریٰ چیزے زبردست حریف کی مراجحت کے باوجود کوہ الپس کی فلک بوس بلندیوں کو پندرہ دن میں عبور کر کے اٹلی کے قلب میں جا پہنچا تھا جہاں رومہ کے سب سے بڑے جرمنی سپیو کو نکلت فاش دے کر اس نے پندرہ سال سک دولت روما کو موت و حیات کی کشمکش میں جلا رکھا تھا۔ پھر سپیو نے بھی جسے تاریخ نے فاتح افریقہ کا لقب بخشنا ہے اپنے حریف کی کتاب الحیل کی ورق گردانی کرتے ہوئے

تری کی راہ سے کارنچ پر فوج کشی کی تھی اور اس کی کامیابیوں نے ہنی بعل کو مراجعت پر مجبور کیا تھا۔ آخر ایک خوزیر ہنگ میں سپیو کی پر گرانہ قابلیت کو بخت رسائی کی تائید میسر ہوئی تھی اور کارنچ کو ذلت آمیز شر انظ پر رومہ سے صلح کر لینی پڑی تھی۔

ہرقل نے بھی ان دونوں نامور سپہ سالاروں کے طرز عمل کا اتباع کرتے ہوئے ارادہ کر لیا کہ بغیرہ اسود اور آرمینیا کی راہ سے بالا بالا ایران کے قلب پر جا گرے اور اس طور پر خسرو کے گھر میں آگ لگا کر اس کے پیروںی مشغلوں کا خاتمه کر دے۔ لیکن ہرقل کو اپنے ان شہرہ آفاق پیش روؤں پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ ہنی بعل نے جب روما پر چڑھائی کی تو اس کی کمان میں اسی ہزار پیدل فوج اور ہزار ہزار سواروں کے دس رسائل تھے۔ سپیو کے پاس کارنچ پر جوابی حملہ کرتے وقت اتنی فوج تو نہ تھی مگر بہت کم بھی نہ تھی۔ لیکن ہرقل جب اپنی خطرناک ہم پر روانہ ہوا ہے تو اس کی قیادت میں صرف پانچ ہزار سپاہی تھے۔

اس قلیل انعداد مگر کار آزمودہ جمیعت کے ساتھ ہرقل نے پہلے کی طرح پھر قسطنطینیہ سے لنگ اٹھایا اور اس مرتبہ طرابزون کا رخ کیا۔ تمام ارمنی آبادی اس کی مدد کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آرمینیا کی مقاومی حکومت تاجدار ان سلسلہ اشکانیہ کے قدیم شان و شکوه کی ایک ہندلی ہے، یادگار تھی اور اردو شیر بابکاں کے وقت سے رومیوں اور ساسانیوں کی ترازوں کے رقات کا پانگ بنتی چلی آتی تھی۔ میحیت نے ابتداء سے یہاں قدم جمالے تھے۔ اس لیے آتش پرست کسری کے مقابلہ میں سمجھی قیصر کی سر پرستانہ حمایت اسے زیادہ پسند تھی۔ مارس نے بہرام چونیں کے استیصال کے صلہ میں ساحل رودارس تک ارمنی علاقہ اپنے توانع پر مسترد کرنے سے اس پسندیدگی کے رشتہ دیرینہ کو اور زیادہ مضبوط کر دیا تھا۔ لیکن قسمت کی نیرنگیوں نے ارمنیوں کے کان میں ایران کی غلامی کا نامطبوع حلقة از سرنو ڈال دیا اور آتش پرستی کے روز افزوں اقدار نے میحیت کی آئے دن کی تذمیل سے ان کے دلوں میں بغض و نفرت اور کینہ و انتقام کے جذبات پیدا کر دیے جن کے

علامیہ اظہار کو صرف ان کی بے چارگی و درمانگی نے روک رکھا تھا۔ ہر قل کے آتے ہی یہ رکاوٹ جاتی رہی۔ ہزاروں ارمنی جانشین قسطنطین اعظم کے صلبی علم کے نیچے سر ہٹلی پر رکھ کر آجع ہوئے اور یہ زبردست متحده لشکر دریائے ارس کے پار اتر کر آذربایجان کے ماضیہ و حالیہ صدر مقام تبریز کی طرف بڑھا۔

ہر قل کی اس غیر متوقع تاخت کی خبر سن کر خسرو پرویز نے چالیس ہزار سواروں کے ساتھ اس کا آگا رونکنا چاہا۔ لیکن قریب پہنچ کر حريف کا رعب اس کے دل پر کچھ ایسا چھا گیا کہ ایک ہی میدان پر سلطنت کی بازی لگادینے کے خیال کو خلاف احتیاط قرار دے کر وہ بے جنگ کیے ائے پاؤں لوٹ گیا۔ ہر قل کا رستہ اب بالکل صاف تھا۔ ایک ہی حملہ میں تبریز سر ہو گیا اور شاہی خزانے کی زائد از قیاس دولت فاتح کے ہاتھ لگی۔ تبریز کے بعد سارے آذربایجان کی تسبیح صرف چند دن کی بات تھی جس سے فارغ ہو کر موسم سرمابر کرنے کے لئے روی فوجوں نے بھیرہ خزر کے خوش سوا ساحل پر ڈیرے ڈال دیے۔

آذربایجان کو حوالہ تبغیخ و آتش کرتے ہوئے ناموس مسیحیت کے پاسبان ہونے کی حیثیت سے ہر قل نے پرانی ڈلوں کا انتقام دل کھول کر لیا۔ اس کے حکم سے آتش بہرام بجھا دی گئی۔ بھوی آشکدے گردیے گئے۔ خسرو کے مرمری مجسمے جو آتش پرستان ایران کی مشرکانہ پیشانیوں سے تعبد کی نذر لینے کے خوگر تھے اوندھے منہ بھڑکتی آگ میں جھوک دیے گئے۔ زردوشت کے روایتی مولد قریبہ ارمیا کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اور اس کے ہندروں کی زبان حال سے منوا لیا گیا کہ بیت المقدس میں آگ لگانے والوں کی عزیز سے عزیز روایات کا یہ انجام ہوا کرتا ہے لیکن اسی کے ساتھ پچاس ہزار اسیران جنگ کی رہائی کا حکم دے کر ہر قل نے اپنی کریمانہ فیاضی اور اپنے مکابرانہ استبداد کے قابل کا بس ایرانیوں کے دلوں میں بودیا جو جلد ہی اپنا اثر دکھانے والا تھا۔

بھیرہ خزر کے ساحل سے ہر قل کی فاتحانہ پیش قدمی کا سیلا ب عراقِ حجم کے میدانوں کی طرف بڑھنا شروع ہوا اور اس سیل جرار کی گوناگون موجودین بہت جلدی قزوین کی

فصلوں کو منہدم کرتی ہوئی اصفہان تک پہنچ گئیں جس کا دامن دولت روما کی جہانگیری سے امذے ہوئے دریا کی بڑی سے بڑی طغیانی کے وقت بھی آج تک ترندہ ہوا تھا۔ خروہ کا خیال تھا کہ ہر قل کی جنाहی تاخت صرف آزر بائیجان تک محدود رہے گی اور آگے بڑھ کر شیر کے بھٹ میں داخل ہونے کی اسے کسی طرح جرأت نہ ہو گی لیکن تزوین و اصفہان جیسے مرکزی شہروں کو اپنے حریف کی بے باکانہ عزمیت کی گرفت میں پا کر اسے اپنا خیال بدلتا پڑا اور اب اسے بدرجہ مجبوری نیل اور باسفورس کی چھاؤنیوں سے اپنی فوجوں کا بڑا حصہ واپس بلا لیتا پڑا۔ ان افواج قاہرہ کی مراجعت نے میدان جنگ کا نقشہ بدلت دیا اور ہر قل نے اپنے آپ کو دھننا ایک غیر ملک میں اپنے پایہ تخت سے صد ہا فرستگ دور دشمن کے تین زبردست لشکروں سے گھرا ہوا پایا۔ اریانوں کا یہ یتھی دل دیکھ کر ہر قل کی فوج کے بڑے بڑے جیوٹ افسروں کے چھکے چھوٹ گئے اور اس کے ارمی حلیفوں کے چہروں پر ہوایاں اڑنے لگیں۔ اس وقت ہر قل کی جبلی عظمت اپنی پوری شان کے ساتھ آشکارا ہوئی اور اس نے ان کبھی نہ بولے جانے والے الفاظ سے ان کی ڈھارس بندھائی کہ ”دشمنوں کی کثرت سے ہر اساح نہ ہو۔ خدا کی تائید اگر شامل حال ہو تو ایک روی ہزار عجیبوں پر غالب آ سکتا ہے لیکن اگر ہمارے بھائیوں کی نجات کا کفارہ ہماری قربانی ہی سے دیا جاسکتا ہے تو پھر شہادت کا چمکتا ہوا تاج ہمارے سر پر ہو گا۔ اور خدا نے پاک اور آنے والی نسلوں کی طرف سے ہمیں وہ اجر ملے گا جسے زوال نہیں۔“ اس تقریر نے جس کا ایک ایک لفظ اثر میں ڈوبا ہوا تھا سنئے والوں کو تڑپا دیا اور جب ایرانی ان پر چاروں طرف سے ٹوٹ کر گرے تو حملہ آ دروں کو معلوم ہو گیا کہ وہ البرز کو اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہر قل فنوں سپہ گری کے آج وہ کمالات دکھار ہے تھے کہ عقل حیران ہوئی جاتی تھی۔ مدافعانہ اقدام جارحانہ رجعت اور جنابی نقل و حرکت کے متفقہ حیلوں سے اس نے دشمن کے جدا گانہ لشکروں کی اصل تقسیم ہی برقرار نہیں رکھی بلکہ اس تقسیم میں اضافہ کرنے سے اس کی طاقت بہت کچھ گھٹا دی اور متعدد کامیاب آور یزشوں کے سلسلہ میں بالآخر سے

پسپا ہو کر عراقِ عجم کے مختصِ شہروں میں قلعہ بند ہونے پر مجبور کر دیا۔

جاڑے کا موسم اب پھر سر پر آپنچا تھا اور ایرانی مطمئن تھے کہ ان کا حریف یہ فصل شتا بھی حسبِ معمول تابستانی معزکوں کی تھکان اتنا رنے میں گزارے گا۔ اسی لئے ان کے پس سالار شہر براز نے جوفوج کے ایک بڑے حصہ کے ساتھ سلبان کی مستحکم فصیلیوں کے اندر قلعہ بند تھا کہ دستان کی کڑکڑاتی سردی کو اپنا سب سے بڑا محافظ سمجھ کر بطور حفظِ ماقبلہ کوئی مدافعتہ احتیاط نہ کی تھی۔ ہر قل کی ان تھک مستعدی کو دشمن پر کامیابی کے ساتھ شبحنوں مارنے کا اس سے بہتر اور کون سا موقع ہاتھ آ سکتا تھا۔ رات کی تاریکی میں وہ دبے پاؤں اس سرعت سے سلبان کی شہر پناہ کے نیچے پہنچ گیا کہ خفتہ بخت ایرانیوں کو کافنوں کا ان خبر نہ ہوئی اور جب آخر کار وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے تو رومیوں کی تکواریں ان کی شرگ پر تھیں۔ جانباز ان ایران کی ایک تعداد کثیر اپنے امرا و اعیان اور ان کے اہل و عیال سمیت یا تو تباہ ہوئے یا گرفتار کر لئے گئے۔ شہر براز البتہ اس افراتی میں بچ نکلا اور اس کے ہمراہ گنتی کے چند نفوس اس جاہی کی داستانِ مدائی والوں کو سنانے کے لئے جانِ سلامت لے گئے۔

فصل بھار کی آمد پر ہر قل نے اپنی تازہ دم فوج کے بڑے ہوئے حوصلوں کے ساتھ غنیم کے علاقہ کے تیپوں نجع اپنے ملک کا رخ کیا۔ سات دن میں کردستان کے کہساروں کو طے کر کے وہ دجلہ کے پار اترا اور چند دن دیار بکر کے نواح میں ستانے کے لئے ٹھہرا۔ ایرانیوں نے فرات کے تمام پل توڑے اسے تھے اور دوسرے کنارے پر مقابلہ کے لئے کیل کانٹے سے لیں تھے۔ لیکن ہر قل کے اقبال کے آگے یہ رکاوٹیں پر کاہ سے زیادہ نہ تھیں۔ ایک مقام پر جہاں ندی پایا ب تھی اس کی فوج غنیم کے دیکھتے دیکھتے رو د فرات کے پار ہو گئی اور غنیم کو بجلت پس پا ہو کر طرسوں سے چند فرسنگ کے فاصلے پر دریائے ساروں کے اس پار اپنی تمام قوت سیئنے پر مجبور ہوتا پڑا تا کہ یہی تاکہ روک کر ہر قل کو سلیشا میں داخل ہونے سے باز رکھ سکے۔ ایرانیوں کے لئے مزید پہپائی کی اب کوئی صورت نہ

تھی۔ دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا اور ہر قل کی شمشیر جو ہردار نے دکھا دیا کہ فوج کی قیادت کا خاص سلیقہ رکھنے کے علاوہ سفع زندگی کے فن میں بھی اسے یہ طویلی حاصل ہے۔ ایک دیو قامتِ عجیب پہلوان کو جس کا فولادی بازو یکہ و تھار و میوں کی صفائی اٹھاتا ہے اس نے ایک ہی وار میں گڑی کی طرح کاٹ کر دریا میں پھیک دیا۔ آخر ایرانیوں نے شکست فاش کھائی اور ہر قل تین سال کی فاتحانہ کشور نوری کے بعد قونیہ کے میدانوں میں سے ہوتا ہوا اپنی رعایا کے غلغله انداز خیر مقدم کے درمیان بحیرہ اسود کے اسی ساحل پر پہنچ گیا جہاں سے چلا تھا۔

ہر قل کی سہ سالہ غیبت میں قسطنطینیہ کو جن گونا گوں خطرات کا سامنا کرنا پڑا ان کا محمل تذکرہ اس مقام پر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ہر قل کی طرح خسرو نے بھی فنِ حرب کے اس اصول کو اپنا نصب ایسین ترار دیا تھا کہ سرحدی چقلشوں کی بجائے حریف کے اعماق قلب پر حملہ کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اسی خیال سے مصر و شام کی قلعہ دار افواج کو ان مقبوضات کی حفاظت کا جزو لا ینک سمجھ کر اس نے تین نئے لشکر تیار کرنے تھے۔ پچاس ہزار سر بازوں کا پہلا لشکر جو اپنے میش بہا طلائی ساز و سامان کی بدولت زریں کمر کے نام سے مشہور تھا خاص ہر قل کے مقابلہ کے لئے نامزد کر دیا گیا۔ ایسی ہی ایک اور لشکر جرار کو کو ہدایت تھی کہ قیصر روم کو کسی قسم کی کمک نہ پہنچنے دے۔ اسی پیانہ پر ایک اور لشکر جرار کو جس سے قسطنطینیہ کا محاصرہ متعلق تھا یہ فہماں کی گئی تھی کہ ایران کے حلیف چاغان کا ہاتھ بٹائے اور دولتِ مشرقیہ کے پائیغخت کی تغیری میں اواروں کی ہر طرح اعتماد کرے۔

چاغان کے ساتھ خسرو پرویز کا معاہدہ ہو چکا تھا کہ دولتِ مشرقیہ کے جو علاتے ابھی تک فتح نہ ہوئے تھے انہیں دونوں تاجدار متفقہ جدو جہد سے زیر کر کے آپس میں بھسہ رسدی بانٹ لیں گے۔ اس مقعد کی تحریکی تکمیل کے لئے تیرسا ایرانی لشکر اپنے سپہ سالار سردار کی قیادت میں باسفورس کے کنارے جا پہنچا اور ایشیائی ساحل پر تابد نگاہ چھا گیا۔ یورپیں ساحل کا منظر بھی اہل قسطنطینیہ کے لئے کچھ کم دہشت انگیز نہ تھا۔ اوار مقدمہ انجیش

غلبة ستم = 162

نے جس کا شمار میں ہزار تھا پائی تخت کے حوالی پر چھاپا مار کر شہر پناہ کے ایک حصہ میں شگاف ڈال دیا اور اہل شہر کی متعدد طاقت بمشکل تمام اس درز کی حفاظت کر سکی۔ پھر چند دن میں خود چاغاں اسی ہزار فوج کے ساتھ آپنچا اور قسطنطینیہ کی پریشان حال آبادی ایشیا و یورپ دونوں طرف سے لاکھوں جاں ستائیں دشمنوں کے درمیان محصور ہو گئی۔

اس پر آشوب ساعت میں نظامت قسطنطینیہ کی مجلس شوریٰ کے اراکین کی بے کسی کا آخری چارہ کار یہ حیلہ تھا کہ چاغاں کو زر خظیر کا لامع دے کر کم از کم اپنے ایک دشمن ہی کو توڑ لیں۔ چنانچہ امراء اعیان شہر کا ایک وفد گراں ارز سوغاتیں لے کر چاغاں کے دربار میں اضر ہوا لیکن او رتا جدار نے اراکین وفد کی تمام التجاہیں فرط حقارت سے رد کر دیں۔ اس سے پہلے بھی اس تاجدار کی رونت ان کی تمکنت کوئی بار ٹھکرا چکی تھی لیکن خود ان کی آنکھوں نے بھی دولت مشرقیہ کی رسائیوں اور ڈلوں کے لبریز پیانے کو کبھی یوں چھلکتے نہ دیکھا تھا۔ سفراء قسطنطینیہ چاغاں کے تخت کے سامنے دست بست کھڑے تھے اور ایران کے دکلائے مطلق بڑے طمطراق سے خروں کے حیف کے پہلو میں بیٹھے ہوئے اس کی یہ تقریں رہے تھے جس کا ایک ایک لفظ ہر قل کے نمائدوں کے دل و جگر میں ناسور ڈال رہا تھا۔

”یہ اڑان گھائیاں کسی اور کو جا کر بتانا۔ میں تمہارے ان چکموں میں نہیں آ سکتا۔“
 شہنشاہ ایران کے ساتھ میر اتحاد کچھ کچھ کھدا گئے نہیں کہ اس آسانی سے ٹوٹ جائے۔ اور یہ تباہ ان تم کیا پیش کرتے ہو۔ کیا مجھے بھی بچھ کھلیا ہے کہ سونے چاندی کی چند نکلیاں دیکھ کر خوش ہو جاؤں گا سن تو اور دل کے کان کھول کر سن لو کہ قسطنطینیہ اور اس کی ساری دولت سے کم تمہاری جان بخشی کا میں کوئی معاوضہ قبول نہیں کر سکتا۔ تمہاری دیدہ دلیری کی سزا تو یہ ہونی چاہئے تھی کہ تمہارے سب کپڑے اتر وا کر تمہیں الان ٹنگوادیا جائے لیکن میر احمد تمہیں اجازت دیتا ہے کہ ایک ایک کرتہ ایک ایک پا جامہ پہنے رہو۔ اچھا ب میرے سامنے سے دور ہو جاؤ اور غنیمت سمجھو کر اگر میری سفارش پر میرا ووست سر بار تمہیں رستے

ہی میں گرفتار نہ کرے۔ تمہارا قیصر جو اس وقت تک یا تو گرفتار ہو چکا ہے یا میدان جنگ سے فرار ہو کر جنگلکوں اور پہاڑوں میں بھٹکتا پھرتا ہے تمہارے کام نہیں آسکتا۔ قسطنطینیہ کو اواروں اور ایرانیوں کی گرفت سے اب کوئی طاقت نہیں چھڑا سکتی اور تم ہمارے پنجھے سے کسی طرح بچ کر نہیں نکل سکتے۔ ہاں اگر پر لگا کر آسمان کی طرف اڑ جاؤ یا محچلیاں بن کر سندھ میں غوط لگا جاؤ تو دوسری بات ہے۔“

باز نظینی و ند کے رخصت ہوتے ہی چاغال نے طبل جنگ بجواویا اور قسطنطینیہ پر حملہ شروع ہو گیا۔ دولت روما کے تمن کی سبق آموزی سے اواروں نے فون جنگ میں بہت کچھ مہارت بھی پہنچائی تھی۔ ایک متحرک چوبی پشتہ کی آڑ میں آگے بڑھ کر شہر پناہ میں نقاب لگانے اور محصورین پر منجذب کے ذریعے بڑے بڑے پھر پھینکنے کا طریقہ انہیں بھی معلوم ہو گیا تھا۔ دس دن تک ان کے حملہ کا سلسہ ثباتہ روز جاری رہا۔ بارہ چوبی برج جن کی چوٹیاں پایہ تخت کی فصیل سے جا ملتی تھیں اس انداز سے جا بجا نصب کئے گئے تھے کہ اوار سپاہی ان پر کھڑے ہو کر رو میوں کا لکھ مقابله کر سکیں۔ ان برج نشین دستوں کے چیم حملوں اور منجذبیوں کے لگاتار پھراؤ سے قسطنطینیہ کی عافیت صرف چند ساعت کی مہمان نظر آتی تھی۔ لیکن سرفراشانہ غیرت کا وہی جذبہ جس نے ہر قل کو شیر نیتاں بنا دیا تھا اس کے پایہ تخت کے رگ و پے میں بھی سرایت کر چکا تھا۔ اس کے علاوہ شہر پناہ کے غیر معمولی استحکام کے ساتھ محصورین علم الحیل میں بھی محاصرہ کرنے والوں پر فویت رکھتے تھے۔ خاک وطن کے شرف اور نہ ہب کے ناموں کی حفاظت میں وہ سربکف ہو کر اس بے ہمدری سے لڑے کہ حملہ اواروں کے دانت کھٹے ہو ہو گئے۔ ایرانی پہ سالار ایشیائی ساحل سے اپنے حلیف کی ان ناکامیوں کو دیکھ دیکھ کر دانت پیٹتا تھا مگر مکد نہ بھیج سکتا تھا۔ اس لئے کر بیچ میں باسفورس کی موجودی میں حائل تھیں اور ان پر بازنطینی بیڑے کا قبضہ تھا۔ چاغال کے باجگزار بلغاریہ نے چند کشتیاں حمل و نقل کے لئے بھیجی تھیں مگر بازنطینی بیڑے نے ان سب کو بندرگاہ میں نمودار ہوتے ہی غرق کر دیا۔ آخر جب متواتر زکوں سے چاغال کی فوج

میں بد دلی پھیل گئی اور سد کے ذخیرے بھی تھر گئے جن کے بغیر محاصرہ کو طول، یا محال تھا تو بادل نخواستہ اس نے مراجعت کے احکام جاری کئے اور اس طرح وہ گھنٹا صور گھٹا جو قسطنطینیہ کے لئے یورپ سے ظلمت کدہ سے پیغام فنا لائی تھی ان کی آن میں چھٹ گئی۔ ہر قل اس عرصہ میں دریائے ساروس کے کنارے ایرانی فوج کو شکست دے کر سلیشیا اور ایشیائی کو چک کی شمالی ولایات کا چکر کاشتا ہوا پھر رودارس کی وادیوں میں جا پہنچا تھا جہاں کسری کی زریں کمر فوج کے مہاجانہ اقدام کے مقابلہ میں اس نے مدافعانہ جنگ کی طرح ڈال رکھی تھی۔ قسطنطینیہ کا محاصرہ اٹھ جانے سے ایک گونہ اطمینان ہو گیا اور اس نے ایرانیوں اور اواروں کے اتحاد کے جواب میں ترکوں کی شاخ چوزار کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم کرنے سے اپنی جارحانہ طاقت میں غیر معمولی اضافہ کر لیا۔ اس کی دعوت پر یہ خانہ بد و شتم قبائل جن کے خیمے دریائے والگا کے کناروں سے لے کر گرجستان تک پھیلے ہوئے تھے قفقاز میں اٹھ آئے۔ طفلس میں ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا گیا۔ زیبل خان اتر اک نے اپنے امرا کے ساتھ دربار میں حاضر ہو کر اظہار عقیدت کیا۔ ہر قل کا مدبرانہ تلطیف صرف ایک اشارہ چاہتا تھا۔ تخت سے اتر کر اس نے زیبل کو گلے رکالیا اور اپنا تاج اس کے سر پر کھ کر کہا کہ تم مجھے فرزندوں سے بڑھ کر ہو۔ زیبل کے صاحبوں کی مدارات میں بھی اس نے تالیف قلب کا کوئی دیقت اخہانہ رکھا۔ ان میں سے ہر ایک کو اس نے اپنے ہاتھ سے جزاً آؤیزے اور طلائی لگلن تقسیم کئے۔ اور جب ایک پر تکلف ضیافت کے بعد مسخرخان بڑھایا گیا تو اس نے زیبل کو خلوت میں بلا کر اپنی بیٹی یوڈیشیا کی تصویر دکھائی جو حسن و جمال میں چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھی۔ بھولا بھالا ترک تصویر کو دیکھ کر لٹھو ہو گیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ قیصر روم اسے اپنی فرزندی میں لینے کے لئے آمادہ ہے تو اس نے اپنی موعودہ عروں کا ہمراہ چالیس ہزار سواروں کی شہل میں بدمیٹی ادا کر دیا۔ اسی گفت و شنید کے اثناء میں اب باہمی قرارداد پر بھی صاد ہو گیا کہ دریائے چیخون کی طرف سے کسری کی مشرقی سرحد پر ترک ایک زبردست شاطرانہ حملہ کر کے ایرانیوں کی

تجہ اپنی طرف کھینچ لیں۔ ترکوں کی اس غیبی تائید نے ہر قل کی جنگی قوت کو کوئی حصے بڑھا دیا اور اگر چہ زیبل کی ناگہانی موت سے مدد جمال یوڈیشیا کو ترکی دہن بننے کا شرف حاصل نہ ہوا لیکن نہایا خانہ تقدیر میں بازنطینی تخت و تاج پر ترکوں کے مصاہر ان حقوق ضرور قائم ہو گئے جو اسلام کی مشاہدگان کی نسل کو ۲۵۰ء میں دلو اکر رہی۔

ترکوں کی اس کمک نے دولت مشرقی کی جارحانہ قابلیت میں ایک زبردست اضافہ کرنے سے ایرانیوں کو رجعت قہقہی پر مجبور کر دیا اور روی افواج کو کامیابی کے ساتھ پیش قدی کرنے کا موقع عمل گیا۔ دیار بکر کے میدان میں ہر قل نے جب اپنی فوج کا جائزہ لیا تو ستر ہزار آزمودہ کارجوانوں کو اپنے سامنے صفت پایا جن کے بڑھے ہوئے حوصلوں کو اس کی فتحانہ امنگوں کے سامنے نے پالا تھا۔ چند مہینے کی مسلسل تگ و تاز سے لشکر جار نے آرمیدیا عراق اور شام کے ان تمام مستحکم مقامات پر قبضہ کر لیا جو ایام سابق میں دولت مشرقی کے مشرقی خط دفاع کے اہم ترین نقاط سمجھے جاتے تھے۔ ساتھ ہی ہر قل ان مخادعانہ حیلہ آرائیوں سے بھی غافل نہ رہا جو فریق مخالف کی جمیعت میں تفرقہ اندازی کا موجب ہو کر بارہا ایک فوج گراں کی مہما جمانہ تیقی آرائیوں سے زیادہ کارگر تابت ہوئی ہیں۔

باسفورس کے ایشیائی ساحل پر ایرانی کمانڈار سر بار ابھی تک ڈیرے ڈالے پڑا تھا اور ہر قل خوب جانتا تھا کہ جب تک اس کا پایہ تخت اس خطرے کی زد میں ہے اس کی مشرقی کامیابیاں اس کے لئے حقیقی فراغ خاطر اور صحیحطمینان قلب کا باعث نہیں ہو سکتیں۔ اس خطرے کوٹانے کے لئے اس کی عیاری نے اسے ایک انوکھی چال بھائی۔ خسرہ پرویز کی طرف سے قسطنطینیہ مہم کے نائب کمانڈار کے نام ایک جعلی فرمان تیار کیا گیا جس میں نائب کمانڈار کو حکم دیا گیا تھا کہ کمانڈار اعظم کا سرکاث کر دو بار خسرہ میں بھیج دیا جائے۔ جس دماغ سے یہ تجویز نکلی تھی اس کی ریشہ دوانیاں نامہ بر کے لئے زنجیر پا بن کر مکتوب الیہ کی بجائے اسے سیدھا کمانڈار اعظم کے پاس لے گئیں۔ سر بار نے جب فرمان پڑھا اور اپنے قتل نامہ پر خسرہ پرویز کی مہربنت پائی تو غصہ و دہشت اور

تمرد و انتقام کے گوناگون جذبات اس کے دل و دماغ میں دوڑ گئے۔ جعلازی کے حق میں ایرانی بھی رویوں سے کسی طرح کم مشاق نہ تھے۔ اس نے بچالا کی تمام اپنا نام منا کر نائب کماندار اور فوج کے چار سو بڑے بڑے افسروں کے نام درج کر دیے۔ اور پھر ان تمام افسروں کو بلا کر بھری مجلس میں فرمان خسروی ان کے سامنے ڈال دیا۔ جب ان سے پوچا کہ آیا آپ سب لوگ اپنا سرکشانے کے لئے تیار ہیں تو سب نے یک زبان ہو کر اعلان کر دیا کہ آج سے خرد پرویز کو ایران کے تخت و تاج اور ہماری اطاعت پر کوئی حق باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد حکومت قسطنطینیہ کے ساتھ ایک جدا گانہ عہد نامہ صلح مرتب کر لیا گیا۔ اور اگرچہ قومی حیثیت یا مصلحت وقت نے سربار کو یہ اجازت تو نہ دی کہ خرد سے ٹوٹ کر ہرقل سے جاٹے لیکن اس کے غیر جانب دارانہ رویہ نے دولت مشرقیہ کے تاجدار کو یقین دلا دیا کہ اپنے پایۂ تخت کی سلامتی کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ بلافل و غش اپنے کشور کشايانہ منصوبوں کی تحریک کر سکتا ہے۔

سربار کی علیحدگی نے پرویز کی طاقت کو اگرچہ بہت کچھ گھٹا دیا لیکن اس شمع کی طرح جو بمحضے سے پہلے اپنے رات بھر کے فروغ کو ایک آخری جلوہ سینتی ہوئی محفل کے کونے کونے میں نور کی موجیں بھا دیتی ہے اس گئی گزری حالت میں بھی اس کے خرد و جہاد کا نظارہ دید کے قابل تھا۔ ہرقل کی جہاں گیراہ تمناؤں کو ایک فیصلہ کن آویزش میں پر دخاک دخون کرنے کے عزم سے اس کے فرائیں طول و عرض سلطنت میں دوڑ گئے اور ایک قلیل مدت میں پائچ لاکھ سر فروشوں کا لکھر جرار جو پورے ساز و سامان سے آراستہ تھا عراق عجم کے میدانوں میں جمع ہو گیا۔ ساسانی قوت کی اس سہمکین نمائش کو مطلق خاطر میں نہ لا کر ہرقل نے اپنی قلیل التعداد فوج کے ساتھ اس سے دجلہ کی طرف کوچ کیا اور نینوہ کے میدان میں حریف کو ایران کی قسمت کا دونوں فیصلہ کرنے کے لئے صفائی پایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاصر نمرود کا مشہور پایۂ تخت نینوہ جسے دنیاۓ قدیم

کالندن کہنا چاہئے دجلہ کے مشرقی کنارہ موصل کی موجودہ آبادی کے بالمقابل آج سے چار ہزار سال پہلے آباد تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام جس قوم کی اصلاح کے لئے مسیوٹ ہوئے تھے وہ اسی شہر غدار کی بنیے والی تھی۔ اس کی شہر پناہ جس کا طول سانچھ میل تھا سو فٹ اونچی اور اس قدر چوڑی تھی کہ تمیں رکھ پہلو بہ پہلو اس پر ہائے جاسکتے تھے۔ شہر پناہ کی حفاظت کے لئے پندرہ سو برج جن کا ارتقائے دوسو فٹ تھا برابر با برابر فاصلے پر بنے ہوئے تھے۔ حضرت یونس جن کا صحیفہ عہد عقیق کے صحائف میں شامل ہے نیوہ کی رونق کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک لاکھ میں ہزار نفوں اس شہر میں ایسے آباد ہیں جن کا دہنا ہاتھ ان کے بائیں ہاتھ سے نا آشنا ہے۔ اس معنے کی شرح تورات و انجیل کے مفسرین نے یہ کی ہے کہم از کم سات لاکھ مرد عورت اور بچے انسانی تمدن کے اس شاندار گھوارے میں ساکتے تھے لیکن حصیر اور بابل کی طرح بت پرستی کا یہ مرکز بھی مدت ہوئی تباہ ہو چکا تھا۔ سعی علیہ السلام سے سوا چھ سو سال قبل صاعقه قہرہ ذوالجلال نے اسے جلا کر راکھ کر ڈالا تھا۔ اور جو ہندو رباتی رہ گئے تھے وہ بھی ہر قل اور خرسو کی کلکش کے وقت پیوند زمین ہو چکے تھے۔ صرف ایک سپاٹ میدان رہ گیا تھا جو فریقین جنگ کی نقل و حرکت کے لئے البتہ موزوں تھا۔

جنگ نیوہ کا شارد دنیا کے ان تاریخی معروں میں ہے جنہوں نے چند گھنٹوں کے اندر قوموں کی قسمتیں پلٹ دی ہیں اور سلطنتوں کی بساط المثل دی ہے۔ نور کا ترک کا تھا کہ رومی فوجوں نے آگے بڑھ کر اپنے سے کئی گناہمن پر دھاوا بول دیا۔ اور آقاب خط نصف النہار کو عبور نہ کرنے پا یا تھا کہ اذن خداوندی نے کم من فتنہ قلیلۃ غلبۃ فتنہ کثیرۃ کی ازی صداقت کو پھر ایک مرتبہ عالم آفکار کر دیا۔ ہر قل کی شجاعت اس جان گسل معزکہ میں اپنا جواب آپ تھی اور اس کے اس دن کے کارنا مون کی ستائش میں بازنطینی و قائل نگاروں کی رنگین قلم اس انداز سے کرشمہ سخن ہوئی ہے کہ صفحہ تاریخ پر سبد گل کا دھوکا ہوتا ہے۔ اس کا شوق تنگ آزمائی اس کی بے چین جرأت کو فرائض قیادت کے جلو سے بار بار پھسلا کر

خطرات کے ہجوم میں لے جاتا تھا اور اس کی ہر تاخت دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دتی تھی۔ اس کا خوب فشاں نیزہ جب متعدد جلیل القدر ایرانی سرداروں کو خاک و خون میں ترپاتا ہوا آخر خود پہ سالار ایران کے جگر پر پہنچا تو ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور دولتِ مشرقیہ کا مظفر و منصور جھنڈا اس میدان میں لہرا تا ہوا نظر آیا جو چند ساعت پہلے درش کاویانی کے آگے سر بخود تھا۔

ہرقل کی مآلِ اندیشی نے ہریمت خوردہ غنیم کو پھر سنھلنے اور روی پیش قدمی کے سدر اہونے کے امکان سے بھی روک دیا۔ ایک شبانہ روز یلغار میں اس کے مقدمہِ اجیش نے پچاس میل کا دھاوا کر کے دریائے زاب کی شاخ کبیر اور شاخِ صغیر کے پلوں پر قبضہ کر لیا اور اس ایک جنگی چال سے عراق کے تمام شہر اور محل بازنطینیٰ فاتح کی زد میں آگئے۔ جس نے میدانِ نیوہ کا بے حساب مال غنیمت سمیٹ کر سیدھا قصرِ ستارگرد کا رخ کیا۔ خرو اس کے پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہو چکا تھا اور جس قدر خزانہ لاد کر لے جا سکتا تھا انہوں نے گیا تھا۔ پھر جو دولت ہرقل کے ہاتھ گئی وہ اس کی توقعات سے اس قدر زیاد تھی کہ ذرائعِ نقل و حمل کے ناتکافی ہونے کی وجہ سے اس کا بہت سا حصہ جلا دینا پڑا تا کہ اس کا رقیب ذرا اپنے گھر میں بھی آگ لگنے کا تماشا دیکھ سکے۔ قصرِ ستارگرد کی لوٹ سے فارغ ہو کر ہرقل عازمِ مادا میں ہوا لیکن جب ساسانی پایہ تخت صرف چند میل رہ گیا تو رودار بانے جس کی طغیانی نیچ میں حائل تھی اس کی پیش قدمی روک دی۔ مادا میں کے استحکامات ضربِ اسلسل تھے۔ جاڑوں کا موسم بھی سر پر آ چلا تھا۔ اس لئے اسے یہی مناسب معلوم ہوا کہ معمول کے موافق موسم سرما آذربائیجان میں گزارے اور کسری کے پایہ تخت کی تسبیح کو آئندہ فصل بہار پر اٹھا رکھے۔ یہ سوچ کر اس نے طبلِ مراجعت بجوادیا اور بر فباری کے موسم سے پہلے پہلے تمدیر پہنچ گیا۔

خسرو پرویز کا انجام

فأفتقمنا منهم فانظر كيف كان عاقب المكذبين

جنگ احزاب میں جب وہ تمام منصوبے جو کفر اسلام کی شیخ کی کے لئے باندھ کر آیا تھا خاک میں مل چکے اور حدیبیہ کی "فتح میں" نے سازگار حالات پیدا کر دیے تو وقت آگیا کہ تاجدار کو نین سلاطین عالم کو پیام توحید پہنچا کر اس فرض عظیم سے سبکدوش ہوں جس کی بجا آوری کے لئے رحمت باری نے آپ کی ذات گرامی کو شرف اختصاص بخشنا تھا۔ نجاشی جعش کو دعوت اسلام دینے کے بعد جو فرمان بارگاہ رسالت سے نافذ ہوا وہ خسرو پرویز کے نام تھا۔

اس وقت ہرقل اور خسرو کی طرف سے جنگ نیوہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور خسرو اپنے خدم و خشم کے ساتھ کرودستان کی سرحد پر دریائے قراسو کے کنارے خیمنہ زن تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت عبداللہ بن جذاف مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر کوہ و صحراء قطع کرتے ہوئے خسرو کے دربار میں پہنچے اور نامہ مبارک پیش کیا جس کی عبارت حسب ذیل تھی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَىٰ كُسْرَةِ عَظِيمٍ فَارسِ

سلام على من اتبع الهدى وأمن بالله ورسوله واصعد ان لا اله الا الله
وانى رسول الله الى الناس كافة لينذر من كان حيى اسلم تسلم. فان ابيت
فعليك اثم المجروس.

”محمد رسول اللہ کی طرف سے کسری رئیس فارس کے نام۔

اس شخص پر سلام ہے جو ہدایات کی چیزوں کی دلائے اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ بجز اللہ کے اور کوئی معبود نہیں۔ اور نیز اس بات کی گواہی دے کہ میں تمام دنیا کے انسانوں کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ ہر ذی حیات انسان کو اس کا خوف دلا دے۔ پس اگر تو اسلام لے آئے گا تو سلامت رہے گا لیکن اگر تو نے انکار کیا تو محبوبیوں کا وباں تیری گردن پر ہو گا۔“

دولت کے نشی کی ترجمگ میں آکر انسان بارہا اپنی ہستی بھول چکا ہے اور خود فراموشی کے عالم میں اسے اپنی بے ما نیگی پر اکثر خداۓ بے ہمتا کی ہم پا نیگی کا دھوکا ہوا ہے۔ چاند اور سورج سے اپنا سلسلہ نسب ملاتے ملاتے اس نے خود خداوند عالم کی اولاد بن کر اپنے لئے وہ آسمانی حقوق تجویز کرنے ہیں جن میں غیرت کبریائی کسی مخلوق کو تصرف کی اجازت نہیں دے سکتی۔ یونان، روما، مصر، کالدیری، ہندوستان سب کے سب کبرو پندرار کی اس مرد انگلن شراب کے متوا لے ہو چکے تھے۔ لیکن ایران کی سرمستیوں کا انداز ہی کچھ اور تھا۔ تاجدار ان سلسلہ ساسانیہ اپنے آپ کو خداۓ بزرگ و برتر کا شریک و سہیم سمجھتے تھے اور ان کی اس حیثیت کے اعتراف کے لئے ہر شخص کو ان کے دربار میں حاضر ہوتے وقت انہیں سجدہ کرتا پڑتا تھا۔ حاجی آباد کے پہلوی کتبہ میں جس پر ماہرین آثار حقیقہ کے اکتشافات نے روشنی ڈالی ہے شاپور ساسان کے القاب آج بھی ان الفاظ میں لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پرستار ارمزد پیکر الوہیت شاپور شہنشاہ ایران و ماورائے ایران از نسل آفرید گار۔ پس پرستار ارمزد پیکر الوہیت ارخشنتر شہنشاہ ایران از نسل آفرید گار۔ نیرہ پیکر الوہیت شاہ با بک۔

پرویز ان ہی روایات کی گود میں پلا تھا اور اپنے آپ کو اس دنیا کا دوسرا خدا سمجھتا تھا۔ رسول اللہ کے نامہ مبارک پر نظر پڑی تو اس کے آزادانہ لہجہ اس کے بے با کانہ ایجاد میں

اور اس کے صاف گویانہ انداز کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ جس کے آستانہ عظمت و جبروت پر لاکھوں انسان ناصیہ فرسائی کے خوگر تھے جیران تھا کہ اس ربع مسکون میں کوئی ایسا گناہ اور سرکش شخص بھی ہو سکتا ہے جسے اس کے نام سے پہلے اپنا نام لکھنے کی جرأت ہو۔ وہ جو طرابلس سے لے کر پنجاب تک شہنشاہ جہان و جہانیاں اور خداوند عالم و عالمیاں کھلا تھا کہ سمجھنے سکتا تھا کہ کس طرح عرب کا ایک بادیہ نہیں اس سے صرف ”رئیس فارس“ کہہ کر خطاب کر سکتا ہے۔ یہ قصر روم اور خاقان چین کی متحده طاقت ایشیا اور یورپ کی متفقہ سطوت اسے وہ حکمی نہ دے سکتی تھی جو ان چند جلال آفریں الفاظ میں مضمر تھی۔ ”اسلم تسلیم فان ابیت فعلیک اثم المجبوس۔“ غضبناک ہو کر پکارا کہ یہ محمد گوں ہے جو ہمارا غلام ہو کر ہم سے اس طرح خطاب کرتا ہے۔ یمن کے صوبہ دار کو لکھ دو کہ اسے پکڑ کر ہمارے دربار میں بھیج دے۔ یہ کہہ کر مکتوب نبی کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ رسول خدا کے مکتوب کو نہیں بلکہ خود اپنی سلطنت کی دھمیاں اپنے ہاتھ سے نھیں آئیں میں اڑا رہا ہے۔

یمن کے ایرانی گورنر بازان نے جب مدینہ میں اپنے قاصد بصیر کر خرسو کے تہذیدی احکام سے حضور مسیح کوں و مکان کو اطلاع دی تو آپ نے صرف اس قدر فرمایا کہ اسلام عنقریب کسری کے پایہ تخت میں بیٹھ جائے گا۔ کس قدر پچ الفاظ تھے جو جلی حرفوں میں خود خرسو کے خون سے مایاں کے درود یوار پر لکھے گئے۔

نیوہ کی نکست فاش کے بعد دوست دہن سمجھی کا یہ خیال تھا کہ نوشیر وال کا پوتا اور کسی خیال سے نہ سمجھی آں ساسان کی شاندار روایات کا بھرم رکھنے کے لئے اپنی بکھری ہوئی قوتیں کو سمیٹ کر مردانہ وار اپنے حریف کا مقابلہ کرے گا۔ اور اس آخری مقابلہ میں یا تو اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کرے گا اور قصر دستاگرد کے ہنڈروں میں ڈھیر ہو کر آنے والی نسلوں کے لئے اپنی مردانگی کا فسانہ چھوڑتا جائے گا۔ لیکن پیغمبر آخر الزمان کے مکتوب کے پر زے اپنے ساتھ اس امید کو بھی آب قراسو کی نیلگوں موجود میں بھا لے گئے

غبلہ سوم = 172

تھے۔ وہ تکوار جو فلسطین اور مصر کے پرچے اڑاتی ہوئی طرابلس کے سر پر جا چکی تھی نوٹ چکی تھی۔ وہ علم جو شام اور ایشیائے کوچک پر لہراتا ہوا باسفورس کے ساحل پر جانصب ہوا تھا جنک چکا تھا۔ وہ حوالے جن کی بلندیاں فلک الافلاک کے آغوش میں تربیت پذیر ہوئی تھیں پست ہو کر خاک میں مل چکے تھے۔ خرد پرویز اب خران و خذلان اور یاس و قتوط کا محض ایک پیکر متحرک رہ گیا تھا جس کی عزیمت سلب اور استقامت مفقود ہو چکی تھی۔ ہر قل کی آمد سے نو دن پہلے اپنی چینی ملکہ شیریں اور دو نیزوں کو ہمراہ لئے ہوئے اپنے محل کے چور دروازہ سے نکل کر وہ اس بے سر و سامانی سے ماین کی طرف بھاگا کہ چشم عبرت کھلی کی کھلی رہ گئی۔ آخر جب پایۂ تخت میں داخل ہو کر اس نے ہزاروں بندگان خدا کو اپنے سامنے سر بسجھا اور دجلہ کی موجودوں کو اپنے اور رومی فوجوں کے درمیان حائل پایا تو ذرا اس کی جان میں جان آئی۔

پے در پے شکستوں اور توبر تو ہزیجنوں سے اگرچہ ایران کی جارحانہ قوت نوٹ گئی تھی پھر بھی اس کا مدعاوہ زور بدستور قائم تھا۔ سلطنت کے مشرقی اور وسطی صوبوں کی طاقت ابھی تک دولت ساسانیہ کی دیوار اقتدار کی پشتیبان تھی اور ہر قل اس حقیقت سے بے خبر نہ تھا۔ اسی لئے وہ چاہتا تھا کہ کسری سے معقول شرائط پر صلح ہو جائے۔ دربار ماین کے ساتھ مصالحانہ تعلقات قائم کرنے کی غرض سے اس نے کئی بار نامہ پیام بھی کیا۔ لیکن خرسو کی واٹگوں طالبی نے اس زریں موقع سے فائدہ نہ اٹھایا۔ تقدیر کا گھریوال نج چکا تھا اور دنیا کی کوئی طاقت بد بخت پرویز اور اس کی سلطنت کو تباہی سے بچانے کتی تھی۔

ہر قل کی مراجعت کو غیمت سمجھ کر خرسو نے ایک نئے لشکر کی تیاری کا حکم دیا لیکن وہ زمانہ خواب و خیال ہو چکا تھا۔ جب خرسو کے فرمان قضا تو اس سمجھے جاتے تھے اور اس کے ایک اشارے پر سارے ایران کی گردں جھک جایا کرتی تھی۔ ملک پر سالہا سال سے جو بتاہیاں نازل ہو رہی تھیں ان سب کی جوابدہ رعایا کی نظروں میں اب صرف خرسو کی ذات تھی اور یہ خیال عام طور پر کھیل گیا تھا کہ خرسو سلطنت کے بہترین اغراض و مفادوں کو

اپنی ضد اور ہٹ دھری پر قربان کرنے سے کبھی بازنہ آئے گا۔ یہی وجہ تھی کہ امثال امر میں اس مرتبہ کسی جان ثمارانہ عقیدت کی وفادارانہ سرگرمی کا اظہار نہ ہوا اور پایہ تخت کی آبادی کے ایک قلیل حصہ کے سوا کہ اس کا جزو غالب بھی غلام تھے نبی فوج میں بھرتی ہونے کے لئے کسی نے آمادگی ظاہرنہ کی۔ اپنی بے اقبالی کا یہ کھلا ہوا ثبوت دیکھ کر اور رعایا کی روز افزوں بد دلی کے چرچے سن کر خسر و کا دل ثوٹ گیا اور اس نامیدی کے عالم میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب بیٹھے مردازدیہ کے حق میں تخت و تاج سے دست کش ہو کر زندگی کے باقی ایام گوشہ عافیت میں گزار دے۔ لیکن اس عافیت کا جائزہ نوزاںیدہ اسلام کی غیرت کے کندھے پر اسی دن نکل چکا تھا جب خسر نے پیغمبر آخر الزمان کے مکتوب کے پرزاے اڑائے تھے۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مكافات

با ذرو کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

خسر کے بڑے بیٹھے شیر دیہ نے جو شیریں کے لطفن سے تھا خلف اکبر ہونے کی بنا پر اس فیصلے کو غیر منصفانہ قرار دیتے ہوئے امراء سلطنت کے ساتھ جوڑ توڑ شروع کر دیے اور رعایا کے تمام طبقوں کو چکپے چکپے اپنا طرف دار بنا لیا۔ امرا کو اس امید نے اس کی طرف جھکا دیا کہ ایک جواں سال تا جدار کی نئی نئی حکومت دولت اور عزت کی نئی نئی راہیں ان کے لئے کھول دے گی۔ فوج کے افسر اور سپاہی اس وعدے سے خوش ہو گئے کہ ان کی تنخواہیں بڑھا دی جائیں گی۔ عیسائیوں کو کامل نہ ہی آزادی کے عطیہ کی خوشخبری سنائی گئی اور قوم کو یہ یقین دلا دیا گیا کہ رومیوں کے ساتھ فوراً با آبرو صلح کر لی جائے گی اور محصولات لھٹا دیے جائیں گے۔

اس وسیع سازش کا جال پھیلا کر جب شیر دیہ نے اپنے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو خسر کے طرف دار بھی جو آئے میں صرف بقدر نمک کے رہ گئے تھے زمانہ کا رنگ بدلا ہوا کیکہ کراس کے ساتھ مل گئے۔ بے یار و مددگار خسر نے پایہ تخت سے نکلے

غلبة سوم = 174 =

کی کوشش کی لیکن گرفتار کر لیا گیا۔ شیرودیہ کے حکم سے اخبارہ بیٹھے اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کئے گئے۔ پھر وہ خود ایک تیرہ دنار زندگی میں جھوک دیا گیا جہاں سفاک بیٹھے کے ایسا پر شکنجه کے گوناگون عذاب کے ساتھ مسلسل پانچ دن کی گرگئی و تشنگی کی عقوباتوں نے اس کی زندگی کا خاتمه کر دیا۔

نوشیروالا نے اپنے قصر دولت کے جن چودہ گنگروں کو خواب میں گرتے دیکھا تھا ان میں سے ابھی دو ہی منہدم ہوئے تھے لیکن باقی بھی جلد ہی سرگوں ہو جانے والے تھے۔ شیرودیہ سے لے کر یزد گرد تک بارہ ساسانی تاجداروں نے صرف نوسال کا زمانہ پایا جس کے خاتمہ پر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد اقدس کے مطابق اسلام کرنی کے پایہء تخت میں جا پہنچا۔ اور حضرت سعد و قاصی یہ آیات پڑھتے ہوئے ساسانیوں کی دولت سرا میں داخل ہوئے۔

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعَيْوَنٍ ۝ وَزُرْقَعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝ وَنَعْمَةٌ كَافُوا
 فِيهَا فَاكِهِينٌ ۝ كَذِلِكَ وَأُوْرَثَاهَا قَوْمًا أَخْرَى ۝

ہرقل اور اسلام

ومن يضلله فلا هادی له

خرود کے عبرت انگیز حشر اور شیر و یہ کی تخت نشینی کی خبر ہرقل کو تبریز میں ملی۔ ساتھ ہی نئے تاجدار کی طرف سے جلیل القدر عماید سلطنت کا ایک وفد صلح و آشتی کا پیغام لے کر پہنچا۔ اس جاں گسل آویزش کو جو سالہا سال سے ہمسایہ دولتوں کے جسم کا خون نچوڑ رہی تھی بیگناہ تنفس روک کر اہد یکھستے ہوئے شیر و یہ نے اپنے ”برادر جمند“ قیصر روم سے استدعا کی تھی کہ ایسی شراط پر جو دو لٹ ساسانیہ کی عزت و آبرو کی منافی نہ ہوں دونوں سلطنتوں کا رشتہ موالات و موانحات از سرنو قائم ہونا چاہئے۔ ہرقل خود بھی چاہتا تھا چنانچہ شرائط صلح بہ آسانی طے ہو گئیں۔ شیر و یہ اپنے باپ کی فتوحات سے دست بردار ہو گیا۔ مصر اور شام کے تمام شہر جن پر ابھی تک ایرانی فوجیں قابض تھیں خالی کر دیے گئے اور یہ افواج عبرت تمام اپنی سرحد پر پہنچا دی گئیں۔ دونوں طرف کے ایران جنگ علی سبیل مبارله رہا کر دیے گئے۔ صلیب کی وہ چوب مترک جسے خرسو کی غار تکری بیت المقدس سے لوائی لائی تھی اور جس پر شیریں کے سمجھی معتقدات نے کوئی آنج نہ آنے دی تھی ساسانی تو شہ خانہ سے اٹھوا کر ہرقل کے پاس بھجوادی گئی۔ ان تمام مراتب کی تکمیل کے بعد ایران اور دولت مشرقیہ کی سرحدات بتراضی فریقین وہی قرار پائیں جو جنگ سے پہلے خرسو اور مارس کے زمانہ میں تھیں۔

”بعض سنین“ کی انتہائی دہ سالہ میعاد کے خاتمه پر ”وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلْبِهِمْ سِيَغْلِبُونَ“ کا پورا مصدقہ ہو کر ہرقل فتح و نصرت کے شادیاں بجا تا ہوا تبریز سے عازم

قططنهیہ ہوا۔ پایہ تخت میں اس کے داخل کی تقریب کا سرت افروز سماں تاریخ کو کبھی نہ بھولے گا۔ جوش عقیدت سے بے تاب رعایا زیتون کی شاخیں اور بے شمار موی شمعیں ہاتھ میں لئے میلوں تک اس کے استقبال کے لئے کھڑی تھیں۔ ایک نہرے پر پلے رکھ پرسوار ہو کر جس میں چار ہاتھی جتے ہوئے تھے وہ جب قحطنهیہ میں داخل ہوا تو خیر مقدم کے جانفرانعروں سے فضائے آسمانی گونج اٹھی۔ کوئی دل ایسا نہ تھا جو جوش انبساط سے بلیوں نہ اچھل رہا ہو۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس میں خوشی کے آنسو بُدھا نہ آئے ہوں۔

دوسرے سال (۶۲۸ھ) ہرقل نے پاپیادہ ارض مقدس کی زیارت کا قصد کیا تاکہ اپنی بے مثل فتوحات کی یاد میں یورشلیم پہنچ کر ”خداء کے بیٹے“ کے آستانہ پر بحدہ شکر بجالائے اور صلیب کی بحالی سے میسیحیت کی چھنپی ہوئی دولت بیت المقدس کو لوٹا دے۔ اس کا یہ سفر بھی فرخ و فیروزی کا ایک مسلسل جلوس تھا۔ علامہ شبی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ”وہ حص سے بیت المقدس آیا تھا اور اس شان سے آیا تھا کہ جہاں چلتا تھا زمان پر فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے۔“

زمانہ قیام حفص میں ہرقل کو رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک وصول ہوا۔ جس میں دوسرے سلاطین کی طرح اسے بھی دعوت اسلام دی گئی تھی۔ اس ارشاد نبوی کا مضمون حسب ذیل تھا۔

من محمد عبد الله ورسوله الى هرقل عظيم الروم . سلام على من
اتبع الهدى . اما بعد فاني ادعوك بدعايته الاسلام . اسلم تسلم يوتك
الله اجرك مرتبين فان توليت فعليك اثم الاريسين . ويا اهل الكتاب
تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا
ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فاشهدوا بانا مسلمون .

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خدا کے بندے اور رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہرقل رئیس روم کے نام۔ اس شخص پر

سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔

اس کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تو نے اسلام قبول کر لیا تو سلامت رہے گا اور خدا تجھے اس کا دو ہر اجر دے گا۔ لیکن اگر تو نے روگردانی کی تو رعا یا کا گناہ تیری گردن پر ہو گا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی حقیقت کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اور جو یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کریں اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی شخص اپنے جیسے کسی انسان کو اپنا خدا نہ بنالے۔ اس سچائی کو اگر تم تسلیم نہیں کرتے تو گواہ رہو کہ ہم اس کے تسلیم کرنے والے ہیں۔“

تین ہزار سال ہوئے جب ابراہیم علیہ السلام کے لئے ابتدائے مرضات اللہ کے صدر میں ”امام الناس“ کا منصب تجویز ہوا تھا اور ساتھ ہی ان کے دونوں بیٹوں اسماعیل اور اسحاق کے حق میں انہیں یہ آسمانی بھارت دی گئی تھی کہ ان کی نسلیں دنیا میں پھیلیں پھولیں گی۔ انہیں نبوت کے خلعت سے سرفراز کیا جائے گا اور ان کے سروں پر تاج سلطنت رکھا جائے گا۔ اسماعیل کی بابت وعدہ ایزدی کا اعلان ان الفاظ میں ہوا تھا کہ ہم نے اسماعیل کے بارے میں تیری دعا قبول فرمائی۔ ہم اس پر اپنی برکتیں نازل فرماتے ہیں۔ ہم اس کی نسل میں بے حساب افزائش کریں گے۔ اس کے صلب سے بارہ تاجدار پیدا ہوں گے اور اسے ایک عظیم الشان قوم کا درجہ عطا کیا جائے گا۔ (تکوین باب ۷۱۔ آیت ۲۰)

تورات کے جمع کرنے والوں کو آل اسحاق کی شان میں قصیدہ خوانی کرنے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ اسماعیل کی یاد کے ساتھ بھی اعتماد کریں۔ سارہ و ہاجرہ کی رقابت اور ہاجرہ و اسماعیل کی خانہ بدوسی کی داستان قلم بند کرنے کے بعد صرف اتنا بتا کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ ”خدا کا سایہ اس لڑکے سر پر تھا۔ فاران کے بیابان میں اس نے طفویلیت کا زمانہ گزار کر سر منزل شباب میں قدم رکھا اور تیر اندازی کے فن میں مہارت

بہم پہنچائی۔ پھر اس کی ماں نے اس کا گھر ایک مصری دہن لا کر آباد کیا۔“ (مکونین باب ۲۱۔ آیات ۲۰، ۲۱)

اس حقیقت کبریٰ سے غافل ہو کر کہ دری میں پھل لانے والے درخت دری ہی میں نشوونما پایا کرتے ہیں نبی اسرائیل کے اقبال کی شتاب زندگی اگرچہ خدائے بزرگ و برتر کی موعودہ رحمتوں پر نبی اسماعیل کے حقوق کو فراموش کرچکی تھی لیکن خدا کو اپنا عہد یاد تھا۔ موسیٰ عمران جب طور سینا سے پڑھے تو ان کی کلیم اللہی نے اس عہد کی تجدید ان الفاظ میں کی۔ ”میں ان کے بھائیوں میں سے اک نبی پیدا کروں گا جو تیرا مثیل ہوگا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور وہ انہیں میرے تمام احکام پہنچائے گا۔ (استشنا باب ۱۸۔ آیت ۷۷)

نبی اسرائیل کی کورسادی کو یہ حقیقت تو کس طرح سوجھ سکتی تھی کہ وہ نبی جس کے لئے مثیل موسیٰ ہونے کے اعتبار سے دینی و دنیوی عظمتوں کا مظہر اتم ہونا لازمی تھا بھی اسماعیل میں مبجوض ہوگا اور اس کے ایک ہاتھ میں اگر لوح محفوظ کی ازلی و سرمدی صداقتوں کا منشور ہوگا تو دوسرے میں فاران کے تیر انداز کی بانکی کمان ہوگی۔ البتہ ایک جلیل القدر اور بدیع المزالت نبی کی آمد کا عقیدہ ان کے دلوں میں ضرور راخ ہو گیا تھا جس کے آتے ہی ان کے سب دل در دور ہو جانے والے تھے۔ اپنی نمایاں خصوصیات کی بناء پر اس نبی کی بعثت مسیح علیہ السلام کے موعودہ ظہور اور الیاس علیہ السلام کی منتظرہ آمد سے یہاں تک الگ تھی کہ نبی اسرائیل اسے امتیازاً ”وہ نبی“ کہہ کر یاد کرتے تھے۔ چنانچہ جب یحییٰ علیہ السلام جناب مسیح ابن مریم کی پیش روی کے درج پر فائز ہوئے تو یہودیوں نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا تو مسیح ہے اور جب انہوں نے کہا کہ میں تو مسیح کی جوتیاں سیدھی کرنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتا تو پھر یہ پوچھا کر کیا تو الیاس ہے؟ اور اس سوال کا جواب بھی نبی میں پا کر بدرجہ اخیر یہ استفسار کیا کہ اگر تو مسیح بھی نہیں ہے اور الیاس بھی نہیں ہے تو پھر کیا تو ”وہ نبی“ ہے؟ (یوحننا باب اول آیات ۲۱، ۲۰)

غلبة سعیم 179

یہودیوں کے پشتی مفاسد کی اصلاح کے لئے آخر مسیح ابن مریم ظاہر ہوئے اور جب اپنا کام ناتمام چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہونے لگے اپنے حواریوں کو اسی جانے پہچانے نبی کے متعلق یادگار زمانہ بشارت سناتے گئے۔ جس کے بلیغ کنایات پر ہزار تصریحات ثاثر ہیں۔ ”میں اپنے پروردگار سے دعا کروں گا اور وہ ایک اور تسلیم دہندہ تھمارے پاس بھیج گا جو وائی طور پر تمہارے درمیان رہے گا۔ یہ تسلیم دہندہ روح حق ہو گا جسے دنیا قبول نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ وہ دنیا کی نظر وہ اوجھل ہے اور دنیا سے نہیں جانتی لیکن تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تم میں موجود رہے گا۔ یہ تسلیم دہندہ یہ روح القدس جسے پروردگار میرے نام پر دنیا میں بھیج گا تمہیں تمام حقائق کی تعلیم دے گا اور وہ تمام باتیں تمہیں یاد دلانے گا جو میں نے تمہیں بتائی ہیں۔ (یوحننا باب ۱۲۔ آیات ۱۶ اور ۱۷) میں تم سے سچی حق کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا دنیا سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ گیا تو تسلیم دہندہ تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں چلا گیا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور جب وہ آئے گا تو دنیا کو بدی کے لئے سرزنش نیکی کی تلقین اور عدل کی ہدایت کرے گا۔ سرزنش اس لئے کہ یہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں رکھتے۔ تلقین اس اعتبار سے کہ میں اپنے پروردگار کے پاس جا رہا ہوں اور تم مجھے نہ دیکھو گے۔ عدل ان معنوں میں کہ سرور عالم کے سر پر مسولیت کا بوجھ رکھا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ لیکن اس وقت تم ان کی تاب نہیں لاسکتے۔ جب وہ روح حق آئے گا تو تمہارا رہنمایا ہیں کہ حقیقت کا ایک ایک ٹھہر تھمہیں بتائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو کچھ وہ سنئے گا اسی کا وہ اعادہ کر دے گا اور تمہیں آنے والے واقعات کی اطلاع دے گا۔ وہ میرا نام دنیا میں روشن کرے گا۔ اس لئے کہ اسے وہ دولت دی جائے گی جو میرے حصہ میں آئی ہے اور اس دولت کے فیضان سے وہ تمہیں مستفید کرے گا۔ (یوحننا باب ۱۶۔ آیات ۱۶ اور ۱۷)۔ اب میں تم سے مزید گفت گونہ کروں گا کیونکہ سرور عالم آنے والا ہے اور اسے میری ضرورت باقی نہیں رہی۔ (یوحننا: ۱۶، آیت ۳۰)

پروفیسر اسکاٹ جن کی تصنیف ”عرب و غرب“ انگریز مسلمانوں کے محیر العقول تمدن کی ایک دل آدیز تاریخ ہے لفظ ”فارقلیط“ کی بحث میں لکھتے ہیں۔

”جن لوگوں کو آسمانی صحائف کے نکات میں در خور تھا اور جن کے نزدیک ”اپا کریفا“ (انجیل محرف) کی قدر و قیمت کتاب مقدس کے متعارف اجزاء سے کسی طرح کم نہ تھی ایک مصلحہ اعظم کے ظہور کے منتظر تھے۔ انجیل کی مکر بشارتیں دنیا کو اس جست حق کی آمد کا نشان دے چکی تھیں جس کی تعریف فارقلیط یعنی تکیین دہندہ کہہ کر کی گئی تھی اور جس کی بعثت کا مشایہ تھا کہ مسیح نے جن صداقتوں کی تلقین کی انہیں اپنی اصلی پائیزہ شکل میں پھیلانے۔ میسیحیوں کو جن کے کثیر التعداد فرقوں میں ناسک، سیرخیں، موناٹینس اور مانویوں کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے اس حقیقت کا بخوبی احساس ہو کہ موعودہ نبی کا ظہور عظیم الشان دنیوی فوائد سے وابستہ ہوگا۔ اس لئے ہر فرقہ کا پیشواد عویٰ کرتا تھا کہ میں ہی وہ فارقلیط ہوں جس کی خبر کتاب مقدس میں دی گئی ہے اور باقی تمام دعوے کرنے والے کذاب ہیں۔ نہایت ثقہ شہادت پر بیان کیا گیا ہے کہ انجیل بر بنas میں آنے والے نبی کے متعلق (Paraklites) فارقلیط (معنی تکیین دہندہ) کی بجائے ابتدأ (Paraklites) کا لفظ درج تھا۔ جس کے معنی ”جلیل الشان“ ہیں۔ چونکہ نبوت کے بہت سے مدئی پیدا ہو چکے تھے جنہوں نے یہ لقب اختیار کر کے سمجھی دنیا کو انواع و اقسام کی پریشانیوں اور خطروں میں بنتلا کر دیا تھا۔ اس لئے انجیل میں سے ”جلیل الشان“ کا لفظ اڑا کر اس جگہ ”تکیین دہندہ“ کا لفظ داخل کر دیا گیا۔ عربی کا لفظ محمد اور یونانی لفظ جس کا ترجمہ ”جلیل الشان“ ہے۔ ہم معنی واقع ہوئے ہیں اسی لئے جب محمد مصطفیٰ مبعوث ہوئے تو مسلمانوں کی ارادت نے دونوں الفاظ کے معنوی تطابق سے فائدہ اٹھا کر تسلیم کر لیا کہ انجیل کی یہ کھلی ہوئی بھارت انہیں پر چپاں ہوتی ہے نہایت ہی قدیم کتابیں اس روایت پر بھی روشنی ڈالتی ہیں کہ عرب میں جہاں انجیل کی اشاعت بکثرت ہوئی تھی صدیوں سے احمد یا محمد نام کے ایک پیغمبر کا انتظار تھا۔ اور اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ

ایک غیر معروف زبان کے ایک لفظ نے جو مکہ سے ایک ہزار میل کے فاصلہ پر لکھا گیا تھا بنی نوع انسان کے ایک بہت بڑے حصے کی سیاسی اور مذہبی قسمت کا فیصلہ کرنے میں معتمد بہ حصہ لیا ہو۔“

تورات و انجلیل کی یہ تمام بشارتیں ہرقل کے پیش نظر تھیں اور اہل کتاب کے تمام باخبر حلقوں کی طرح آخرالزمان پیغمبر موعودہ کاظمہ اس کے معتقدات میں داخل تھا۔ حال ہی میں اس پر بعض پراسرار مابعد الطبعی کیفیتیں بھی طاری ہوئی تھیں جنہوں نے کم از کم اس کے دل سے یہ گواہی دلوادی تھی کہ دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ کہ ایک ختنہ کرنے والا بادشاہ نمودار ہوا ہے جس کی قوت تمام مخالف قوتوں پر غالب آگئی ہے۔ (صحیح بخاری) اس کی فراست اس عجیب و غریب خواب کی تعبیر میں غلطان و پیچاں ہی تھی کہ غسانی دربار کا بھیجا ہوا ایک عرب اس کے سامنے پیش کیا گیا جس نے اسے محمد مصطفیٰ ﷺ کے ظہور اور آپ کے کارنا موں کی خبر دی اور باتوں باتوں میں اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس نے پیغمبر کی امت میں ختنہ کی رسم جاری ہے۔ اس پر معا تو رات کی وہ آیات اسے یاد آگئیں جن میں خداۓ قدوس نے اپنے برگزیدہ بندے ابراہیم سے ذیل کا سرمدی عہد باندھا تھا۔

”میں نے تیری نسل کو یہ ملک عطا کیا ہے جو مصر کے دریا سے لے کر فرات کے بڑے دریا تک پھیلا ہوا ہے۔ (مکوین باب ۱۵- آیت ۱۸) اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا سارا ملک جس میں تو اجنبی ہے ہمیشہ کے لئے عطا کروں گا اور میں ان کا خدا ہوں گا۔ پس تجھ کو چاہئے کہ تو اور تیرے بعد تیری اولاد نسل بعد نسل میرے عہد پر قائم رہے اور میرا تیری نسلوں کا باہمی عہد یہ ہے کہ تمہاری اولاد ذکر کا ختنہ کیا جائیا کرے گا۔ (مکوین باب ۱۷- آیات ۸، ۹، ۱۰) مصر اور کنعان اور شام کی فرمانروائی جو اس عہد مقدس کی رو سے آل ابراہیم کی اسرائیلی شاخ کو عطا ہوئی بنی اسرائیل سے تو ان کی بد اعمالیوں کی پاداش میں حسمیں جا چکی تھیں۔ اور خرقل بنی کے الہام نے بیت المقدس کا

ختتہ یہ کہہ کر الٹ دیا تھا کہ

”اے شریر اور ناپاک اسرائیلی حکومت تیر آخڑی وقت آپنچا اور بدی کے خاتمہ کی ساعت بھی سر پر آگئی۔ خدا نے قدوس کا فرمان ہے کہ یہ کلاہ خردی چھین لو۔ یہ تاج شاہی اتنا رچھنکو۔ اب وہ اگلی سی حالت نہیں رہ سکتی۔ جو پست ہیں وہ بلند کئے جائیں گے اور جو بلند ہیں وہ پست کئے جائیں گے۔ میں بیت المقدس کی اسرائیلی حکومت کاختتہ الٹ دوں گا یہاں تک کہ وہ آئے گا جو اس کا حقدار ہے اور میں یہ تاج اس کے سر پر رکھوں گا۔“ (صحیفہ حز قیل باب ۲۲۔ آیات ۲۵، ۲۶، ۳۷)

یہی دولت کے نبی اسرائیل جائز وارث نہ تھے۔ اس لئے کہ گو خود مسیح علیہ السلام باتابع عہد ابراہیم مختار ہوئے لیکن ان کی امت نے یہ عہد توڑ دیا۔ اس کے علاوہ وہ نہ تو ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھی اور نہ میثاق خداوندی کے مطابق اس نسل کی زر خرید غلام تھی۔ ایسی حالت میں مصر کنغان اور شام کے مقدس تر کی حقدار آل ابراہیم کی اسماعیلی شاخ ہی ہو سکتی تھی۔

ان تمام حقائق عالیہ پر غور کرنے کے بعد ہر قل اس نتیجہ پر چنچا تھا کہ ہونہ ہو عرب کا نیا پیغمبر ہی وہ ختنہ کرنے والا بادشاہ ہے جس کے غلبہ کی طرف اس کے خواب نے اشارہ کیا تھا۔

میں اس حالت میں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک شرف صدور لایا اور اگلی پچھلی تمام شہادتوں کی قصہ دیکی ایک کھلی ہوئی نشانی موجود ہو گئی۔ قدرتی طور پر ہر قل کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مکتب کے رقم کے متعلق تفصیلی حالات بھیم پہنچائے۔ تمصیں میں اس تخصص و تمحیص کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ اس لئے اس نے حکم دیا کہ جس طرح ہو سکے کچھ ایسے لوگ اس کے سامنے پیش کئے جائیں جو محمد مصطفیٰ کے ہم وطن ہوں اور ان کے تمام حالات پر چشم دیدیں شہادت کی روشنی ڈال سکیں۔

ابوسفیان ان ایام میں اتفاقاً ایک قافلہ تجارت کے ساتھ فلسطین آئے ہوئے تھے

اور ایلیا میں مقیم تھے۔ ہرقل کے قاصدان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا گیا۔ کلیسا یے عیسوی کے جلیل القدر بطریق اور سلطنت کے بلند پایہ عماید قرینہ سے اپنی اپنی نشتوں پر متمكن تھے۔ اس موقع پر ابوسفیان اور ہرقل میں جو مکالمہ ہوا اس کی دلچسپ تفصیل حضرت ابن عباس رض کی زبانی بسند تصل ہم تک پہنچی ہے جو من و عن درج ذیل ہے۔

”ابوسفیان کا بیان ہے کہ جب وہ اپنے رفیقوں کے ہمراہ قیصر روم کے دربار میں لائے گئے تو قیصر نے دریافت کیا کہ تمہاری قوم میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کا سب سے زیادہ قربتی رشتہ دار تم میں کون ہے۔ ابوسفیان نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں ہوں۔ ہرقل نے انہیں اپنے قریب بلا لیا اور باقی رو ساقریش کو اس غرض سے ان کی پشت پر کھڑا کر دیا کہ اگر اس کے سوالات کے جواب میں ابوسفیان کسی غلط بیان کے مرتكب ہوں تو یہ لوگ فوراً نوک دیں۔ ابوسفیان جو اس وقت حلقة گوش اسلام نہ ہوئے تھے بیان کرتے ہیں کہ بخدا اگر مجھے یہ ڈرنہ ہوتا کہ میرے ہم چشم مجھ پر دروغ گوئی کا الزام لگائیں گے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یقیناً بہت سی بے اصل باتیں بیان کر دیتا۔ اس کے بعد قیصر کے ساتھ ان کی گفتگو شروع ہوئی۔

ہرقل: یہ محمدؐ بجا ظانب تم میں کیا درجہ رکھتے ہیں؟

ابوسفیان: عالی نسب ہیں۔

ہرقل: تمہاری قوم کے کسی شخص نے ان سے پہلے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔

ہرقل: کیا ان کے آبا و اجداد میں کوئی شخص بادشاہ ہو گز را ہے؟

ابوسفیان: کوئی نہیں۔

ہرقل: کبھی انہوں نے جھوٹ بھی بولا ہے؟

ابوسفیان: کبھی نہیں۔

184 == غلبۃ سعਮ ==

ہر قل: دولتمند اور با اثر لوگوں نے ان کی پیر وی کی ہے یا بے پایہ اور کمزور اشخاص نے؟

ابوسفیان: صرف کمزور لوگوں نے۔

ہر قل: ان کے پیر ووں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟

ابوسفیان: روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

ہر قل: ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص منحرف بھی ہو جاتا ہے۔

ابوسفیان: کوئی نہیں پھرتا۔

ہر قل: انہوں نے کبھی وعدہ خلافی بھی کی ہے؟

ابوسفیان: آج تک تو نہیں کی۔ البتہ حال میں ہمارے ان کے درمیان ایک نیا عہد و پیمان ہوا ہے۔ دیکھئے اس پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔

ہر قل: تم نے کبھی ان سے جنگ بھی کی ہے؟

ابوسفیان: کئی دفعہ۔

ہر قل: پھر نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: ہماری اور ان کی جنگ ترازو کے دو پلوں کی طرح تھی۔ کبھی ان کا پله جھک گیا کبھی ہمارا۔

ہر قل: وہ تمہیں تلقین کس بات کی کرتے ہیں؟

ابوسفیان: کہتے ہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کا کسی کوششیک نہ کثہ راؤ۔ اپنے باپ دادا کی مشرکانہ رسکیں چھوڑ دو۔ نماز پڑھو جو بولو۔ پرہیز گار بنو اور صدر رحم کرو۔

یہ سوال جواب ہو چکے تو قیصر نے محکمہ کے طور پر ابوسفیان سے کہا کہ تم ان کی عالی نسبی کے قائل ہو۔ انہیا ہمیشہ شریف المنب ہوا کرتے ہیں۔ تم مانتے ہو کہ تمہاری قوم میں ان سے پہلے کسی نے پیغمبری کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر یہ دعویٰ پہلے بھی کسی نے کیا

ہوتا تو مگان ہو سکتا تھا کہ وہ صرف اپنے اسلاف کی تقیید کر رہے ہیں۔ تم قبول کرتے ہو کر ان کے آباد اجداد میں کوئی شخص صاحب تخت و تاج نہیں گزرا۔ اگر شاہانہ روایات نہیں اپنے خاندان سے ترکہ میں ملی ہوتیں تو کہا جا سکتا تھا کہ ادعائے نبوت سے ان کی غرض شاید یہ ہے کہ اپنے آباد اجداد کا کھویا ہوا ملک حاصل کریں۔ تمہیں اقرار ہے کہ دروغگوئی ان کا شیوه نہیں۔ پس جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ نبوت کا دعویٰ کر کے خدائے پاک پر کس طرح بہتان باندھ سکتا ہے۔ تم نے تسلیم کیا ہے کہ ان کی پیروی کرنے والے کمزور لوگ ہیں اور ان کے دین کی طاقت میں روز افزود اضافہ ہو رہا ہے۔ انبیا کی نشانی بھی یہی ہے کہ ابتداء ابتداء میں غریب ان کی پیروی کریں اور ان کا دین ترقی کرتا ہوا تابح دکمال پہنچ جائے۔ تم یہ بھی کہتے ہو کہ ایک دفعہ جو شخص ان کے دین میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس سے نہیں پھرتا۔ سچے دین کا یہی حال ہے کہ اس کی گرفت سے دیندار نہیں نکل سکتا۔ تمہیں اس بات کا بھی اعتراض ہے کہ انہوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ یہ ان کی صداقت کی ایک اور دلیل ہے کیونکہ پاس عہد انبیا کا شیوه خاص ہے۔ آخر میں تم نے بیان کیا کہ وہ تمہیں وحدہ لا شریک کی پرستش کی تلقین اور نماز و تقویٰ و صدر حرم کی ہدایت کرتے ہیں اگر یہ تمام باتیں سچے ہیں تو وہ دن دور نہیں کہ میری قدم گاہ پر ان کا قبضہ ہو جائے۔ یہ تو میں جانتا تھا کہ ان کا ظہور ہونے والا ہے لیکن یہ نہ جانتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو یقیناً ان کے پاؤں دھوتا۔

اپنی تقریر ختم کر کے ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک منگایا اور اس کے مضمون سے آگاہ ہو کر اہل دربار سے کہا کہ سلطنت کے بچاؤ کی اب صرف یہی صورت ہے کہ پیغمبر آخر الزمان کی اطاعت اختیار کر لی جائے ورنہ نہ دین سلامت رہے گا نہ دنیا ہی ہاتھ آئے گی۔ پرستار ان صلیب ایسی نامانوس باتیں اپنے تاجدار کے منہ سے سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ دربار میں ایک شورج گیا اور پادریوں نے جنہیں اسلام کے ساتھ

غلبہ سعدم 186

اس وقت بھی ایسا ہی شخص تھا جیسا آج کل ہے غیظ آلوہ ہو کر ہر قل پر وہ لے دے شروع کی کہ اس غریب کی عافیت نگہ ہو گئی۔ دنیا میں ایسے نفوس قدسی شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں جنہیں دنیا کو آخرت پر قربان کرنے کی توفیق بخشی گئی ہو۔ اسلام کی سرمدی دولت پر ہر قل کا ضمیر فریقتہ ہوا تھا لیکن یہ شیخنگلی اس حد کو نہ پہنچی کہ تخت و تاج کی آزو سے بھی اسے بے نیاز کر دے۔ امر اکی یہ جمی سے مرعوب اور بطارقہ کے غیظ و غضب سے خائف ہو کر اس نے بات اس طرح بدل دی کہ مجھے تو صرف تمہارے عقائد کی پنجنگلی کا امتحان لینا مقصود تھا۔

کم نصیبی اس کو کہتے ہیں کہ اسلام اور پیشوائے اسلام کے متعلق ہر قل کو گفتگو کرنے کا اتفاق بھی ہوا تو کفار قریش سے جن کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ موقع ملے تو اسلام کی منقصت کر کے اس کے دل میں اس نئے دین کی طرف سے وسو سے ڈال دیں۔ اس کے دربار میں کوئی جعفر طیار موجود نہ تھا۔ جو آیات قرآنی کی برخیل تلاوت سے دلوں کو پکھلا دیتا اور آنکھوں کو آنسوؤں سے ترکر دیتا دیجیہ کلبی جو رسول اللہ ﷺ کے نامہ بر تھے بصری سبک ہی پہنچ کر رہ گئے اور نامہ مبارک وہاں کے تکمیلی امیر کے ایک قادر کے ذریعہ سے ہر قل کے پاس پہنچا۔ اگر دیجیہ کلبی کو خود آکر اس سے دو بدو گفتگو کرنے کا اتفاق ہوتا تو سورہ روم کی ابتدائی آیات سن کر وہ اس کو اور اس کے ساتھ اس کے امراء اساقف کو بتا سکتے کہ جب ساری سلطنت روم شہسوار ان ایران کے قدموں سے روندی جا رہی تھی جب صفوی ہستی سے اس کے فتا ہو جانے کا دوست دشمن سب کو یقین ہو چلا تھا تو محمد مصطفیٰ ﷺ ہی تھے جنہیں فرشتہ آسمانی نے آ کر بتایا کہ روم اگرچہ مغلوب ہو گیا ہے لیکن دس سال کے اندر پھر غالب آ جائے گا۔ ہر قل اور اس کے حاشیہ نشینوں کو اگر دربار نبوی کا سفیر اس حقیقت سے آگاہ کر دیتا کہ اسکی عظیم الشان پیشین گوئی خدا کا وہ اولو العزم رسول ہی کر سکتا ہے جس کی شہادتوں سے کتب سماوی کے اور اق معمور ہیں تو دولت مشرقیہ کی تاریخ شاید کسی اور عی انداز میں لکھی گئی ہوتی۔

لیکن قست کے لکھے کوون مٹا سکتا ہے۔ فراست ایمانی کی وہ چنگاری جسے ہر قل
کے ضمیر نے سلاکیا تھا ہوں دنیا کی راکھ میں دب کر بجھ گئی اور کاتب تقدیر نے ماں کی
طرح قسطنطینیہ کا نام بھی ان شہرہ آفاق مقامات کی فہرست میں لکھ لیا جہاں اسلام کے قدم
پہنچنے والے تھے۔

حُلْبَهِ رَوْم

مولانا ناظر فراز علخاں

مغرب کے شمال میں دو بڑی عالمی طاقتیں بھی امریکی اور روسی سلطنتی صدویں سے مشرق و مغرب پر کمل ظہیر حاصل کرنے کے لئے تھیں۔ کبھی ایسا نہیں کاملاً ایسا ہماری ہو جاتا، کبھی رومنی ایسا نہیں کو یونیورسٹی کے مکتبی کے بعد رسالت میں اتفاق سے خسرو پر دین کی قیادت میں ایسا نہیں کامی زبردست حجت حاصل ہوئی کہ رومنیوں کے لئے اپنی سماجی شان و حکومت کی ہزار بیانی کی کوئی امید نہ رہی۔ ایسا نہیں کی اس حجت پر فکار مغرب، جو یہ سائیلیں کے خلاف تھے، بہت سرور ہوئے۔ میں انہیں ہوش میں سورہ روم نازل ہوئی جس میں صاف حکایت گوئی کی گئی کہ چھ سال بعد پانچ سال پہلے کام اور روسی حجت یا ب ہوں گے۔ رومنیوں کی کام بیانی کے مطابق کوئی آثار تھریتاً تھے۔ تھکن دنیا نے جلدی دیکھا کہ قرآنی آیات حرف بحر فتحی تاثیت اور کیم اور ہر قل کی قیادت میں رومنیوں نے ایسا نہیں کلختا ناش دی۔

اس تاریخی واقعیت کو اس کے تمام میں محسوسیت اور بھروسیوں اور یہ سائیلیں کی طوریں آؤیں کہ احوال مولانا ناظر علی خاں نے اپنے شخصیں انہاں میں قلم بند کیا ہے۔ اس دور کے بخارا لوں اور قیصیوں کی تصوریں اس طرح سمجھی ہے کہ قاری مسحور ہو کر وہ جاتا ہے۔ مولانا اپنی قدر الکاری کے لئے بخارا پر مشہور ہیں لیکن ان کی تھوڑا کھلکھلنا اور تشویش بھی دیہی ہے۔

297.1229

خط 536



2 55 7 3 - E 11 - 64

0300-2000-21600

www.nigarshahpublishers.com

پکتا کتابیں

ISBN: 978-969-9147-01-2